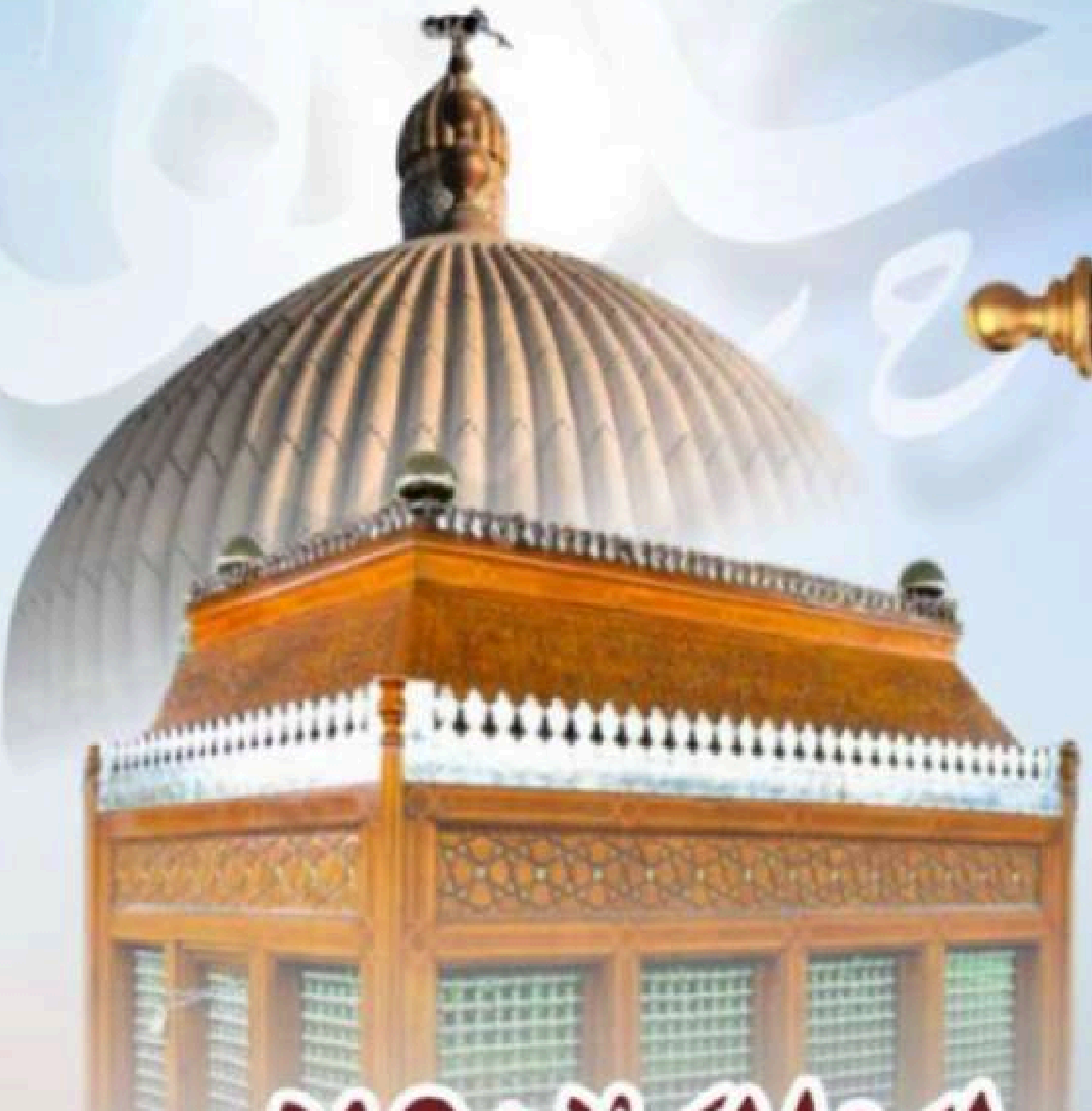


امام اعظم ابو حنیفہ کے عظیم الشان قصیدے

"قصیدۂ نعمانیہ" کی روشنی میں

ناقابل انکار دلائل و براہین کے ساتھ عقائد

و معمولاتِ اہلسنت کا اثبات و اظہار اور

اسلامی معلومات کا بے بہا خزانہ بنام

افکارِ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ



تصنیف لطیف

خلیفہ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی

پرنسپل دار العلوم محبوب سبحانی، کرلا ممبئی، انڈیا

ناشر

بزم فیضان رضا و نور ایمان اسلامک آرگنائزیشن

امامِ اعظم ابوحنیفہ کے عظیم الشان قصیدے ''قصیدۂ نعمانیہ'' کی روشنی میں
ناقابلِ انکار دلائل و براہین کے ساتھ عقائد و معمولاتِ اہلِ سنت کا اثبات و اظہار
اور اسلامی معلومات کا بے بہا خزانہ

بہ نام

افکارِ امامِ اعظم ابوحنیفہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تصنیف:

خلیفۂ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ

سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی

پرنسپل: دار العلوم محبوبِ سبحانی کرلا ممبئی، انڈیا

[ناشرین]

بزمِ فیضانِ رضا و نورِ ایمان اسلامک آرگنائزیشن

کتاب کا نام: افکارِ امامِ اعظم ابو حنیفہ

تصنیف : سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی

صدر مدرس دار العلوم محبوبِ سبحانی، کرلا، ممبئی

تصحیح : ادیب شہیر حضرت علامہ مولانا نفیس احمد قادری مصباحی

شیخ الادب جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

نظرِ ثانی : حضرت علامہ مفتی محمد فیروز علیمی مصباحی

استاذ و مفتی دار العلوم محبوبِ سبحانی، کرلا، ممبئی

سیٹنگ : حضرت مولانا قاری رفیق احمد نظامی سبحانی

استاذ دار العلوم محبوبِ سبحانی، کرلا، ممبئی

پروف ریڈنگ: عزیزم مولوی مکارم رضا مکرم سبحانی (متعلم جماعتِ سادسہ)

طبعِ اول : جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ مطابق نومبر ۲۰۲۵ء

تعداد : گیارہ سو (۱۱۰۰)

صفحات : ۵۴۶

قیمت : ۲۵۰

ملنے کا پتہ: دار العلوم محبوب سبحانی، کرلا ویسٹ، ممبئی ۷۰

فہرست

شرفِ انتساب

امام الائمہ، کاشف الغمہ، سراج الامہ، پیشوائے محققین، قدوۃ السالکین،
سند المحدثین، افضل الفقہاء والمتکلمین حضرت امام ابوحنیفہ
نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے نام

گر قبول افتد زہے عزو شرف

خاکِ پائے امامِ اعظم
احقر سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی، عفی عنہ
صدر مدرس دار العلوم محبوبِ سبحانی کرلا ویسٹ ممبئی ۷۰
۲۶ر محرم الحرام ۱۴۴۷ھ مطابق ۲۱ر جولائی ۲۰۲۵ بروز پیر

تقریظِ جلیل

ادیبِ اہلِ سنت، ماہرِ علومِ بلاغت، زینتِ مسندِ تدریس

حضرت علامہ نفیس احمد قادری مصباحی دامت برکاتہ العالیہ

استاذ و شیخ الادب: جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی، انڈیا

باسمہ وحمدہ تعالیٰ و تقدّس

زیرِ نظر کتاب ''افکارِ امامِ اعظم ابوحنیفہ'' القصیدۃ النعمانیۃ کی اردو زبان میں شرح و ترجمانی ہے، اِس قصیدے کی نسبت امام الائمہ، کاشف الغمہ سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی: ۱۵۰ھ) کی ذاتِ گرامی سے ہے، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم و روحانیت کے **مجمع البحرین** تھے، ائمۂ اربعہ جن کے مقلدین و متبعین اس وقت جادۂ حق و صداقت پر قائم ہیں، اور بقولِ علمائے ربانی جن کے پے رو کار ہی اس وقت اہلِ سنت و جماعت ہیں اور راہِ حق پر گامزن ہیں، ان میں تابعی ہونے کا شرف صرف امام اعظم قدس سرہ ہی کو حاصل ہے۔ اس لیے دینی اور علمی نقطۂ نظر سے ان کے کلام کی حیثیت بہت بلند ہے۔

یہ قصیدہ بارگاہِ رسالت میں استغاثہ کی شکل میں بہترین نعتِ رسول بھی ہے اور

اسلامی افکار و عقائد کا خوب صورت مرقع بھی ہے، سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات، معجزات وخوارق عادات اور سیرتِ نبوی کے بہت سے روشن پہلوؤں کا حسین و دل کش تلمیحاتی بیان بھی ہے۔

یہ قصیدہ عربی زبان میں ہے، اس لیے اردو داں طبقہ اس سے استفادہ نہیں کر سکتا تھا۔ بھلا ہو محبِ محترم حضرت مولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی مد ظلّہ کا کہ انھوں نے اردو زبان میں اس کا ترجمہ اور تشریح کر کے ان لوگوں کے لیے اس سے استفادہ آسان کر دیا۔

مصنف گرامی جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ یو۔ پی کے ممتاز فاضل ہیں، ربِّ کریم نے انھیں گونا گوں خوبیوں سے نوازا ہے: وہ اعلیٰ درجے کے مدرس، بہترین مربی، کامیاب خطیب، مخلص داعی، تجربہ کار منتظم، بہترین حافظ، خوش آواز قاری اور اچھے مصنف وقلم کار ہیں۔ ۲۰۰۹ء میں جامعہ اشرفیہ سے فراغت کے بعد ہی شہر ممبئ کے مشہور اور باوقار تعلیمی ادارہ "دار العلوم محبوبِ سبحانی" کرلا میں صدر المدرسین کے منصب پر فائز رہ کر بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ منصبی ذمے داریاں نبھا رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی تعلیمی لیاقت، انتظامی بصیرت اور معاملہ فہمی کے ذریعے دار العلوم محبوبِ سبحانی کو زبردست ترقی سے ہم کنار کیا اور اپنے مخلص اساتذہ اور احباب کی مدد سے اسے وہ بلندی عطا کی کہ آج تعلیمی اور تربیتی اعتبار سے یہ ممبئ کا سب سے ممتاز دار العلوم ہے۔

ربِّ کریم نے موصوفِ گرامی کو اخلاص، دردِ دل، اور دین ومسلکِ حق کی خدمت کا جذبہ فراواں عطا فرمایا ہے، اس لیے یہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ قومِ مسلم کے نونہالوں کو کس طرح دینِ اسلام اور مسلکِ اہلِ سنت کے صحیح عقائد ونظریات اور

افکار و تعلیمات سے آراستہ کیا جائے۔ اسی کے پیشِ نظر انھوں نے اسکول اور کالج میں پڑھنے والے بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم کے لیے "سبحانی دینی نصاب" کے نام سے ایک مختصر اور جامع نصابی سلسلہ تیار کیا اور اسے طباعت و اشاعت کے مراحل سے گزار کر قوم کے سامنے رکھ دیا۔ بحمدہ اللہ تعالیٰ اس نصاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، مختلف تعلیمی اداروں، اسکولوں اور جز وقتی مدرسوں نے اسے اپنا نصابِ تعلیم بنایا، یا اپنے تعلیمی نصاب میں شامل کیا۔

سید صاحب ممبئی جیسے مصروف ترین شہر میں رہتے ہیں، دار العلوم محبوبِ سبحانی کی صدارت، درسی کتابوں کی تدریس،، دارلعلوم کی مسجد میں امامت و خطابت، قوم کی اصلاح کے لیے مختلف اہم موضوعات پر خصوصی تقریریں، اور بوقتِ ضرورت دوسرے مقامات کے تبلیغی اور دعوتی دورے اور ان سب کاموں سے وقت نکال کر مختلف اہم دینی اور علمی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف بھی کرتے ہیں۔ یہ سب کام اللہ ربُّ العزت کی خصوصی توفیق کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

اس کتاب کا اکثر حصہ میری نظر سے گزرا۔ شارحِ موصوف نے بڑی محنت، عرق ریزی اور فکر و تدبر سے یہ کتاب تیار کی ہے، زبان سادہ، سلیس اور سستہ، پیرایۂ بیان سلجھا ہوا، تعبیریں عالمانہ اور باوقار مگر ادبیت سے سرشار ہیں، عربی الفاظ کی تشریح، مشکل عربی محاوروں اور ضرب الامثال کی بہترین توضیح، وجوہِ بلاغت کا بیان، اشعار میں موجود تلمیحات کی وضاحت کے لیے حدیث و سیرت کی معتبر کتابوں کے حوالے سے واقعات و معجزات کی بقدرِ ضرورت تفصیل، بعض نحوی اعتراضات کا عالمانہ جواب، اور جگہ جگہ مذہب اہلِ سنت کے عقائد و افکار کی مستحکم اور واضح تائید کتاب کی خصوصیت ہے۔ کتاب کا

مقدمہ بہت شان دار، عمدہ اور جامع ہے، جو باذوق اہل علم کو دعوتِ مطالعہ دیتا ہے۔

ربِّ کریم مصنفِ گرامی کی اس دینی وعلمی خدمت کو شرفِ قبول بخشے، کتاب کو قبولِ عام عطا فرمائے، اور انھیں بیش از بیش دینی وعلمی خدمات کی توفیق بخشے، انھیں تمام زمینی اور آسمانی بلاؤں سے محفوظ رکھے، اور توفیقِ خیر کے ساتھ عمرِ خضر عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین . وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

از

نفیس احمد مصباحی

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ

مورخہ

۹ر ذوالحجہ، ۱۴۴۶ھ

مطابق ۶ر جون ۲۰۲۵ء

بروز جمعہ

افکارِ امام اعظم ابوحنیفہ اور اس کے مؤلف
مولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی

صاحبِ تصانیفِ کثیرہ، جامع معقولات و منقولات

حضرت علامہ مفتی ساجد علی مصباحی دامت برکاتہ العالیۃ۔

استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آج سے قریب بیس، اکیس سال پہلے (غالباً ۲۰۰۴ء) کی بات ہے جب میں مفکر اسلام حضرت علامہ یسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ (متوفی: ۲۰۲۳ء) کی کتاب ''المدیح النبوی'' پر عربی حواشی کے جمع و ترتیب کا کام کر رہا تھا، اس وقت پہلی بار مجھے سراج الامہ، امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی: ۱۵۰ھ) کے عظیم الشان قصیدہ، معروف بہ ''قصیدۂ نعمانیہ'' کا بنظر غائر تفصیل سے مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا، اسی وقت میرے دل میں خیال آیا کہ اس کتاب (المدیح النبوی) کے تحشیہ سے فارغ ہونے کے بعد اگر وقت نے ساتھ دیا اور قسمت نے یاوری کی تو ضرور قصیدۂ نعمانیہ کی اردو زبان میں ایک تفصیلی شرح

لکھوں گا اور اس کے کلمات میں ودیعت کیے گئے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کی سیرت کے گونا گوں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کروں گا، تا کہ معمولی اردو خواں طبقہ بھی اس قصیدے میں پوشیدہ اسرار ورموز سے آگاہ اور اس میں موجود علمی وفکری خزانے سے بہرہ مند ہو سکے، مگر اس کتاب کے حواشی کی ترتیب سے فراغت کے بعد دوسرے تحریری کاموں میں اس طرح مصروف ہو گیا کہ دوبارہ ادھر توجہ ہی نہ ہو سکی اور توجہ ہوتی بھی کیسے جب کہ خالق کائنات نے یہ سعادت، گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی کے حصے میں مقدر فرمائی تھی، انھوں نے توفیق الٰہی سے ۲۰۱۲ء میں اس قصیدہ کی ایک شرح تحریر فرمائی اور اس کا نام ''ادلۂ ایمانیہ شرح قصیدۂ نعمانیہ'' رکھا۔ قریب ایک سوتریسٹھ صفحات پر مشتمل یہ شرح بہت عمدہ اور طلبہ وعوام کے لیے کافی معلومات افزا ہے۔

ابھی چند دنوں پہلے مولانا موصوف نے مکۂ مکرمہ سے میرے موبائل پر ایک کتاب بھیجی جو ابھی کمپوزنگ اور سیٹنگ کے مرحلے میں ہے، اس کا نام ہے ''افکار امام اعظم ابوحنیفہ''۔ یہ کتاب قصیدۂ نعمانیہ کی دوسری شرح ہے جو تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے ، ظاہر ہے کہ یہ کتاب پہلی شرح سے زیادہ مبسوط ومفصل ہے تو اس میں اس کی بہ نسبت مفید و نفع بخش معلومات بھی زیادہ ہی ہوں گی۔

قصیدۂ نعمانیہ:

قصیدۂ نعمانیہ کوئی عام قصیدہ نہیں ہے، بلکہ یہ اسلامی افکار وعقائد اور اہل سنت و جماعت کے دینی معمولات ونظریات کا ایک دل کش مجموعہ ہے، اس کے دامن میں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اخلاق و کردار، احوال واوصاف، فضائل و کمالات اور محاسن ومعجزات کے تابندہ لعل و گہر روپوش ہیں، اس قصیدے کے ہر شعر میں عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی چاشنی اور جھلک، اہل سنت و جماعت کے کسی عقیدے اور نظریے کا

اظہار، یا کسی معجزے اور خرقِ عادت امر کا بیان ہے۔

ترپن اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ سیرتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے مختلف گوشوں کو محیط ہے۔ اس قصیدے میں قریب دو درجن، بلکہ اس سے زائد معجزات کا تلمیحاتی، یا تصریحی تذکرہ ہے اور اس کے ساتھ تقریباً اتنے ہی اہل سنت و جماعت کے عقائد ونظریات اور معمولات کا اجمالی ذکر بھی ہے جو اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ میں سر دست ان سب کی جھلکیاں ہی پیش کرتا ہوں، باقی رہی تفصیل تو وہ آپ کو اصل کتاب میں ملے گی۔

قصیدۂ نعمانیہ اور اہل سنت و جماعت کے عقائد و معمولات کا بیان :

اس قصیدے کے اشعار میں نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اوصاف و کمالات کے ساتھ صراحتاً، اشارۃً، یا ضمناً اہل سنت و جماعت کے بہت سے عقائد و معمولات کا بیان اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افکار ونظریات کا اظہار ہے۔ ہم اثباتِ مدعا کے طور پر ان میں سے صرف بعض عناوین کا ذکر کرتے ہیں اور تفصیل کے لیے اصل کتاب کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں :

- روضۂ انور کی زیارت کے ارادہ سے سفر کا جواز
- حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی حیاتِ ظاہری میں اور بعدِ وصال بھی یارسول اللہ کہہ کر پکارنے کا جواز۔
- حضور علیہ الصلاۃ والسلام اولِ خلق اور وجہِ تخلیق کائنات ہیں۔
- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی محبت جانِ ایمان ہے۔
- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا حسن بے مثال ہے۔
- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو جمیع ما کان وما یکون علم عطا فرمایا گیا ہے۔

- وسیلے کا ثبوت۔
- بروزِ محشر سب حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پرچم تلے جمع ہوں گے۔
- مشائخِ عظام کے ہاتھ، پاوں چومنے کا جواز۔
- حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے والدین کریمین کو زندہ کرنا اور ان کا مشرف بہ اسلام ہونا۔
- حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پوری کائنات سے افضل ہیں۔
- حضور علیہ الصلاۃ والسلام بے مثل ہیں، ان کی مثال محال ہے۔
- حقیقتِ محمدی کا ادراک ناممکن ہے۔
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے فضائل وکمالات لامحدود ہیں
- عقیدۂ حساب وکتاب۔
- وزنِ اعمال کی حقیقت۔
- حضور علیہ الصلاۃ والسلام سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے۔

قصیدۂ نعمانیہ اور معجزاتِ رسول ﷺ کا تذکرہ:

قصیدۂ نعمانیہ کے پندرہویں شعر میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے لیے ایسے معجزات ثابت ہیں جنھوں نے ساری مخلوق کو عاجز کر دیا ہے اور ان کے فضائل وکمالات ایسے عظیم الشان ہیں جن کی برابری نہیں کی جاسکتی۔ اس کے بعد کے اشعار میں متعدد معجزات کا اشارۃً، کنایۃً، اجمالاً، یا قدرے تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے، مثلاً:

- زہر آلود گوشت کا خود ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اس بات کی خبر دینا کہ میرے اندر زہر ملایا گیا ہے۔
- بدو کی گوہ کا عربی زبان میں بآوازِ بلند اس بات کا اقرار کرنا کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں، جس نے ان کی تصدیق کی وہ

کامیاب ہو گیا اور جس نے ان کی تکذیب کی وہ ناکام و نامراد رہا۔

- ایک بھیڑیے کا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں دیگر بھیڑیوں کا نمائندہ بن کر آنا اور اپنی فریاد پیش کرنا، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا اس کی حاجت پوری فرمانا۔
- شکاری کے جال میں پھنسی ہرنی کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے اپنی رہائی کی درخواست کرنا اور اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجانے کا وعدہ کرنا، پھر وعدہ کے مطابق واپس آجانا۔
- وحشی (جنگلی) جانوروں کا حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام پیش کرنا۔
- ایک اونٹ کا حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں اپنے مالک کی شکایت کرنا کہ وہ مجھ سے کام زیادہ لیتا ہے اور کھانا کم دیتا ہے، پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا اس کے مالک کو حکم دینا کہ اونٹ کے حقوق کا خیال رکھو۔
- حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے بلانے پر درختوں کا لبیک کہنا اور کسی فرماں بردار غلام کی طرح دوڑتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہو جانا۔
- حدیبیہ کے موقع پر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی انگلیوں سے چشموں کے مانند پانی ابلنا اور پندرہ سو صحابۂ کرام کا اس سے وضو کرنا، خود سیراب ہونا اور اپنے جانوروں کو بھی پانی پلانا۔
- حضور مختارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے داہنے ہاتھ میں بے زبان کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور وہاں موجود صحابۂ کرام کا سننا، پھر نیچے رکھ دینے پر کنکریوں کا خاموش ہو جانا۔
- بادل کے ٹکڑے کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پر سایہ فگن ہونا اور ساتھ ساتھ چلنا۔

- کھجور کے اس تنے کا جس پر ٹیک لگا کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام خطبہ دیتے تھے حضور کے فراق میں پھوٹ پھوٹ کر رونا، پھر حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا اسے تسلی دے کر چپ کرانا۔
- نمناک مٹی پر آپ کے قدموں کا نشان نہ پڑنا اور سخت مضبوط چٹانوں پر قدموں کے نشانات ظاہر ہو جانا۔
- مصیبت زدہ لوگوں کو ان کی بیماریوں سے نجات عطا فرمانا، مثلاً کسی کی بے نور آنکھوں میں لعاب دہن لگا دیا تو وہ بینا ہو گئیں، کسی کے منہ میں لعاب دہن ڈالا تو وہ سرکش جن کے اثرات سے محفوظ ہو گیا وغیرہ۔
- غزوۂ بدر میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی آنکھ حلقے سے باہر آ گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اپنے دست مبارک سے دوبارہ اسے حلقہ میں رکھ دیا تو ان کی آنکھ فوراً ٹھیک ہو گئی اور انھیں معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ کون سی آنکھ زخمی ہوئی تھی۔
- غزوۂ احد میں حضرت کلثوم ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گلے میں تیر گھس گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا اور وہ اسی وقت شفایاب ہو گئے۔
- غزوۂ بدر میں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر حملہ ہوا جس سے ان کا پہلو لٹک گیا، اسی وقت حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے لعاب دہن لگا کر اسے جوڑ دیا، وہ فوراً شفایاب ہو گئے اور اپنے قاتل کو قتل کر دیا۔
- غزوۂ بدر ہی میں ابو جہل نے حضرت معوذ بن عفرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ہاتھ کاٹ دیا، وہ اپنا ہاتھ اٹھا کر رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، حضور نے لعاب دہن لگا کر اسے جوڑ دیا تو وہ ہاتھ فوراً جڑ گیا اور ٹھیک ہو گیا۔

- خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ آشوب چشم کی تکلیف سے پریشان تھے، حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا تو وہ اس طرح شفایاب ہو گئے گویا انھیں کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔
- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ضیافت کے لیے بکری کا بچہ ذبح کیا، ان کے بڑے بیٹے بکری کے ذبح ہونے کا حال دیکھا تو نادانی میں اپنے چھوٹے بھائی کو ذبح کرڈالا، جب ان کی ماں نے دیکھا تو بھاگ کر چھت پر گئیں تو بڑے بیٹے نے ڈر کی وجہ سے چھت سے چھلانگ لگادی اور اس طرح اس کی بھی موت ہوگئی۔ اس وقت حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے دونوں فوت شدہ بچوں کے بارے میں دعا کی تو وہ دونوں زندہ ہو گئے۔
- سفر ہجرت میں ام معبد کی بوڑھی، کمزور، خشک تھن والی بکری کو ہاتھ لگایا اور شفا بخش پھونک ماری تو اس کے تھن دودھ سے بھر گئے اور اتنا دودھ نکلا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے، پھر ام معبد کے سارے برتنوں میں مزید دودھ نکالا اور ان کے پاس چھوڑ کر رخصت ہوئے۔
- قحط سالی میں جب آپ نے برسرِ منبر اپنے رب سے دعا کی تو ہر طرف بادل چھا گیا اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔
- غزوۂ بدر میں رب کریم کی طرف سے فرشتے تشریف لائے اور آپ کے دشمنوں (کفار ومشرکین) سے جہاد کیا۔

یہ ان بعض معجزات کی طرف معمولی اشارہ ہے جو قصیدے میں تلمیحاً، یا صراحتاً مذکور ہیں، اگر آپ ان معجزات کی تفصیل جاننا چاہتے ہیں اور آسانی کے ساتھ ان کے مآخذ تک پہنچنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے "افکار امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کا مطالعہ بہت مفید ہوگا

افکار امام اعظم ابوحنیفہ اور اس کے مشمولات :

یہ علمی و ادبی کتاب کمپوزنگ، سیٹنگ اور پروف ریڈنگ کے آخری مرحلے میں

ہے اور جلد از جلد پریس جانے والی ہے، شاید عرس اعلیٰ حضرت (۲۵ر صفر المظفر ۱۴۴۷ھ) کے موقع پر اسے منظر عام پر لانے کا ارادہ ہے، اس مختصر سے وقت میں اتنی ضخیم کتاب کا تفصیلی مطالعہ میرے لیے بہت مشکل ہے؛ اس لیے میں نے مختلف مقامات سے کتاب کے مشمولات کا مطالعہ کیا، اس کے عناوین و مضامین کا جائزہ لیا، اس کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ:

اس کتاب کا مقدمہ پوری کتاب کا خلاصہ اور اس کا لب لباب ہے، ہم یہاں اس مقدمہ میں شامل مباحث کے عنوانات سے ہی اس کی اہمیت کا احساس دلانا چاہتے ہیں، کیوں کہ عنوانات سے ان کے اندر موجود مضامین کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، بلکہ ضخیم کتابوں میں مخصوص مباحث، عناوین ہی کے ذریعہ تلاش کرنے کا معمول بھی ہے۔ مقدمہ کا عنوان ہے ”قصیدۂ نعمانیہ، ایک جائزہ“۔ اس کے ذیلی عناوین یہ ہیں:

- قصیدے کا پس منظر۔
- امام اعظم کی جانب قصیدے کا انتساب۔
- ایک غلط فہمی کا ازالہ۔
- قصیدۂ نعمانیہ کا فکری جائزہ۔
- ندائے یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم)۔
- استغاثہ، استمداد اور توسل۔
- باعثِ تخلیقِ کائنات۔
- سب سے بزرگ ہستی۔
- آخرت میں شفاعت و دست گیری۔
- دافعِ مصائب و آلام۔
- حقیقتِ محمدی کا ادراک ناممکن ہے۔
- کماحقہٗ نعت گوئی ممکن نہیں۔

- قصیدۂ نعمانیہ کا موضوعاتی جائزہ۔
- قصیدۂ نعمانیہ کا خطابی جائزہ۔
- قصیدۂ نعمانیہ کا بلاغی جائزہ۔
- قصیدۂ نعمانیہ کا عروضی جائزہ۔
- کچھ کتاب کے بارے میں۔

”افکار امام اعظم ابوحنیفہ“ میں مؤلف کا کام:

مقدمہ میں مذکور عناوین پر تفصیلی اور سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد اصل قصیدہ (القصیدۃ النعمانیۃ) اعراب کے ساتھ یکجا تحریر کیا گیا ہے، تاکہ عوام کو بھی یہ قصیدہ پڑھنا آسان رہے، پھر ہر شعر پر اعراب لگانے کے ساتھ اس میں واقع مشکل کلمات کی توضیح وتشریح درج کی گئی ہے اور شعر میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے جن اوصاف وکمالات، فضائل ومحاسن، واقعات وحکایات، معجزات وخرق عادت امور اور سیرت کے دیگر پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یا اہل سنت وجماعت کے جن عقائد ونظریات اور معمولات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، حتی الامکان ان سب کی مناسب تفصیل وتخریج کی گئی ہے اور مؤلف موصوف نے کتب معتمدہ کے حوالہ جات اور ان کی اصل عبارات نقل کر کے اپنے اقوال کو مستند اور معتمد بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے؛ اس لیے وہ ہم سب کی طرف شکریہ کے مستحق ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء.

اس مختصر وقت میں مثالوں کے ذریعہ ان سب امور کی تفصیل تو بہت مشکل ہے۔ ہاں! کتاب میں اس قسم کے حقائق کے اثبات کے لیے جو عناوین قائم کیے گئے ہیں ان میں سے بعض یہاں نقل کیے جاسکتے ہیں اور اہل علم کے لیے ان عناوین سے ان کے مضامین کا اندازہ لگانا کافی آسان ہے۔

عقائد و معمولات سے متعلق بعض عناوین:

اس کتاب میں اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات اور ان کے معمولات کے اثبات و استدلال کے لیے جو عناوین قائم کیے گئے ہیں، ان میں بعض عناوین اس طرح ہیں :

- اللہ تبارک و تعالیٰ کے اولاد سے پاک ہونے پر دلائل۔
- نصرانیوں کے فاسد عقیدہ کی بنیاد اور اس کا رد۔
- حضور علیہ الصلاۃ والسلام اوّلِ خلق اور وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں۔
- حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے والدین کریمین کے ایمان پر چند مضبوط دلائل۔
- حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے والدین کریمین کے سلسلے میں امام اعظم ابو حنیفہ کا موقف
- حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پوری کائنات سے افضل ہیں
- حقیقت محمدی کا ادراک ناممکن ہے۔
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے فضائل و کمالات لامحدود ہیں
- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی محبت جان ایمان ہے
- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا حسن بے مثال ہے۔
- معراج کے سلسلے میں اسلامی عقیدہ۔
- روضۂ رسول کی زیارت کا ثبوت۔
- وصالِ اقدس کے بعد حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو پکارنے (ندائے یارسول اللہ!) کا ثبوت
- دیدارِ الٰہی کا ثبوت۔
- آیات کریمہ سے شفاعت کا ثبوت۔
- احادیثِ مبارکہ سے شفاعت کا ثبوت۔

- آیاتِ کریمہ سے وسیلے کا ثبوت۔
- احادیث کریمہ سے وسیلے کا ثبوت۔
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے معجزات۔
- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا علم غیب۔
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی سیادت عامہ۔
- حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہنے والے بدبخت۔
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی دعوت وتبلیغ کے نورانی اثرات۔
- حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا تقویٰ۔
- مشائخ کے ہاتھ پیر چومنے کا جواز اور وہابیوں کی گل کاریاں۔
- بروز محشر سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے پرچم تلے جمع ہوں گے۔
- لواء الحمد کی حقیقت۔
- عقیدۂ حساب وکتاب۔
- حساب کی حقیقت وکیفیت۔
- وزن اعمال کی حقیقت۔
- حضور علیہ الصلاۃ والسلام سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے۔
- دعا کے اول وآخر درود پڑھنے کی فضیلت میں احادیث وآثار۔
- ہمیشگی اور دوام کو بتانے کی مختلف تعبیریں۔

تاریخی امور سے متعلق عناوین:

اشعار کی توضیح وتشریح کے ضمن میں بہت سے تاریخی امور کا بھی قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، مثلاً:

- حضرت آدم علیہ السلام کی مختصر سوانح اور نظریۂ ارتقا کا رد۔

- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مختصر تعارف۔
- حضرت ایوب علیہ السلام کی مختصر سوانح۔
- حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم۔
- قوم عاد کا پس منظر اور ان کی سرکشی۔
- حضرت یونس علیہ السلام کا تعارف۔
- حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کا حسن و جمال۔
- حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی مختصر سوانح۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام و نسب۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش۔
- غزوۂ بدر کا تعارف اور جنگ بدر کے اسباب۔
- غزوۂ احزاب اور اس کا مختصر بیان۔
- مکہ مکرمہ کی تاریخی فتح۔

دوسرے مکاتبِ فکر کے اقوال اور ان کا رد:

ان سب کے ساتھ مختلف مقامات پر دوسرے مکاتب فکر کے اقوال کا دلائل کی روشنی میں رد بھی کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کے بعض عناوین اس طرح قائم کیے گئے ہیں :

- وہابیوں کا مکر و فریب۔
- ایک اعتراض کا جواب۔
- وہابیوں اور دیوبندیوں کا نظریہ اور اس کا رد۔
- حضور کو اپنے جیسا بشر کہنے والے بدبخت۔
- وہابیوں کے فاسد استدلال کا جواب۔
- اسماعیل دہلوی کی بدعقیدگی۔

- بدمذہبوں کا اعتراض اور اس کا جواب۔
- علمائے دیوبند کا نظریہ۔
- اس گستاخانہ نظریے کا رد۔
- دیوبندیوں کا جواب اور اس کا رد۔
- رسوائے زمانہ کتاب تقویۃ الایمان کی نحوست۔
- احمقانہ سوال۔
- ہٹ دھرمی کی انتہا۔
- منکرین کی چالبازی کا جواب۔
- شرم ان کو مگر نہیں آتی۔
- انتانہ بڑھاپا کی داماں کی حکایت۔
- نصرانیوں کے عقیدہ فاسد کی بنیاد اور اس کا رد۔

مختصر یہ کہ افکار امام اعظم ابوحنیفہ میں ان تمام عناوین پر سلجھے ہوئے انداز اور آسان لب و لہجے میں ٹھوس کلام کیا گیا ہے اور مناسب مواقع پر مخالفین کے اقوال و نظریات دلائل کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد ان کا رد بھی کیا گیا ہے۔ کہنے کے لیے تو یہ کتاب ایک قصیدہ کی شرح ہے، لیکن اس میں اعراب، ترجمہ و تشریح کے ساتھ اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات کا اثبات بھی ہے اور مخالفین کے فاسد افکار و خیالات کا رد بھی، یہ کثیر آیات و احادیث کا مجموعہ بھی ہے اور اس میں دینی تاریخ کا وافر حصہ بھی۔ ضرورت ہے کہ اسے خرید کر پڑھا جائے اور دوسروں تک پہنچانے کی کوشش بھی کی جائے تاکہ اس کی افادیت عام سے عام تر ہو سکے۔ یہ کتاب عوام و خواص سب کے لیے مفید و نفع بخش ہے اور دینی و علمی خطاب کرنے والے مقررین کے لیے بھی اس میں کافی مواد موجود ہے۔

مولفِ کتاب مولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی:

عروس البلاد ممبئی کی سرزمین پر جو علمائے کرام تدریسی، تصنیفی، تعلیمی، تبلیغی اور تنظیمی

خدمات انجام دے رہے ہیں ان میں ایک نمایاں نام گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی دام ظلہ کا ہے۔ انھوں نے ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء میں ازہر ہند جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ میں درس نظامی کی تکمیل کی اوراس کے بعد سے ہی دار العلوم محبوب سبحانی، امام احمد رضا چوک، نیوبل روڈ، کرلا، ممبئی میں بحیثیت صدر المدرسین کام کرنا شروع کردیا۔ فاضل مؤلف کو اللہ جل شانہٗ نے قسم قسم کی خوبیوں سے سرفراز فرمایا ہے، وہ ذاتی فضل وکمال کے ساتھ نسبی جاہ وجلال کے بھی مالک ہیں اور ظاہری حسن وجمال کے ساتھ اعلیٰ سیرت و کردار کے بھی حامل ہیں، خداے وحدہٗ لاشریک نے انھیں تعمیری مزاج عطا فرمایا ہے، وہ باعمل عالم دین اور صاحب اخلاق ومروت امام ہیں، اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے باوجود منکسر المزاج ہیں، اپنے اساتذہ سے برابر رابطہ رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ بڑے ادب واحترام سے پیش آتے ہیں جو نئے فارغین کے لیے خصوصیت کے ساتھ قابل تقلید اور لائق اتباع ہے۔

تدریس وتبلیغ کے ساتھ قرطاس وقلم سے بھی گہرا لگاو ہے، جس پر ان کی تصنیفات و تالیفات شاہد ہیں، اب تک ان کے نوک قلم سے ڈیڑھ درجن کتابیں معرض وجود میں آچکی ہیں اور تین درجن سے زائد مقالات ومضامین تحریر ہو چکے ہیں۔

ان کی مطبوعہ کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

- رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی نورانیت وبشریت کے جلوے
- تابناک موتی۔ اردو ترجمہ "الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ" مع تحقیق وتخریج وتعلیق
- حقیقت محمدی۔ اردو ترجمہ "الجزء المفقود من الجزء الاول من مصنف عبد الرزاق"۔
- تاج دار ختم نبوت۔
- دوستی کے پیمانے (اردو، ہندی اور رومن انگلش)۔
- مختصر سیرت شمس الضحیٰ علیہ التحیۃ والثناء (اردو اور رومن انگلش)۔
- مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح کے محاسن وکمالات۔

- راویان بخاری کے مختصر حالات۔
- عدالت صحابہ، تحقیق وانصاف کے آئینے میں۔
- ادلۂ ایمانیہ شرح قصیدۂ نعمانیہ۔

غیر مطبوعہ کتابوں کے نام یہ ہیں:

- صلح کلی کون؟
- غیر مقلدین سے چند سوالات۔
- اردو ترجمہ نور البدایات وختم النہایات۔
- اسلام ہی دین برحق کیوں؟
- طواغیتِ روافض کا عقیدۂ تحریفِ قرآن۔
- وافیۃ النحو، اردو ترجمہ کافیۃ النحو، بحث اسم وفعل۔
- افکارِ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے)۔

دعا ہے کہ رب کریم اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے طفیل اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور فاضل مؤلف، گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی کو زیادہ سے زیادہ دینی وعلمی خدمات کی توفیق بخشے اور ہم سب کو اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الأمی و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

ساجد علی مصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

۱۷/صفر المظفر ۱۴۴۷ھ، مطابق ۱۲/اگست ۲۰۲۵ء

تاثرِ گرامی

شہزادۂ حضور فقیہِ ملت، مصلحِ قوم وملت، عالمِ نبیل، فاضلِ جلیل

حضرت علامہ مفتی اظہار احمد مصباحی ازہری دام ظلہ

مُبَسمِلًا وَحَامِدًا وَمُصَلِّیًا وَمُسَلِّمًا

الحمد للہ، ناگ پور اور بریلی شریف کے مبارک سفر میں کتاب ''افکار امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان'' کا مقدمہ اور بعض مباحث مطالعہ کرنے کا موقع ملا اور بریلی شریف کے مبارک سفر ہی میں یہ چند کلمات لکھنے کی سعادت بھی مل رہی ہے۔ یہ عظیم کتاب، امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی طرف منسوب ''قصیدۂ نعمانیہ'' کی روشنی میں، عقائد اہل سنت وجماعت کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کے مصنف، محبی ومکرمی، حافظ وقاری حضرت مولانا مفتی سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس بابرکت قصیدہ کے ہر شعر کا اردو ترجمہ فرمایا ہے، اس کے بعد، حلِ لغات کے تحت، ہر شعر کے معانی بتائے ہیں اور اخیر میں آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، آثار صحابہ اور اقوالِ علما کی روشنی میں اشعار کی توضیح وتشریح فرمائی ہے۔

ہر وہ کتاب، جس کے لکھنے میں عرق ریزی سے کام لیا گیا ہو، اس کے مضامین کی نوک و پلک سنوارنے میں انتھک کوشش کی گئی ہو اور اس کے مفاہیم کو مؤثر انداز میں قارئین کے حوالے کرنے کی سعیِ مسعود کی گئی ہو، اس کتاب اور مؤلف کے کچھ مثبت اور قابلِ

رشک پہلو وخصوصیات، ضرور ہوتے ہیں، یہ کتاب بھی انھیں کتابوں میں سے ایک ہے۔ ذیل میں اس کتاب اور مؤلف کی کچھ خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) اشعار کا اردو ترجمہ بڑا ہی سلیس اور واضح ہے کہ عام آدمی بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

(۲) قرآنی آیات، نبوی ارشادات، آثارِ صحابہ اور اقوالِ علماے اہلِ سنت وجماعت کے موقف پر استدلال کیا گیا ہے؛ تاکہ قارئین، عقیدت کے ساتھ، حقیقت سے بھی آگاہ رہیں۔

(۳) اہلِ سنت وجماعت کے عقائد ونظریات پیش کرنے کا اسلوب، کافی حد تک داعیانہ ہے، اگر منصف مزاج پڑھے: تو ان شاء اللہ تعالیٰ اسے اَلْحَقُّ أَحَقُّ أَنْ يُّتَّبَعَ کے تحت قبول کرنے میں کوئی تردد محسوس نہ ہوگا۔

(۴) حق بات کو بے ضمیر مخالفین بھی قبول کرنے کی کوشش کریں، اس کے لیے ان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کا انداز بھی اختیار کیا گیا ہے کہ شاید یہ اثر پذیر ہوجائیں۔

(۵) اس کتاب میں تشریح وتوضیح کا طریقۂ کار بڑا اچھوتا ہے اور مخالفین کے افکار ونظریات کا رد کرنے میں عالمانہ وقار کا بھرپور لحاظ کیا گیا ہے، جس سے یقیناً کتاب کے حسن میں چار چاند لگ جاتا ہے۔

مزید اس کتاب کا مقدمہ بھی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، مقدمہ علمی تو ہے ہی، ساتھ ہی پوری کتاب کے مفاہیم کا اس میں نچوڑ بھی درج ہے، قاری اسے پڑھ کر، پوری کتاب کا اجمالی خاکہ اپنے ذہن کی سطح پر محسوس کرسکتا ہے۔

کتاب کی مندرجہ بالا اور ان کے علاوہ دیگر خصوصیات، ایسے ہی نہیں در آئی ہیں، ایسا ہوتا تو کوئی بھی قلم اٹھاتا اور لکھ مارتا، بلکہ یہ خصوصیات وغیرہ، کتاب کی اس لیے زینت بنی ہوئی ہیں؛ کیوں کہ یہ ایک باصلاحیت، عالم دین ومفتی کی عظیم کوشش کا نتیجہ ہے، یہ ایک داعی اور مخلص عالم دین کی سعی مسعود کا ثمرہ ہے، یہ اہل سنت وجماعت کے لیے، ایک دردمند دل رکھنے

والے، منجھے ہوئے عالم دین کی عمدہ کاوش کا بہترین پھل ہے، جس سے ان شاء اللہ تعالیٰ، اہل سنت وجماعت، مستفید ہو کر، اپنے عقائد ونظریات کو مضبوط سے مضبوط تر کریں گے اور گمراہ کن نظریات رکھنے والے، ہدایت پائیں گے یا پھر دل بسمل کی طرح تڑپ کر، جان دیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، فاضل جلیل عالم نبیل، حافظ وقاری حضرت مولانا **مفتی سید محمد اکرام الحق** قادری مصباحی حفظہ اللہ تعالی و رعاہ حق رعایتہ کی اس عظیم کاوش کو مقبول عام و خاص فرمائے، وقت میں بے انتہا برکتیں عطا کرے، انھیں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے فیضان سے سرشار کرے، حاسدین کے حسد سے محفوظ و مامون رکھے اور خلوص کے ساتھ، مزید دینی خدمات کی توفیقات سے نوازے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

طالبِ دعا : ابنِ فقیہِ ملت غفرلہ

فاضل جامعہ ازہر شریف، مصر، شعبۂ حدیث، ایم اے۔
خادم مرکز تربیت افتا و بانی ٹرسٹ فلاح ملت، اوجھا گنج، بستی، یوپی۔
۲۶ر صفر المظفر ۱۴۴۷ھ مطابق ۲۱ر اگست ۲۰۲۵

قصیدۂ نعمانیہ، ایک جائزہ

قصیدے کا پسِ منظر

امام الائمہ کاشف الغمہ حضرت سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ترپن اشعار پر مشتمل ایک **عظیم الشان نعت** لکھی، جس میں حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے اپنی بے پناہ عقیدت ووابستگی اور قلبی محبت ونیازمندی کا اظہار کرتے ہوئے آپ کے اوصاف وحمائد، فضائل ومحامد، معجزات وکمالات، اختیارات وتصرفات،، مقاماتِ عظمت ورفعت اور شانِ محبوبیت کو انتہائی عمدہ اور دل کش انداز میں بیان فرمایا۔

حضرتِ امامِ موصوف علیہ الرحمہ نے نعت گوئی کے لیے ایسی **عمدہ تعبیرات** کا انتخاب فرمایا ہے، جن سے حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے متعلق اُن کے **عقائد ونظریات** مثلاً ’’حضور خاتم النبیین علیہ الصلاۃ والسلام کا مالک ومختار ہونا، نورِ مجسّم واولِ خلق ہونا، حاضر وناظر ہونا، حاجت روا ومشکل کشا ہونا، تمام مخلوقات کا آقا ومولا اور ملجا وماویٰ ہونا، شافعِ روزِ جزا ودافعِ رنج وبلا ہونا، باعثِ ارض وسما ہونا‘‘ وغیرہ کا اظہار واثبات ہوتا ہے۔

نعت کی تکمیل کے بعد انھوں نے اسے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی مقدس بارگاہ میں پیش کرنے کا شرف بھی حاصل کیا۔ اسی نعتِ پاک کو آپ کے اسمِ گرامی ’’**نعمان بن ثابت**‘‘ کی جانب منسوب کرتے ہوئے ’’**قصیدۂ نعمانیہ**‘‘ کے نام سے شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔

قصیدۂ نعمانیہ سے متعلق مشہور ویب سائٹ ”مکتبۂ نور“ پر ایک وجد آفریں قصہ بھی مرقوم ہے، جو نہ صرف یہ کہ سیدی امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے سچے عشق رسول پر دلالت کر رہا ہے؛ بلکہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم میں اس مبارک قصیدے کی مقبولیت کو بھی واضح کر رہا ہے۔ وہ قصہ یہ ہے:

”امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مقدس قصیدے کو اس لیے لکھا؛ تاکہ انھیں اس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا قرب نصیب ہو اور حضور سید عالم علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت کے وقت ان کے روبرو اسے پڑھ کر سنانے کا شرف حاصل ہو۔ اب تک کوئی بھی شخص اس مبارک قصیدے پر مطلع نہ ہو سکا تھا۔ امامِ اعظم علیہ الرحمہ جب مدینۂ منورہ حاضر ہوئے تو مؤذن کو مسجدِ نبوی شریف کے مینار پر اس قصیدے کو گنگناتے ہوئے سنا۔ اپنے قصیدے کے اشعار سن کر آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہی؛ کیوں کہ اب تک یہ قصیدہ آپ نے نہ تو کسی کو سنایا تھا نہ کسی سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔

تھوڑے انتظار کے بعد جب مؤذن صاحب نیچے تشریف لائے تو آپ نے ان سے دریافت کیا۔ یہ قصیدہ کس کا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: امام ابو حنیفہ کا۔ آپ نے کہا: آپ انھیں جانتے ہیں؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے کہا: پھر اس قصیدے تک آپ کی رسائی کیسے ہوئی؟ انھوں نے کہا: ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوں اور امام ابو حنیفہ اسے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے روبرو گنگنا رہے ہیں۔ چناں چہ میں نے یاد کر لیا اور مینار پر پڑھ کر لوگوں کو سنا دیا۔ یہ سن کر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے“۔

امام اعظم کی جانب قصیدے کا انتساب

اہل سنت کی تحقیق کے مطابق یہ مبارک قصیدہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی نے نظم کیا ہے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ صدیوں سے یہ قصیدہ آپ ہی کی جانب منسوب ہوتا رہا ہے، ہر زمانے کے علمانے ”قصیدۂ نعمانیہ“ ہی کے نام سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً علامہ محمد حفظ الرحمٰن کملائی کی البدور المضیئة فی تراجم الحنفیة، ج:۸، ص:۱۴۵۔ علامہ فؤاد سزکین کی تاریخ التراث العربی، ج:۳، ص:۴۹۔ امام نجم الدین طرسوی کی تحفة الترك فیما یجب ان یعمل فی الملك، ج:۱، ص:۷۸۔ علامہ علی رضا بلوط کی معجم تاریخ التراث الاسلامی فی مکتبات العالم۔ المخطوطات و المطبوعات، ج:۵، ص:۳۷۔ علامہ یوسف اِلیان سرکیس کی معجم المطبوعات العربیة والمعربة، ج:۱، ص:۳۰۳۔ علامہ محمد اسماعیل پاشا کی ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، ج:۴، ص:۱۴۔ نیز سعودیہ عربیہ کی راجدھانی نجد (موجودہ ریاض) کی مشہور لائبریری ”مرکز الملك فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیة“ کی تفصیلات پر مشتمل خزانة التراث۔فهرس المخطوطات، ج:۶۱، ص:۲۸۹ و ج:۱۸، ص:۹۶۳، میں اسے قطعی طور پر سیدی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب منسوب کر کے ”القصیدة النعمانیة“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

مذکورہ حوالہ جات سے اس انتساب کے حق و صحیح ہونے کا ظنِّ غالب ملحق بالیقین حاصل ہو رہا ہے؛ لہٰذا پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس قصیدے کو نظم کرنے والے کروڑوں مسلمانوں کے امام و مقتدیٰ ”سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت“ رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ ہیں۔

بعض گستاخ و بدزبان وہابیہ **اس انتساب کو صحیح تو سمجھتے ہیں**؛ مگر اس قصیدے کے کئی اشعار کو شرکیہ بتا کر حضرتِ امام موصوف علیہ الرحمہ پر زبانِ لعن وطعن دراز کرتے رہتے ہیں، جب کہ خود کو بااخلاق کہلانے والے بعض وہابیہ **اس انتساب کا انکار** کرتے ہوئے اسے من گھڑت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے یہ **متصور ہی نہیں** کہ انھوں نے یہ **قصیدہ لکھا ہو**؛ کیوں کہ اِس میں نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی توصیف میں بے جا مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے؛ بلکہ آپ کے بارے میں ایسے **عقائد ونظریات** کا اظہار کیا گیا ہے جو سراسر شرکیہ ہیں۔ نیٹ پر متعدد مقامات پر وہابیوں کا درج ذیل فتویٰ دیکھا جاسکتا ہے۔

وہابی مفتی سے سوال کیا گیا:

ایک قصیدہ ہے، جس کا نام "قصیدۂ نعمانیہ" ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی جانب منسوب ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے **توسل** کیا گیا ہے اور آپ کو "یا" کے ذریعے پکارا گیا ہے، نیز اس میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے مفاخر ومحاسن اور آپ کے اوصاف ومعجزات کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟

سائل نے سوال کے بعد قصیدے کے اہم اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ اِس کا جواب وہابی مفتی نے کچھ اس طرح دیا:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک یہ **قصیدہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے**۔ اس کے مضامین ومشمولات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے سلسلے میں، امام ابو حنیفہ کے اعتقادات کے **منافی ہیں**؛ لہٰذا امام ابوحنیفہ کی جانب اِس کی نسبت **جھوٹی** ہے۔

یہی مفتی صاحب آگے کہتے ہیں:

وعلی أی حال فإن ما ورد فی القصیدة هو من الغلو المنهی عنه فی النبی ﷺ بل إن فیها والعیاذ بالله ما قد یجعل عقیدة معتقده فی خطر شدید. هذا و فی البخاری عن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: لا تطرونی کما أطرت النصاری عیسیٰ ابن مریم ولکن قولوا عبد الله ورسوله.

قال ابن القیم فهو أعظم الخلق عند الله و أرفعهم منزلة و ذکره سبحانه بصفة العبودیة فی أشرف مقام مقام الدعوة والإسراء. و أبو حنیفة رحمه الله هو أحد الأئمة الأربعة الذین انتشرت مذاهبهم و کثر أتباعهم و شهد لهم عامة المسلمین بأنهم علی هدی من ربهم. ولا یتصور فی حقه أنه یمدح النبی ﷺ بما یعلم أن النبی ﷺ ینهی عنه. و بالتالی فهذه القصیدة مکذوبة علیه. (Islamweb.net)

ترجمہ: بہر حال اِس قصیدے میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی تعریف میں جس غلو سے کام لیا گیا ہے، (دینِ اسلام میں) اس سے منع کیا گیا ہے۔ بلکہ معاذ اللہ اس میں ایسے امور بھی ہیں جن کا اعتقاد رکھنے والے کا ایمان سخت خطرے میں ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: میری تعریف میں ایسا مبالغہ مت کرنا جیسا نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے سلسلے میں کیا؛ لیکن مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو!

علامہ ابن قیم نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا مرتبہ اللہ کے نزدیک، اُس کی مخلوق میں سب سے بلند ہے۔ اس کے باوجود اللہ رب العزت نے

جب آپ کو شبِ معراج کائنات کی سیر کرانے اور اپنے حضور بلانے کے عظیم تر مقام کا ذکر کیا تو آپ کو صفتِ عبدیت سے یاد کیا۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ ان چار اماموں میں سے ایک ہیں جن کے فقہی مذاہب دنیا میں پھیلے، جن کے لاتعداد پیروکار ہوئے اور عام مسلمانوں نے جن کے حق پر ہونے کی شہادت دی۔ یہ متصور ہی نہیں کہ انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی تعریف میں ایسا مبالغہ کیا ہو جس سے خود حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا اس قصیدے کو ان کی جانب منسوب کر کے جھوٹ بولا گیا ہے۔

اِس وہابی مفتی کے فتوے کے مطابق قصیدۂ نعمانیہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اِس لیے نہیں ہو سکتا کہ اِس میں رسولِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی تعریف و توصیف میں بے جا مبالغہ آرائی کی گئی ہے اور رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی تعریف میں مبالغہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حالاں کہ صاحبِ قصیدہ نے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے جن کمالات کو نظم کیا ہے وہ یا تو قرآنی آیات سے ثابت ہیں یا نبوی ارشادات سے واضح ہیں۔ چناں چہ آپ دیکھیں گے کہ قصیدے میں بیان کیے گئے اہلِ سنت وجماعت کے نظریات کو اس کتاب میں ناقابلِ انکار دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

اور حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے جس طرح کی مبالغہ آرائی سے منع کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی طرح معاذ اللہ ”خدا یا خدا کا بیٹا“ کہا جائے۔ ظاہری بات ہے کہ یہ حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی تعریف نہیں؛ بلکہ توہین اور اللہ عز وجل کی تنقیص ہے، اس لیے اس طرح کی توصیف نہ صرف یہ کہ حرام؛ بلکہ کفر و شرک ٹھہرے گی۔ اسی لیے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے دینِ اسلام کا

متوازن اور صحیح عقیدہ بتاتے ہوئے اس طرح کی مبالغہ آرائی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے فضائل و مناقب نہ بیان کیے جائیں، انھیں صرف "عبد اللہ و رسولہ" کہا جائے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ہم اہلِ سنت بھی یہی کہتے ہیں کہ حضور سرورِ انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ اس کے علاوہ ہر طرح سے آپ کی تعریف وتوصیف کی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ آپ کے اوصاف وکمالات کی کوئی حد نہیں کہ کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکے، جیسا کہ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

دع ما ادعته النصاری فی نبیھم واحکم بما شئت مدحا فیہ واحتکم
وانسب الی ذاتہ ما شئت من شرف وانسب الی قدرہ ما شئت من عظم
فإن فضل رسول اللہ لیس لہ حد فیعرب عنہ ناطق بفم

ترجمہ: عیسائیوں نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں (خدا یا خدا کا بیٹا ہونے) جو دعویٰ کیا ہے اسے چھوڑ دو، اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی مدح وستائش میں جو تیرا جی چاہے کہہ اور اس پر مضبوطی سے قائم رہ۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کی جانب جس شرف وکمال اور ان کے بلند رتبے کی جانب جس عظمت ورفعت کو چاہے منسوب کر۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے فضل وشرف کی کوئی حد نہیں ہے، کہ اسے کوئی بولنے والا اپنے منہ سے بیان کر سکے۔

لہٰذا یہ وہابیوں کی جہالتیں اور بے سروپا باتیں ہیں، ان کے سبب سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کی جانب اس قصیدے کے انتساب کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض علما نے غلط فہمی یا عجلت میں اِس قصیدے کو امام لسان الدین محمد بن عبد اللہ ابن الخطیب متوفی ۷۷۶ھ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ وہ حضرات اپنے استدلال کی روشنی میں کہتے ہیں کہ امام شہاب الدین محمد بن احمد ابو الفتح ابشیہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب "المستطرف فی کل فن مستظرف" میں اس قصیدے کو درج فرما کر مقطع میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے بجائے امام ابن الخطیب علیہ الرحمہ کا نام ذکر کیا ہے۔ چناں چہ علامہ ابشیہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حج کی ادائیگی کے بعد روضۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پر اپنی حاضری کے متعلق کہتے ہیں:

ولما حججت وزرته ﷺ تطفلت علی جنابه المعظم وامتدحته بأبيات مطولة و أنشدت بين يديه بالحجرة الشريفة تجاه الصندوق الشريف وأنا مكشوف الرأس وأبكي. من جملتها.

ترجمہ: جب مجھے حجِ بیت اللہ کی توفیق ملی اور اس کے بعد روضۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو میں بارگاہِ اقدس میں بچوں کی طرح مچل گیا اور طویل اشعار کے ذریعے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی تعریف و توصیف کرنے لگا اور روضۂ رسول پر سنہری جالیوں کے سامنے، آپ کے روبرو برہنہ سر روتے ہوئے میں نے نعت گوئی کا شرف حاصل کیا۔ ان اشعار میں سے درج ذیل اشعار بھی ہیں۔

اس کے بعد علامہ ابشیہی علیہ الرحمہ نے اس قصیدے کے ترپن اشعار نقل کیے اور مقطع اس طرح کہا:

أنا طامع فی الجود منك ولم يكن لابن الخطيب من الأنام سواك

(المستطرف فی کل فن مستظرف، للامام شہاب الدین محمد بن احمد ابی الفتح الابشیہی، ص: ۲۴۳، دار الکتب العلمیۃ) اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ یہ قصیدہ علامہ محمد بن عبد اللہ ابن الخطیب علیہ الرحمہ کا ہے، اسے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب منسوب کرنا صحیح نہیں۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ قصیدہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ ہی کا ہے۔ **أوّلًا** اس لیے کہ علامہ ابشیہی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں کسی بھی مقام پر یہ نہیں فرمایا کہ یہ قصیدہ علامہ محمد بن عبد اللہ ابن الخطیب علیہ الرحمہ کا ہے، نہ کہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا۔ انھوں نے تو اپنا قصہ بیان کیا ہے، کہ جب میں حج بیت اللہ کے بعد جانِ کائنات حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا تو مجھے بہت سے اشعار کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے روبرو نعت گوئی کی توفیق ملی۔ ان میں یہ اشعار بھی تھے۔

ثَانِیًا اس لیے کہ "دیوان ابن الخطیب" میں اس قصیدے کا نام ونشان تک نہیں ہے، حالاں کہ اس میں علامہ ابن الخطیب کے ہزاروں اشعار جمع کیے گئے ہیں۔ اگر یہ قصیدہ ان کا ہوتا تو اسے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ دیوان ابن الخطیب میں تلاشِ بسیار کے باوجود ناچیز کو صرف دو شعر مل سکے، ایک تو وہی جسے علامہ ابشیہی علیہ الرحمہ نے مقطع میں ذکر کیا ہے اور دوسرا قصیدۂ نعمانیہ کا مطلع ہے، یعنی یا سید السادات جئتك قاصدا . أرجو رضاك واحتمی بحماكا. فقط ان دو شعروں کی بنیاد پر پورے قصیدے کو ان کی جانب منسوب کرنا صحیح نہیں۔

ثَالِثًا اس لیے کہ یہ دراصل توارد ہے، ایک جیسا مضمون دو شاعروں کے ذہن

میں آ گیا ہے۔ قصیدۂ نعمانیہ کا مطلع و مقطع بعینہ حضرت علامہ ابن الخطیب علیہ الرحمہ کی زبان پر جاری ہو گیا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، ایسا ہوتا ہے۔ اسلافِ کرام کی کتابوں میں اس کے نمونے کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

لہٰذا میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس انتساب میں حضرت علامہ الہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے چوک ہوئی ہے، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ جنھوں نے ان کی کتاب کو بنیاد بنا کر، علامہ ابن الخطیب علیہ الرحمہ کے دو اشعار کی وجہ سے پورے قصیدے کو ان کی جانب منسوب کر دیا ہے ان سے یقیناً غلطی سرزد ہوئی ہے۔

یہ تمہیدی کلمات تھے، جنھیں بیان کرنا ناگزیر تھا۔ بہر حال یہ نورانی و عرفانی قصیدہ ہر زمانے میں شہرت و مقبولیت کے ساتھ اہل عشق و محبت کو اپنے انوار و برکات سے مالا مال کرتا رہا ہے۔ یہ مقدس اشعار آج بھی اگر ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ و بارک وسلم سے سچی وابستگی رکھنے والے حقیقی حنفیوں کو کیف و سرور کے جامِ لبالب سے سیراب کر رہے ہیں تو دوسری جانب عقائدِ اہل سنت کو شرک سے تعبیر کرنے والے اور بہت سے جائز و مستحسن معمولات کو بدعت کہنے والے جھوٹے و بے ادب حنفی بننے والوں کے لیے عبرت کا سامان بھی فراہم کر رہے ہیں۔

راقم الحروف نے آج سے چودہ سال قبل ''ادلۂ ایمانیہ شرح قصیدۂ نعمانیہ'' کے نام سے اس کی ایک شرح لکھی تھی جس کی طباعت و اشاعت کا اہتمام طلبۂ محبوبِ سبحانی کی بزم ''بزم فیضان رضا'' نے کیا تھا۔ یہ شرح آج بھی دار العلوم محبوبِ سبحانی کی ویب سائٹ mehboobesubhani.org پر دستیاب ہے۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم بالائے کرم ہے کہ اس نے اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام

کی نعلینِ پاک کے صدقے میں ناچیز کو ایک نئی جہت سے اس مبارک قصیدے پر دوبارہ کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ زیرِ نظر کتاب کی حیثیت اور قصیدۂ نعمانیہ کی عظمت ورفعت کو سمجھنے کے لیے اِس کا فکری، عروضی، بلاغی، موضوعاتی اور خطابی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس کا مطالعہ ان شاء اللہ عزوجل قارئینِ کرام کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا۔

قصیدۂ نعمانیہ کا فکری جائزہ

امام الائمہ کاشف الغمہ سیدنا امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصیدۂ نعمانیہ میں سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی ذات وصفات، اخلاق و عادات، محاسن وکمالات، معجزات وتصرفات اور خصوصیات وامتیازات کا شاندار منظوم خاکہ کھینچا ہے، جس سے آقا کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی ذاتِ اقدس سے متعلق حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے **افکار وعقائد اور خیالات ونظریات کا نقشہ ابھر کر** سامنے آجاتا ہے اور یہ حقیقت دن کے اجالے سے بھی زیادہ روشن ہوجاتی ہے کہ اس زمانے میں "حقیقی حنفی" وہی ہیں جو مجدِّدِ اعظم امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کو تسلیم کرتے ہیں۔ قصیدۂ نعمانیہ میں حضور سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات کے فضائل ومحامد اور اوصاف وکمالات کے علاوہ صراحتاً یا اشارتاً درج ذیل **اسلامی عقائد و نظریات** بیان کیے گئے ہیں۔

ندائے یارسول اللہ:

اہل سنت وجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ وآلہ و

صحبہ وسلم کو جس طرح حیاتِ ظاہری میں "یا" کے ذریعے ندا کرنا اور پکارنا جائز تھا، یوں ہی وصالِ اقدس کے بعد بھی شایانِ شان اوصاف کے ساتھ پکارنا جائز ہے۔ یہی ہر زمانے کے سلفِ صالحین اور بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے۔ اس کا ثبوت ایسے روشن دلائل سے ملتا ہے جنھیں دینی شعور رکھنے والا کوئی بھی انسان رد نہیں کرسکتا۔

حضرتِ امامِ اعظم علیہ الرحمہ قصیدے کے شعر ۱/ ۲/ ۶ ۴ اور ۷ ۴ میں اپنے ممدوح حضور قاسمِ نعم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ وآلہ وصحبہ وسلم کو ندا دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا ۔۔۔ أَرْجُو رِضَاكَ وَأَحْتَمِيْ بِحِمَاكَا

وَاللهِ يَا خَيْرَ الْخَلَائِقِ إِنَّ لِيْ ۔۔۔ قَلْبًا مَشُوْقًا لَا يَرُوْمُ سِوَاكَا

يَا مَالِكِيْ كُنْ شَافِعِيْ فِيْ فَاقَتِيْ ۔۔۔ إِنِّيْ فَقِيْرٌ فِي الْوَرٰى لِغِنَاكَا

يَا أَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى ۔۔۔ جُدْ لِيْ بِجُوْدِكَ وَ ارْضِنِيْ بِرِضَاكَا

ترجمہ: اے آقاؤں کے آقا! میں بالقصد آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں، آپ کی خوشنودی کا امیدوار اور آپ کی پناہ کا طلب گار ہوں۔ اے مخلوق میں سب سے بہتر ہستی! بخدا! میرا دلِ مشاق آپ کے علاوہ کسی اور کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اے میرے مالک! میری محتاجی میں میرے شفیع بن جائیے! میں مخلوق میں آپ کی غنا کا محتاج ہوں۔ اے جن وانس میں سب سے محترم شخصیت اور اے خلقِ خدا کے خزانے! اپنے جود وکرم کی مجھ پر بخشش فرمائیے اور اپنی خوشنودی سے مجھے شادکام کیجیے!

استغاثہ، استمداد اور توسل:

اہلِ سنت وجماعت کہتے ہیں کہ یہ دنیا عالَمِ اسباب ہے۔ یہاں جس طرح ہر

شے کسی نہ کسی سبب سے وابستہ ہے، یوں ہی اللہ عزوجل کی نصرت وحمایت کے مختلف اسباب ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح زندوں کے ذریعے اپنے پریشان حال بندوں کی مدد فرماتا ہے، اِسی طرح اپنے وفات یافتہ محبوبوں کے ذریعے بھی مصیبت زدہ بندوں کے مصائب وآلام دور فرماتا ہے، لہٰذا مصیبت کی گھڑی میں اللہ والوں سے فریاد کرنا جائز و درست ہے۔ اللہ عزوجل کے محبوب بندوں کے ذریعے پریشان حال لوگوں کی پریشانیاں دور ہوتی ہیں اور حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

اِسی لیے اہل سنت اپنے آقا ومولا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ وآلہ وصحبہ وسلم اور دیگر انبیا ومرسلین علیہم السلام واولیاے صادقین علیہم الرحمہ کو اللہ عزوجل کی مدد کا مظہر جان کر، اس کی حکمت اور کارخانۂ اسباب پر نظر کرتے ہوئے، اُن سے استعانت کرتے ہیں۔ اس قسم کی استعانت بالغیر حضراتِ انبیاے کرام علیہ الصلاۃ والسلام سے بھی ثابت ہے۔ یہ عمل کوئی کفر وشرک یا ناجائز وحرام نہیں؛ بلکہ آیاتِ مجیدہ اور احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے۔ یہ استعانت درحقیقت اللہ عزوجل ہی سے مدد مانگنا ہے۔

استعانت بالغیر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم، دیگر انبیا ومرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم اور اولیا ومشائخ سے **توسل** کیا جائے اوران نفوسِ قدسیہ کے وسیلے سے دعائیں مانگی جائیں۔ اہل سنت وجماعت کے نزدیک اس طرح کی استعانت بھی جائز و درست اور دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے۔

قصیدۂ نعمانیہ میں موجود استغاثہ کے دو اشعار ابھی مذکور ہوئے، صاحبِ قصیدہ حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہِ عالی میں استغاثہ کرتے ہوئے مزید عرض کرتے ہیں۔

أَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ   لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْأَنَامِ سِوَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ! میں آپ کی بخشش کا امیدوار ہوں، اور مخلوق میں ابوحنیفہ کا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توسل کا ذکر کچھ اس انداز میں کیا ہے:

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ مِنْ زَلَّۃٍ بِکَ فَازَ وَھُوَ اَبَاکَا

وَبِکَ الْخَلِیْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُہٗ بَرْدًا وَ قَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاکَا

وَدَعَاکَ اَیُّوْبُ لِضُرٍّ مَسَّہٗ فَاُزِیْلَ عَنْہُ الضُّرُّ حِیْنَ دَعَا کَا

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ ہی وہ ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کے بارے میں آپ کو وسیلہ بنایا تو وہ کامیاب ہو گئے، حالاں کہ وہ آپ کے جدِّ امجد ہیں۔ اور آپ ہی کے وسیلے سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دعا کی تو ان کی آگ ٹھنڈی ہو گئی اور آپ کے نور کی تابش سے وہ بجھ گئی۔ اور جب حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی پریشانی کے وقت آپ کو پکارا تو ان کی پریشانی دور ہو گئی۔

باعثِ تخلیقِ کائنات:

اہلِ سنت و جماعت یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور رحمتِ عالَم جانِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم **باعثِ تخلیقِ کائنات** ہیں۔ یعنی اگر حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نہ ہوتے تو کائنات کی کسی بھی شے کا وجود نہ ہوتا۔ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے ان کے نور کو پیدا فرمایا، پھر اس سے پوری کائنات کو زیورِ تخلیق سے آراستہ فرمایا؛ لہٰذا حضور علیہ الصلاۃ والسلام **وجودِ کائنات کی علت** ہیں اور پوری کائنات اپنے وجود میں آپ کی محتاج ہے۔

یہ عقیدہ معتبر و مستند روایتوں سے ثابت ہے۔ اسی عقیدے کی ترجمانی کرتے ہوئے سرکار امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ مَا خُلِقَ امْرُؤٌ ۔۔۔ کَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَا

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ ہی کی ذات وہ مقدس ہستی ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کسی انسان کی تخلیق نہ ہوتی، نا ہی کسی مخلوق کی تخلیق ہوتی۔

سب سے بزرگ ہستی:

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے سلسلے میں اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ آپ کائنات میں سب سے **افضل و بہتر** ہیں۔ آپ اگرچہ بشر ہیں؛ لیکن ایسے بشر کہ جس کی **نظیر ممکن نہیں**۔ آپ کی بے شمار شانوں میں سے ایک شان یہ ہے کہ جس کو جو ملا آپ کے صدقے میں ملا، جس کو جو مل رہا ہے آپ کے طفیل مل رہا ہے اور جس کو آئندہ جو کچھ ملے گا آپ ہی کے وسیلے سے ملے گا۔ اللہ رب العزت نے آپ کو قاسمِ نِعَم (اپنی نعمتیں تقسیم کرنے والا) بنایا ہے، آپ جس کو جو چاہیں عطا فرمادیں۔ زمین و آسمان، لوح و قلم، عرش و کرسی، جن و انس، انبیا و ملک، آفتاب و ماہتاب سب کو آپ کی خیرات ملی ہے۔ اسی پاکیزہ فکر کو بیان کرتے ہوئے حضرتِ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں:

اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُوْرِكَ الْبَدْرُ اكْتَسٰی ۔۔۔ وَ الشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُوْرِ بَهَاكَا

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا رُفِعْتَ اِلَی السَّمَآءِ ۔۔۔ بِكَ قَدْ سَمَتْ وَتَزَیَّنَتْ لِسَرَاكَا

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ ہی وہ ہیں جن کے نور سے چودھویں کے چاند نے (روشنی اور خوب صورتی کا) لباس پہنا اور سورج بھی آپ ہی کے نور کے جمال سے روشن ہے۔ حضور! آپ ہی کی ہستی وہ عظیم ہستی ہے کہ جب آپ کو (شب معراج) آسمان پر بلایا گیا تو آسمان کو بلندی نصیب ہوئی اور آپ کے اس سفر کے طفیل وہ آراستہ ہوا۔

آخرت میں شفاعت و دست گیری:

ہم اہلِ سنت و جماعت یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن جب کہ نفسی نفسی کا عالَم ہوگا، کسی کو کسی کی کوئی پرواہ نہ ہوگی، جلالِ الٰہی کی چنگاریاں برس رہی ہوں گی، سب خوفِ خدا سے کانپ رہے ہوں گے، اس وقت تمام اولین وآخرین کے مجمع میں حضور سیدِ عالَم نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی بے مثال عزت افزائیاں ہوں گی، آپ کو بارگاہِ رب العالمین سے شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت ہوگی، پھر آپ اپنے گناہ گار امتیوں کی سفارش فرمائیں گے اور دست گیری فرما کر ان کی پریشانیاں دور فرمائیں گے۔

ہمارے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی شفاعت سے نجات پانے والے خوش نصیب جب پل صراط سے گزریں گے تو اس وقت بھی حضور پل صراط کے بالکل قریب کھڑے ہو کر، اپنے امتیوں کی دست گیری فرماتے ہوئے رب تبارک وتعالیٰ سے یوں التجا کریں گے: اے میرے اللہ! میرے امتیوں کو اس نازک مرحلے سے سلامتی کے ساتھ گزار دے!

اللہ اکبر! اس رحمۃ للعالمین کی کیا شانِ رحمۃ للعالمینی ہے! کہ دنیا میں بھی ہم گناہ گاروں کی بخشش کے لیے آنسو بہاتے رہے اور قیامت کے دن بھی کبھی حوضِ کوثر پر جام لبالب سے سیراب فرما کر، کبھی پل صراط پر دعا کر کے ہماری دست گیری فرمائیں گے۔
یہ پاکیزہ فکر قرآنِ کریم کی آیتوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی حدیثوں سے ماخوذ ہے۔ سیدی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی عقیدے کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

أَنْتَ الَّذِيْ فِيْنَا سَئَلْتَ شَفَاعَةً ۔۔۔ لَبَّاكَ رَبُّكَ لَمْ تَكُنْ لِسِوَاكَا

فَلَاَنْتَ اَکْرَمُ شَافِعٍ وَ مُشَفَّعٍ　　وَمَنِ الْتَجَا بِحِمَاكَ نَالَ رِضَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ ہی وہ ہیں جنھوں نے بارگاہِ الٰہی میں ہماری شفاعت کی درخواست کی، جسے آپ کے رب نے قبول فرمایا، شفاعت کا یہ مقام آپ کے سوا کسی کو حاصل نہ ہوا۔ کیوں کہ آپ سب سے باعزت شفاعت فرمانے والے ہیں، جن کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اور جس نے آپ کی بارگاہ کی پناہ لی اس نے آپ کی رضا پالی۔

دافعِ مصائب وآلام:

اسلامی معتقدات میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمارے آقا ومولا حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو روحانی اور جسمانی ہر قسم کی لاعلاج بیماریوں کا معالج اور طبیب حاذق بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اِسی لیے آپ کی نگاہِ کرم سے بے شمار انسانوں کو کفر وشرک اور فسق وفجور جیسی مہلک روحانی بیماریوں سے نجات اور صاف و پاکیزہ ذہن و فکر کی سوغات ملی۔ یوں ہی آپ کے لعابِ دہن اور دستِ شفا سے نہ جانے کتنے مریضوں کو دائمی صحت وتندرستی کی خیرات ملی۔ سبحان اللہ!

ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم جس طرح اپنی حیاتِ ظاہری میں لوگوں کی دست گیری کرتے اور انھیں مصائب وآلام اور مختلف لاعلاج بیماریوں سے نجات کا پروانہ عطا فرماتے تھے، یوں ہی بعدِ وصال بھی آپ ان کی فریادیں سنتے اور باذنِ الٰہی ان کی مدد فرماتے ہیں۔

سیدی امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کو خطاب کرتے ہوئے، آپ کی اِس شان کو چھ اشعار میں بیان فرمایا ہے، تین اشعار ملاحظہ فرمائیں:

وَ شَفَیْتَ ذَا الْعَاهَاتِ مِنْ اَمْرَاضِهٖ وَمَلَأْتَ كُلَّ الْاَرْضِ مِنْ جَدْ وَاكَا
وَ رَدَدْتَ عَیْنَ قَتَادَةٍ بَعْدَ الْعَمٰی وَابْنَ الْحُصَیْنِ شَفَیْتَهٗ بِشِفَاكَا
وَ كَذَا خُبَیْبًا وَ ابْنَ عَفْرَا بَعْدَ مَا جُرِحَا شَفَیْتَهُمَا بِلَمْسِ یَدَاكَا

ترجمہ: اور یارسول اللہ! آپ کی شان یہ ہے کہ آپ نے بیمار کو اس کی بیماریوں سے شفادی اور اپنی عطا سے پوری روے زمین کو لبریز کر دیا۔ اور آپ نے نابینائی کے بعد حضرت قتادہ کی آنکھ لوٹا دی اور کلثوم بن حصین کو اپنی شفا سے شاد کام کر دیا۔ یوں ہی حضرت خبیب اور حضرت ابن عفرا کو زخمی ہونے کے بعد اپنا دستِ مبارک لگا کر مکمل طور پر ٹھیک کر دیا۔

حقیقتِ محمدی کا اِدراک ممکن نہیں:

اہلِ سنت وجماعت یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضورِ اقدس سرورِ انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی حقیقت کو اِس دنیا میں نہ کوئی سمجھ سکا، نہ سمجھ سکتا ہے۔ چاہے وہ حضورِ انور علیہ الصلاۃ والسلام سے قریب زمانے کا ہو یا بعید زمانے کا، دور کا رہنے والا ہو یا نزدیک کا، بلند رتبہ ہو یا پست رتبے والا، کوئی بھی حقیقتِ محمدی کا ادراک نہیں کر سکا۔ اِس عقیدے کو اور واضح انداز میں کہنا چاہیں تو یوں کہیں کہ حضراتِ انبیاے کرام، مرسلین عظام، ملائکۂ مقربین علیہم الصلاۃ والسلام، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور اولیاے کاملین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کوئی بھی ایسا نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی حقیقت کو سمجھنے سے عاجز وقاصر نہ ہو۔

کسی اور کی تو بات چھوڑیے، جن نفوسِ قدسیہ کو حضورِ فخرِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وعلیٰ وآلہ وصحبہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھنے کی سعادت ملی، سفر وحضر میں ان کی صحبتِ با فیض سے مشرف ہوئے اور بار ہا ان کے حرمِ پاک میں حاضری کا شرف حاصل کیا وہ بھی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ وآلہ وصحبہ وسلم کے **اصلی مرتبے کو جان نہ سکے**۔ صحیح یہی ہے کہ آپ کا حقیقی مقام ومرتبہ آپ خود جانتے ہیں یا آپ کو عطا فرمانے والا آپ کا رب جانتا ہے۔

اِسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے **اپنے یارِ غار حضرت سیدنا صدیقِ اکبر** رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

یاأبابکر! لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی۔[۱]

ترجمہ: اے ابوبکر! میری حقیقت سے میرے رب کے سوا کوئی واقف نہیں۔

اسی اسلامی فکر کو بیان کرتے ہوئے صاحبِ قصیدہ سیدی امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

وَاللہِ یَا یٰسِیْنُ مِثْلُكَ لَمْ یَکُنْ   فِی الْعَالَمِیْنَ وَحَقِّ مَنْ اَنْبَاكَا

ترجمہ: اے یاسین! اللہ کی قسم! کائنات میں آپ جیسا کوئی نہیں، اُس کی قسم جس نے آپ کو نبیِ برحق بنا کر بھیجا ہے۔

نعت گوئی ممکن نہیں:

اہلِ اسلام کا ایک نظریہ، یہ بھی ہے کہ حضور سرورِ انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی کماحقہ ثنا خوانی انسانی قدرت سے باہر ہے؛ کیوں کہ کماحقہ تعریف وتوصیف اُسی کی ہوسکتی ہے جس کی حقیقت سے آشنائی ہو اور اس کے اوصافِ حمیدہ وکمالاتِ جلیلہ کی کوئی

[۱] مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات، ص:۱۲۹

حد و انتہا ہو، جب کہ حال یہ ہے کہ نا ہی کسی انسان کو حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی حقیقت کا علم ہے اور نا ہی اُن کے فضائل و مراتب کی کوئی حد ہے۔ اب کوئی شخص حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی کماحقہ تعریف کرے تو کیسے؟

صاحبِ قصیدہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

عَنْ وَصْفِكَ الشُّعَرَآءُ يَا مُدَّثِّرْ عَجَزُوْا وَكَلُّوْا مِنْ صِفَاتِ عَلَاكَا
مَاذَا يَقُوْلُ الْمَادِحُوْنَ وَمَا عَسٰى أَنْ يَجْمَعَ الْكُتَّابُ مِنْ مَعْنَاكَا
وَاللهِ لَوْ اَنَّ الْبِحَارَ مِدَادُهُمْ وَالشُّعَبُ أَقْلَامٌ جُعِلْنَ لِذَاكَا
لَمْ يَقْدِرِ الثَّقَلَانِ تَجْمَعُ نَزْرَهٗ أَبَدًا وَ مَا اسْتَطَاعُوا لَهٗ إِدْرَاكَا

ترجمہ: اے بالاپوش اوڑھنے والے! نعتیہ اشعار کہنے والے آپ کی (کماحقہ) ثنا سے قاصر اور آپ کے بلند اوصاف بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ مدح کرنے والے آپ کی تعریف میں کیا کہیں اور لکھنے والے آپ کے کمالات کس طرح جمع کریں۔ خدا کی قسم! اگر تمام سمندر ان کے لیے روشنائی ہو جائیں اور تمام درختوں کی شاخیں ان کے لیے قلم بنا دی جائیں، تب بھی جن و انس مل کر بھی آپ کی تھوڑی سی (کماحقہ) مدح و ثنا نہیں لکھ سکیں گے اور نہ ہی اس کی حقیقت تک پہنچ سکیں گے۔

یہ اسلامی افکار و نظریات قرآنِ کریم کی روشن آیتوں، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی واضح حدیثوں اور صحابۂ کرام و ائمہ و فقہا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اقوال و معمولات سے ثابت ہیں۔ اِس کتاب میں مذکورہ عقائد دلائلِ قاطعہ کی روشنی میں تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں۔

قصیدۂ نعمانیہ کا موضوعاتی جائزہ

یہ مبارک قصیدہ ۵۴/ اشعار پر مشتمل ہے۔ صاحبِ قصیدہ حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت علیہ الرحمہ پہلے ۳/ اشعار میں حضور سید عالم فخر کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات سے اپنی سچی محبت اور آپ سے اپنے انتہائی گہرے قلبی تعلق کا اظہار کرتے ہوئے، بارگاہِ اقدس میں بالقصد حاضری کا ذکر کرتے ہیں اور آپ کے حرمِ پاک کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

شعر ۴ سے ۷ تک، چار اشعار میں حضور سرورِ انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے انوار و برکات اور اوصاف و کمالات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: یارسول اللہ! آپ وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں، آپ نہ ہوتے تو مخلوق کا وجود نہ ہوتا۔ آپ ہی کے نور سے چودھویں کے چاند نے حسن و جمال اور روشنی کا لباس پہنا اور آپ ہی کے نور سے یہ آفتاب روشن ہے۔ رسول اللہ! آسمان کو آپ ہی کے طفیل رفعت و بلندی نصیب ہوئی اور آپ ہی کی سیرِ معراج کے صدقے میں وہ آراستہ و پیراستہ ہوا۔ حضور! آپ ہی وہ محبوب ہیں جنھیں رب تبارک وتعالیٰ نے شب معراج مرحبا کہہ کے پکارا، آپ کو قربِ خاص میں بلایا اور بے حساب نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔

شعر ۸/ میں شفاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ! جب آپ نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کی درخواست کی تو رب تبارک و تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا، شفاعت کی ایسی شان کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔

شعر ۹ سے ۱۳ تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے توسل و استعانت کا بیان ہے۔ اس ضمن میں خاص طور پر حضرت سیدنا آدم، حضرت سیدنا ابراہیم، حضرت سیدنا ایوب، حضرت سیدنا عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام کے توسل کا تذکرہ ہے۔ صاحبِ قصیدہ کہتے ہیں: یارسول اللہ! آپ ہی وہ حبیب خدا ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خطاے اجتہادی کے بعد آپ کو وسیلہ بنایا تو کامیاب و بامراد ہو گئے، حالاں کہ وہ آپ کے جدِّ امجد ہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب آپ سے توسل کیا تو آپ کے طفیل آتش کدۂ نمرود سرد پڑ گیا اور آپ کے نور کی تابش سے اس کی سوزش جاتی رہی۔ یوں ہی حضرت ایوب علیہ السلام کو آپ کے توسل کی برکت سے شفاے کامل نصیب ہوئی، اسی طرح حضرت عیسیٰ روح اللہ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہما السلام زندگی بھر آپ سے توسل کرتے رہے اور آپ کے اوصاف و کمالات اور فضائل و محامد کا تذکرہ کرتے رہے۔

صاحبِ قصیدہ نے شعر ۱۴ ر میں حضور فخرِ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی اخروی خصوصیت کا ذکر فرمایا ہے۔ کہتے ہیں: یارسول اللہ! آپ کی شان تو یہ ہے کہ بروزِ قیامت آپ کو "لواء الحمد" سے سرفراز کیا جائے گا، جس کے نیچے تمام انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم اور شاہانِ زمانہ سمیت ساری مخلوق ہوگی اور سب کے سب آپ کی مقدس بارگاہ میں درود و سلام کے گل دستے اور الفت و محبت کے گجرے پیش کریں گے۔

شعر ۱۵ سے ۲۹ تک حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے فضائل و معجزات، مفاخر و کمالات اور تصرفات و اختیارات کا ذکرِ جمیل ہے۔ حضرتِ امام الائمہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں: یارسول اللہ! آپ کے ایسے معجزات ہیں جنھوں نے ساری مخلوق کو بے بس کر دیا اور آپ کے ایسے عظیم فضائل ہیں جن کی مشابہت اختیار نہیں کی جا سکتی۔

اس ضمن میں پچیس سے زیادہ معجزات صراحتاً اور متعدد معجزات اشارتاً بیان کیے گئے ہیں۔ سب کی تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

شعر ۳۰ اور ۳۱ میں حضور جانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی رسالت مطلقہ، بعثتِ عامہ اور آپ کی دعوت وتبلیغ کے اثرات کو بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: یارسول اللہ! آپ نے ساری مخلوق کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے آپ کی پکار سن کر بخوشی آپ کی دعوت کی پیروی کی۔ اے ہدایت کے مینار! آپ نے دینِ کفر کو پست اور دینِ اسلام کو سربلند کیا تو آپ کی ہدایت مستحکم رہی۔

اس کے بعد تین اشعار میں، صاحبِ قصیدہ نے غزوات اور ان میں مومنوں کو ملنے والی عزت ونصرت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے دشمنوں کے حصے میں آنے والی شکست ورسوائی کو بیان کیا ہے۔ ان تین اشعار میں غزوۂ بدر، غزوۂ فتحِ مکہ اور غزوۂ خندق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

شعر ۳۵، ۳۶ اور ۳۷ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے بے مثال حسن وجمال اور حضراتِ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر آپ کی فوقیت وبرتری کو بیان کیا گیا ہے، ساتھ اس عقیدے کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کائنات میں **ممتنع النظیر** ہیں۔ نہ آپ جیسا ہوا، نہ ہے اور نہ کبھی ہوگا۔

اس کے بعد لگاتار پانچ اشعار میں سرکارِ اقدس، فخرِ کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کے لامحدود فضائل وکمالات کا تذکرہ ہے۔ صاحبِ قصیدہ کہتے ہیں: یارسول اللہ! آپ کے فضائل وکمالات بے حد وبے شمار ہیں، ان کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی لیے شعرا آپ کی حقیقی مدح وثنا سے قاصر اور آپ کے بلند اوصاف بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ بخدا! اگر سارے سمندر روشنائی ہو جائیں اور درخت کی شاخیں قلم بنادی جائیں تب بھی جن وانس مل کر، کبھی

بھی کما حقہ آپ کی تھوڑی سی مدح و ثنا بھی نہیں لکھ سکیں گے، لکھنا تو در کنار اس کا ادراک بھی نہیں کر سکیں گے؛ کیوں کہ آپ کی بلندیوں اور عظمتوں کی کوئی حد نہیں ہے۔

شعر ۴۳، ۴۴ اور ۴۵ میں صاحبِ قصیدہ حضرتِ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے اپنی سچی محبت و شیفتگی کا اظہار کیا ہے۔ عرض کرتے ہیں: اے میرے آقا! میرا یہ ٹوٹا ہوا دل آپ ہی کا شیفتہ ہے اور میری روح آپ ہی کی محبت سے سرشار ہے، جب میں خاموش ہوتا ہوں تو میری خاموشی آپ ہی کے تصور میں ہوتی ہے اور جب بولتا ہوں تو آپ کی ہی عظمت کے گن گاتا ہوں، جب سنتا ہوں تو آپ ہی کی مقدس باتوں کو اور جب دیکھتا ہوں تو آپ ہی کی ذاتِ اقدس کو۔

پھر چھ اشعار میں بارگاہِ رسالت میں اپنی محتاجی کو بیان کرتے ہوئے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے شفاعت و رضامندی اور جود و سخاوت کی درخواست کی ہے۔ عرض کرتے ہیں: اے میرے مالک! میں مخلوق میں آپ کی غنا کا محتاج ہوں۔ اے مخلوق کے خزانے! اپنی سخاوت سے مجھے عطا کیجیے اور اپنی رضامندی سے مجھے شاد کام کیجیے! میں آپ کے جود و کرم کا محتاج ہوں، اِس غلام نے آپ کا دامنِ کرم مضبوطی سے تھام رکھا ہے، لہٰذا امید ہے کہ آپ بروزِ قیامت اِس کی شفاعت فرمائیں گے۔

شعر ۵۲ اور ۵۳ میں رسول خدا، امام الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام و اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر درود و سلام کے ذریعے قصیدہ اختتام کو پہنچا ہے۔

قصیدۂ نعمانیہ کا خطابی جائزہ

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے قصیدے میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو سو سے زائد مرتبہ مختلف انداز میں مخاطب کیا ہے؛ بلکہ قصیدے

میں کوئی شعر ایسا نہیں جس میں حضور رحمتِ کونین علیہ الصلاۃ والسلام سے ایک دو بار خطاب نہ کیا ہو۔ خطاب کرتے ہوئے حضور جانِ کائنات علیہ افضل التحیات واکمل التسلیمات سے استمداد واستعانت کرنے اور معجزات وکمالات کو بیان کرنے کے سلسلے میں **عربی زبان کا یہ قصیدہ اپنی مثال آپ ہے**، جس طرح اردو زبان میں سیدی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مشہورِ زمانہ کلام "**کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود**" بے مثال ہے۔

سیدی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے اس مقدس قصیدے میں تقریباً سو مقامات پر واحد مذکر حاضر کی ضمیر "ک" سے رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کو خطاب کیا ہے۔ چند مقامات ملاحظہ فرمائیں!

جئتك ۔ رضاك ۔ بحماك ۔ سواك ۔ جاهك ۔ أهواك ۔ لولاك ۔
لبّاك ۔ ربُّك ۔ ناداك ۔ نورك ۔ اياك ۔ لعلاك ۔ كذاك ۔
اتاك ۔ يداك ۔ بجفاك ۔ حلاك ۔ بهواك ۔ علياك ۔ وغیرہ

متعدد اشعار میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو فعلِ ماضی صیغۂ واحد مذکر حاضر سے خطاب کیا ہے۔ مثلاً:

رُفِعْتَ ۔ سَأَلْتَ ۔ دَعَوْتَ ۔ مَلَأْتَ ۔ رَدَدْتَّ ۔ شَفَيْتَ ۔ دَاوَيْتَ ۔
مَسِسْتَ ۔ خَفَضْتَ ۔ فُقْتَ ۔

صاحبِ قصیدہ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو کئی اشعار میں ضمیر "أنت" سے خطاب کیا ہے۔

یوں ہی جانِ کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کو مخاطب کرنے کے لیے **فعلِ امر صیغۂ واحد مذکر حاضر** کا بھی استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً:

كُنْ ۔ جُدْ ۔ اِرْضَ ۔ اِجْعَلْ

سیدی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو حرفِ ندا کے ساتھ بھی پکارا ہے، جیسے:

یا سید السادات ۔ یا خیر الخلائق ۔ یا علم الھدیٰ ۔ یا یسین ۔
یا مدثر ۔ یا سیدی ۔ یا مالکی ۔ یا أکرم الثقلین ۔ یا کنز الوری ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے پورے قصیدے میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو تقریباً ایک سو بتیس مرتبہ مخاطب کیا ہے۔ یہ اندازِ تخاطب آپ کی اپنے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے قلبی وابستگی اور سچی محبت کو ثابت کر رہا ہے۔

قصیدۂ نعمانیہ کا بلاغی جائزہ

یہ حقیقت ہے کہ فصاحت و بلاغت کی جلوہ سامانیوں سے ہی بہترین شعر یا شاندار ادب وجود میں آتا ہے۔ ویسے تو ہر انسان اپنی بات عمدہ طریقے پر دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے، لیکن یہ کمال انھی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو فصاحت کی صفت اور بلاغت کی خوبی سے متصف ہوتے ہیں۔ بلاغت کے لیے فصاحت لازم ہے، یعنی جو کلام بلیغ ہوگا وہ فصیح بھی ہوگا، لیکن فصاحت کے لیے بلاغت ضروری نہیں۔ کسی بھی شعر/ کلام/ قصیدہ کی شستگی، عمدگی اور نفاست و لطافت کو جاننے کے لیے فصاحت و بلاغت کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ اس لیے قصیدۂ نعمانیہ کے بلاغی جائزے کے لیے فصاحت و بلاغت کے معنیٰ و مفہوم کو سمجھنا ضروری ہے؛ تاکہ قصیدے کے بلاغی محاسن ظاہر ہوسکیں۔

فصاحت کے لغوی معنیٰ ''ظاہر ہونا اور واضح ہونا'' ہیں۔ کوئی بچہ جب اپنی بات واضح طور پر کہنے لگتا ہے تو اہلِ عرب کہتے ہیں: أفصح الصبي في منطقه، یعنی بچے

نے اپنی بات واضح کی۔ فصاحت کلمہ، کلام اور متکلم تینوں کی صفت واقع ہوتی ہے۔ یعنی کلمہ بھی فصیح ہوتا ہے اور کلام بھی۔ یوں ہی متکلم بھی فصیح ہوتا ہے۔

کلمے کی فصاحت یہ ہے کہ وہ تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاس اور غرابت سے محفوظ ہو۔ تنافرِ حروف سے خالی ہونے سے مراد یہ ہے کہ کلمہ زبان پر ثقیل اور اس کی ادائیگی دشوار نہ ہو۔ مخالفتِ قیاس سے محفوظ ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ کلمہ صرفی قواعد کے خلاف نہ ہو۔ غرابت سے سالم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ کا مفہوم بالکل واضح ہو، گنجلک اور مخفی نہ ہو۔

کلام کی فصاحت یہ ہے کہ اس کے تمام کلمات فصیح ہوں، ساتھ ہی وہ اجتماعی طور پر تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف اور تعقیدِ لفظی ومعنوی سے خالی ہو۔ ضعفِ تالیف یہ ہے کہ کلام کسی مشہور نحوی قاعدے کے خلاف ہو۔ مثلاً لفظ اور رتبے کے اعتبار سے کسی کلمے کو ذکر کرنے سے پہلے ہی اُس کی ضمیر لے آنا۔ تعقید یہ ہے کہ کلام مخفی اور صاف طور پر اپنا معنیٰ مرادی بتانے سے قاصر ہو۔ یہ خفا اگر الفاظ کی تقدیم وتاخیر کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو تو اسے تعقیدِ لفظی کہتے ہیں اور اگر مجازاتِ کثیرہ وکنایاتِ بعیدہ کے استعمال کے سبب پیدا ہوئی ہو تو اسے تعقیدِ معنوی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس گفتگو سے واضح ہوا کہ کوئی کلام اس وقت تک بلیغ نہیں ہو سکتا جب تک وہ تنافر، مخالفتِ قیاس، غرابت، ضعفِ تالیف اور تعقید جیسے عیبوں سے پاک نہ ہو۔

بلاغت لغت میں پہنچنے اور منتہی ہونے کے معنیٰ میں ہے۔ اصطلاح میں یہ، کلام اور متکلم کی صفت واقع ہوتی ہے۔ مشہور قول کے مطابق کلام کی بلاغت یہ ہے کہ وہ فصیح ہونے کے ساتھ، مقتضائے حال کے مطابق بھی ہو۔ اس کی تعریف کے سلسلے میں ماہرینِ ادب وبلاغت کے مختلف اقوال بھی ہیں۔ چند تعریفات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) بلاغت یہ ہے کہ کلام برجستہ ہو اور خطا سے پاک ہو۔

(۲) بلاغت یہ ہے کہ کلام مختصر اور خوب ہو۔

(۳) دُور کا مضمون مخاطب کے سامنے کر دینا اور تھوڑے سے الفاظ میں بہت کچھ ادا کر دینا "بلاغت" کہلاتا ہے۔

(۴) بلاغت یہ ہے کہ الفاظ ضرورت سے زائد نہ ہوں، کلام برجستہ ہو، مضمون کچھ کا کچھ نہ ہو جائے اور کوئی لفظ نامانوس اور بازاری نہ ہو۔

(۵) بلاغت یہ ہے کہ جس طرح تمھارے دل میں مضمون ہے اسی طرح مخاطب کے دل میں اتار دو اور اس کے الفاظ مقبول عام ہوں اور تعبیر خوب صورت ہو۔

(۶) مجاز اور استعارے لطیف ہوں، تمثیل اور کنایے دل کش ہوں، کلام حسب موقع ہو اور الفاظ کی نشست خوب جمی ہو، بندش چست ہو۔[۱]

پھر علومِ بلاغت کی تین قسمیں ہیں۔ علم البیان، علم المعانی، علم البدیع۔

علم البیان: یہ ایسا علم ہے جس میں سلیس وحسین انداز اور مؤثر پیرائے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے، لفظی ومعنوی پیچیدگی اور تعقید سے بچنے کے قواعد بیان کیے جاتے ہیں، گویا اس علم کا مقصد لفظی ژولیدگی اور معنوی پیچیدگی سے بچنا ہے، تا کہ خیالات و احساسات بالکل واضح انداز میں مخاطب تک پہنچ سکیں اور اسے سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

علم المعانی: یہ ایسا علم ہے جس میں متکلم کو مخاطب کی ذہنی صلاحیت اور مقتضائے حال کے مطابق کلام کرنے کے اصول وقواعد سکھائے جاتے ہیں۔

علم البدیع: یہ ایسا علم ہے جس میں لفظی ومعنوی محاسن کے ذریعے فصیح وبلیغ کلام کو مزید

---

[۱] کشف بردہ، للادیب الشہیر الاستاذ نفیس احمد المصباحی، ص:۷۷

سنوارنے اور خوب صورت بنانے کے قواعد بیان کیے جاتے ہیں، گویا کہ اس علم کا مقصد حسین کلام کو مزید خوب صورت بنانا ہے، تاکہ اس کا حسن شعلۂ جوالہ بن کر، پڑھنے اور سننے والے کو محوِ حیرت کر سکے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کوئی بھی کلام بلیغ اور دل نشیں اسی وقت ہوتا ہے جب کلام کے تمام اجزا دل نشیں ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ مضمون، الفاظ، بندش اور طرزِ ادا دل نشیں ہوں تو کلام میں خود دل نشینی پیدا ہو جاتی ہے۔ اِسی کا نام بلاغت ہے۔ پھر بلاغت کے مختلف درجات ہیں، کلام میں مجاز و استعارے جتنے لطیف ہوں گے، تمثیل و کنایات جس قدر دل کش ہوں گے، کلام جتنا برمحل و برجستہ ہوگا، الفاظ کی نشست جتنی مضبوط اور بندش جس قدر چست ہوگی کلام اتنا ہی "بلیغ" کہلائے گا۔

بلاغت سے متعلق مذکورہ معلومات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے جب ہم قصیدۂ نعمانیہ کی فصاحت و بلاغت اور اس کے شعری محاسن اور لسانی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت بہت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ اِس پورے کلام میں فکر و فن اور زبان و بیان کی وہ خوبیاں موجود ہیں جو کسی بھی فن پارے کو اہمیت اور بلند حیثیت عطا کرتی ہیں۔ ۵۳ راشعار پر مشتمل پورا قصیدہ "تنافرِ حروف وکلمات، مخالفتِ قیاس، غرابت، ضعفِ تالیف، تعقیدِ لفظی ومعنوی" جیسے عیبوں سے مکمل طور پر پاک ہے، جو کہ کلام کو بلاغت کے محاسن سے محروم کر کے سامعین کی نگاہ میں اسے بے وزن بنا دیتے ہیں۔

اس قصیدے میں ایک لفظ بھی بازاری اور غیر مانوس نہیں ہے، پورا قصیدہ برجستہ ہے، تمام الفاظ چچے تلے سلیس اور رواں ہیں، نہ کوئی کلمہ زبان پر ثقیل ہے اور نہ کسی ترکیب یا اس کے مضمون میں الجھاؤ ہے؛ بلکہ یہ، ہر قسم کے تصنع وتکلف سے یکسر خالی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں ایک طرف قاری پورے قصیدے کو سلاست و روانی کے ساتھ پڑھتا چلا جاتا ہے، وہی دوسری طرف اس کی سحر انگیزی، اثر آفرینی اور دل آویزی سامعین کے کانوں میں رس گھولتی رہتی ہے اور مضمونِ کلام ان کے دلوں کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔

آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بلاغت اپنی تینوں اقسام ”بیان، معانی، بدیع“ کے ساتھ اس پورے قصیدے میں جلوہ بار ہے، جو کہ کلام کی رعنائی، نزاکت اور دل نشینی کو دوبالا اور قاری و سامع کو ایک عجیب روحانی کیفیت سے شاد کام کر رہی ہے۔

قصیدۂ نعمانیہ کا عَروضی جائزہ

عَروض ایسے اصول کے علم کو کہتے ہیں جن سے شعر کے صحیح و غلط اوزان کی معرفت حاصل ہو۔ جن کلمات کے وزن پر اشعار موزوں کیے جاتے ہیں انھیں **تفاعیل، اجزا، ارکان اور افاعیل** کہا جاتا ہے۔ یہ اجزا دس ہیں، جن میں چار اصول اور چھ فروع کہلاتے ہیں۔ اِنھی تفاعیل سے بحریں بنتی ہیں۔

امام خلیل بن احمد بصری نحوی نے اشعارِ عرب کی چھان بین کر کے پندرہ بحریں نکالیں، پھر امام اخفش سعید بن سعدہ نے سولھویں بحر کا پتا لگایا۔ ان بحروں کے نام اور اوزان یہ ہیں:

(۱) بحرِ طویل: فَعُوْلُنْ مَفَاعِيْلُنْ، چار بار۔

(۲) بحرِ مدید: فَاعِلَاتُنْ فَاعِلُنْ، چار بار۔

(۳) بحرِ بسیط: مُسْتَفْعِلُنْ فَاعِلُنْ، چار بار۔

(۴) بحرِ وافر : مَفَاعِلَتُن، چھ بار۔

(۵) بحر کامل : مُتَفَاعِلُن، چھ بار۔

(۶) بحرِ ہزج : مَفَاعِیلُن، چھ بار۔

(۷) بحرِ رجز : مُسْتَفْعِلُن، چھ بار۔

(۸) بحرِ رمل : فَاعِلَاتُن، چھ بار۔

(۹) بحرِ سریع : مُسْتَفْعِلُن مُسْتَفْعِلُن مَفْعُوْلَاتُ، دو بار

(۱۰) بحرِ منسرح : مُسْتَفْعِلُن مَفْعُوْلَاتُ مُسْتَفْعِلُن، دو بار

(۱۱) بحرِ خفیف : فَاعِلَاتُن مُسْتَفْعِ لُن فَاعِلَاتُن، دو بار

(۱۲) بحرِ مضارع : مَفَاعِیلُن فَاعِ لَاتُن مَفَاعِیلُن، دو بار

(۱۳) بحرِ مقتضب : مَفْعُوْلَاتُ مُسْتَفْعِلُن مُسْتَفْعِلُن، دو بار

(۱۴) بحرِ مجتث : مُسْتَفْعِ لُن فَاعِلَاتُن فَاعِلَاتُن، دو بار

(۱۵) بحرِ متقارب : فُعُوْلُن، آٹھ بار

(۱۶) بحرِ متدارک : فَاعِلُن، آٹھ بار

اَشعار اگر ان بحروں کے اوزان پر ہوں تو صحیح، ورنہ غلط تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اشعار کی صحت وفساد کی معرفت ''تقطیع'' کے عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ تقطیع یہ ہے کہ شعر کے ٹکڑوں کو اجزاے بحر کے مقابل اس طرح کیا جائے کہ متحرک کے مقابل متحرک اور ساکن کے مقابل ساکن ہو۔

اس سلسلے میں ماہرین فن کہتے ہیں کہ تقطیع میں صرف حرکت وسکون کا مقابلہ ہوتا ہے۔ ضمہ، فتحہ، کسرہ کی موافقت ملحوظ نہیں ہوتی۔ نیز تقطیع میں صرف ان حروف کا اعتبار ہوتا

ہے جو بولنے میں آئیں اگر چہ لکھنے میں نہ آئیں، لہذا جو لکھنے میں تو آئیں؛ لیکن بولنے میں نہ آئیں ان کا لحاظ نہیں ہوگا۔ اسی لیے تقطیع میں تنوین (نونِ ساکن) کا اعتبار ہوتا ہے، کیوں کہ یہ بولنے میں آتی ہے، اگر چہ لکھی نہیں جاتی اور ہمزۂ وصل کا اعتبار نہیں ہوتا؛ کیوں کہ یہ بولنے میں نہیں آتا، اگر چہ لکھنے میں آتا ہے۔ اسی لیے تقطیع میں عِلَّةٌ کو عِلْلَتُنْ اور وَالشَّمْس کو وَشْ شَمْس لکھا جاتا ہے۔

مذکورہ **تَفَاعِیل** میں کبھی تغیرات ہوتے ہیں جو **زِحاف یا علت** کہلاتے ہیں۔ ان کی تفصیلات علمِ عروض کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ماہرینِ عروض یہ بھی کہتے ہیں کہ شعر دو مصرعوں (شطروں) پر منقسم ہوتا ہے، پہلے مصرع کو **صدر** اور دوسرے کو **عجز** کہتے ہیں۔ صدر کے آخری جز کو **عروض** اور عجز کے آخری جز کو **ضرب** کہتے ہیں۔ مابقیہ اجزا کو **حشو** کہا جاتا ہے۔ جس شعر کے تمامی اجزا ہوں اسے **تام** اور جس کے ہر مصرع کے اخیر سے ایک جز حذف ہوا سے **مجزو** کہا جاتا ہے، یوں ہی جس بیت کا نصف حذف ہوا سے **مشطور** اور جس کے دو تہائی اجزا حذف ہوں اسے **منہوک** کہتے ہیں۔ (معین العروض، بخیر الاذکیاء، العلامہ محمد احمد المصباحی، ملتقطاً)

اس تمہیدی گفتگو کے بعد راقم الحروف عرض پرداز ہے کہ قصیدۂ نعمانیہ **بحرِ کامل تام** میں ہے۔ **بحرِ کامل میں چھ تفعیلات ہوتے ہیں**، تین پہلے شطر میں اور تین دوسرے سطر میں۔ اس کا پورا وزن یہ ہے:

متفاعلن/متفاعلن/متفاعلن

متفاعلن/متفاعلن/متفاعلن

اس بحر کے تین عروض اور نو ضربیں ہیں۔

پہلا عروض تام ہے، اس کی تین ضربیں ہیں۔ اول: تام۔ دوم: مقطوع۔ سوم: احذّ مُضمَر۔

دوسرا عروض احذّ ہے، فَعِلُن۔ اس کی دو ضربیں ہیں۔ اول: احذّ، عروض کی طرح، فَعِلُن۔ دوم: اَحذّ مُضمَر، فَعْلُن۔

تیسرا عروض مجزو صحیح ہے۔ اس کی چار ضربیں ہیں۔ اول: مجزو مُرَفَّل۔ دوم: مجزو مُذَال۔ سوم: مجزو صحیح۔ چہارم: مجزو مقطوع۔

بحرِ کامل کے سلسلے میں یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ کبھی کبھی مُتَفَاعِلُن میں زحافِ اِضمار ہوتا ہے (یعنی دوسرے متحرک کو ساکن کر دیا جاتا ہے) جس کے سبب مُتَفَاعِلُن، مُتْفَاعلن (بسکونِ تا) ہو جاتا ہے، یہ عروضی لحاظ سے مستفعلن ہے۔ اگر یہ زحاف بحرِ کامل کے تمام تفاعیل میں ہو تو یہ امتیاز کرنا مشکل ہوگا کہ شعر کا تعلق بحرِ کامل سے ہے اور اس میں زحافِ اضمار ہوا ہے یا اس کا تعلق بحرِ رجز سے ہے اور یہ بلا زحاف ہے۔ اس علمی اشکال کے حل کے لیے ماہرینِ فن کہتے ہیں کہ اگر پورے قصیدے میں کہیں بھی زحافِ اضمار نہ ہو، یعنی ہر تفعیلہ مستفعلن کے وزن پر ہو، کہیں بھی متفاعلن نہ ہو تو وہ بحرِ رجز میں ہوگا اور اگر کسی ایک تفعیلے میں بھی متفاعلن آجائے تو اسے بحرِ کامل میں مانا جائے گا۔

چوں کہ قصیدۂ نعمانیہ میں کہیں کہیں اضمار ہوا ہے، یعنی کہیں متفاعلن مستفعلن ہوا ہے اور کہیں نہیں ہوا۔ اس لیے یہ قصیدہ بحرِ کامل میں ہے۔ اور چوں کہ اس کی ضرب میں علتِ قطع (قطع کا معنی ہے وتدِ مجموع "یعنی ایسے تین حرفی لفظ کہ جس میں دو متحرک کے بعد تیسرا ساکن ہو" کے ساکن کو گرا کر اس کے ماقبل کو ساکن کر دینا۔ جیسے: فاعلن سے فَعْلُن، جس جز میں قطع ہو اسے مقطوع کہتے ہیں) واقع ہوئی ہے اس لیے یہ بحرِ کامل تام کی ضربِ دوم پر ہے۔

متفاعلن علتِ قطع کے بعد مُتَفَاعِلْ ہوا جو کہ عروضی لحاظ سے فَعَلَاتُنْ ہے۔ اگر قطع کے ساتھ اضمار بھی ہو تو متفاعلن مُتْفَاعِلْ (تا کے سکون کے ساتھ) ہوگا جو کہ عروضی اعتبار سے فَعْلَاتُنْ (عین کے سکون کے ساتھ) ہوگا۔ قصیدۂ نعمانیہ کی ضربیں دونوں طرح سے آئی ہیں۔

اب آپ دونوں طرح کے پانچ پانچ اشعار کی تقطیع ملاحظہ فرمائیں:

قطع بلا اضمار والے اشعار

يَاسَيِّدَالسْ	سَادَاتِ جِئْ	تُكَ قَاصِدَنْ
مستفعلن	مستفعلن	متفاعلن (عروض)
اَرْجُوْ رِضَا	كَ وَاَحْتَمِيْ	بِحِمَاكَا
مستفعلن	متفاعلن	فعلاتن (ضرب)
وَاللّٰهِ يَا	خَيْرَالْ خَلَا	ئِقِ اِنْنَ لِيْ
مستفعلن	مستفعلن	متفاعلن (عروض)
قَلْبَنْ مَشُوْ	قَنْ لَا يَرُوْ	مُ سِوَاكَا
مستفعلن	مستفعلن	فعلاتن (ضرب)
اَنْتَ الْلَذِيْ	مِنْ نُوْرِكَ الْ	بَدْرُ اكْتَسٰى
مستفعلن	مستفعلن	مستفعلن (عروض)
وَالشَّمْسُ مُشْ	رِقَتُنْ بِنُوْ	رِبَهَاكَا
مستفعلن	متفاعلن	فعلاتن (ضرب)
اَنْتَ الْلَذِيْ	لَمْمَا رُفِعْ	تَ اِلَى السْ سَمَا
مستفعلن	مستفعلن	متفاعلن (عروض)

بِكَ قَدْ سَمَتْ	وَتَزَيَّنَتْ	لِسَرَاكَا
متفاعلن	متفاعلن	فعلاتن (ضرب)
أَنْتَ الَّذِيْ	نَادَاكَ رَبْ	بُكَ مَرْحَبَنْ
مستفعلن	مستفعلن	متفاعلن (عروض)
وَلَقَدْ دَعَا	كَ لِقُرْبِهٖ	وَحَبَاكَا
متفاعلن	متفاعلن	فعلاتن (ضرب)

قطع مع اضمار والے اشعار

وَبِحَقْ قِ جَا	هِكَ إِنْ نَبِيْ	بِكَ مُغْرَمُنْ
متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن (عروض)
وَاللّٰهُ يَعْ	لَمُ أَنْ نَنِيْ	أَهْوَاكَا
مستفعلن	متفاعلن	فعْلاتن (ضرب)
أَنْتَ الَّذِيْ	لَوْلَاكَ مَا	خُلِقَ امْرُؤُنْ
مستفعلن	مستفعلن	متفاعلن (عروض)
كَلَّا وَلَا	خُلِقَ الْوَرٰى	لَوْلَاكَا
مستفعلن	متفاعلن	فعْلاتن (ضرب)
وَالْمَاءُ فَا	ضَ بِرَاحَتَيْ	كَ وَسَبْ بَحَتْ
مستفعلن	متفاعلن	متفاعلن (عروض)
صُمُّ لْحَصٰى	بِالْفَضْلِ فِيْ	يُمْنَاكَا
مستفعلن	مستفعلن	فعْلاتن (ضرب)

وَشَفَيْتَ ذَلْ	عَاهَاتِ مِنْ	أَمْرَاضِهٖ
متفاعلن	مستفعلن	مستفعلن (عروض)
وَمَلَأْتَ كُلْ	لَلْأَرْضِ مِنْ	جَدْوَاكَا
متفاعلن	مستفعلن	فعْلاتن (ضرب)
فِيْ يَوْمِ بَدْ	رِنْ قَدْ أَتَتْ	كَ مَلَائِكُنْ
مستفعلن	مستفعلن	متفاعلن (عروض)
مِنْ عِنْدِ رَبْ	بِكَ قَاتَلَتْ	أَعْدَاكَا
مستفعلن	متفاعلن	فعْلاتن (ضرب)

کچھ کتاب کے بارے میں

اِس کتاب میں ''قصیدۂ نعمانیہ'' کی روشنی میں حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اوصاف وحمائد، فضائل ومحامد، مفاخر ومکارم، معجزات وکمالات، اختیارات وتصرفات اور مقاماتِ عظمت ورفعت کو مدلّل ومفصّل بیان کیا گیا ہے، اور عقائد ومعمولات وضروریاتِ اہلِ سنت کو ایسے معقول ومستحکم دلائل سے واضح کیا گیا ہے جنھیں وہ لوگ رد کرنے کی جسارت نہیں کرسکتے جنھیں عقل وشعور سے حصہ ملا ہو۔ ساتھ ہی مخالفین ومعاندین کی جانب سے پیش کی جانے والی شکوک وشبہات کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کو ناقابلِ تردید دلائل وبراہین کی تجلیات سے دفع کیا گیا ہے۔

نیز اپنی چکنی چپڑی باتوں اور ملمع سازیوں کے ذریعے مسلمانوں کو ورغلانے والوں اور اسلام کی مقدس ہستیوں بالخصوص سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی ذاتِ اقدس

پر کیچڑ اچھالنے کی ناپاک کوشش کرنے والے بدمذہبوں کی اچھی طرح خبر لی گئی ہے۔

کتاب کو بہتر اور نفع بخش بنانے کی خوب کوشش کی گئی ہے، لیکن نہ ہم معصوم ہیں، نہ محفوظ عن الخطا، اس لیے غلطیوں کا پورا امکان ہے۔ مگر قارئین کرام سے امیدِ قوی ہے کہ علمی غلطی نظر آنے پر تنقید کے کانٹوں سے زخمی نہیں کریں گے؛ بلکہ جذبۂ خیر خواہی کے ساتھ راقم الحروف کو مطلع فرما کر عند اللہ اجرِ عظیم کے مستحق ٹھہریں گے۔ ان شاء اللہ عزوجل اِس فقیر سراپا تقصیر کو اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے والا اور حق کو قبول کرنے والا پائیں گے۔

اگرچہ کتاب اغلاط سے خالی نہ ہوگی، مگر پھر بھی امیدِ واثق ہے کہ یہ اپنے قارئین کرام کے لیے انتہائی نفع بخش ثابت ہوگی، اس کا مطالعہ ان کے افکار و نظریات میں نکھار پیدا کرے گا اور انھیں ایسے علمی اسلحوں سے مالامال کرے گا جن کی برکتیں انھیں مستقبل میں دشمنانِ دین کے علمی حملوں سے بچائیں گی۔ ان شاء اللہ عزوجل۔

اب یہ کتاب دار العلوم محبوبِ سبحانی کے شاہین صفت طلبۂ کرام کی انتہائی متحرک وفعال بزم "بزمِ فیضانِ رضا" کی انتھک کاوشوں سے زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو رہی ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اراکین بزم اور دیگر طلبۂ محبوبِ سبحانی کو وہ صلہ عطا فرمائے جو اس کی شانِ کریمی کے لائق ہو۔

اپنے کرم فرماؤں کا شکر ادا کرنا اسلامی تعلیمات کا اہم حصہ ہے، ہمارے آقا و مولا حضور تاج دارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے (احسان کرنے والے) لوگوں کا شکر ادا نہ کیا وہ اللہ عزوجل کا بھی ناشکرا ہے۔ [۱]

---

[۱] السنن، للامام ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی شکر المعروف، رقم الحدیث ۴۸۱۱۔

اِس لیے یہ ناچیز تہِ دل سے اپنے نہایت مشفق و مہربان استاذ و مربی، ادیب اہلِ سنت، ماہر علوم عربیہ، حضرت علامہ نفیس احمد قادری مصباحی دامت برکاتہ العالیہ (شیخ الادب ازہر ہند جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، یوپی انڈیا) کا شکر گزار ہے، کہ حضرت نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود نہ صرف یہ کہ کتاب کا مطالعہ فرما کر متعدد مقامات پر مناسب اصلاح فرمائی؛ بلکہ اپنے دستِ اقدس سے "چند مبارک کلمات" لکھ کر کتاب کو سندِ اعتبار اور راقم کے حوصلوں کو جلا بخشی۔

یوں ہی استاذِ گرامی صاحبِ تصانیفِ نافعہ، پیکرِ خلوص وشفقت، ماہرِ درسیات وزینتِ درس گاہ حضرت علامہ مفتی ساجد علی مصباحی دامت برکاتہ المقدسۃ (استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا) کی بارگاہ میں سراپا سپاس بن کر حاضر ہوں کہ حضورِ والا نے شفقت کرتے ہوئے اپنا انتہائی قیمتی وقت نکال کر، بعض مقامات سے کتاب کا مطالعہ فرمایا اور اپنی محبتوں سے نوازتے ہوئے گراں قدر تاثرات لکھ کر ہمیں مزید کام کرنے کا حوصلہ بخشا۔ اِسی طرح فاضل جامعہ ازہر، جامع معقولات ومنقولات، حضرت علامہ مفتی اظہار احمد مصباحی ازہری (استاذ و مفتی مرکز تربیت افتا و بانی ٹرسٹ فلاح ملت، اوجھا گنج، بستی، یوپی، انڈیا) کا بھی ممنون ہوں کہ حضرتِ والا کے مبارک کلمات سے قارئین کرام کو برکتیں سمیٹنے کا موقع میسر آیا۔ اللہ عزوجل ان حضرات کا سایۂ رحمت دراز فرمائے اور انھیں دارین کی خیر کثیر سے سرفراز فرمائے۔

فاضلِ جامعہ اشرفیہ محبِّ گرامی قدر حضرت علامہ مفتی محمد فیروز احمد خاں قادری مصباحی (استاذ و نائب مفتی دار العلوم محبوبِ سبحانی، کرلا ویسٹ، ممبئی، انڈیا) اور عزیز اسعد مولوی مکارم

رضا مکرم سبحانی (متعلم جماعتِ سادسہ، دارالعلوم محبوبِ سبحانی کرلا ویسٹ ممبئی) کا بھی شکر ادا کرتا ہوں، کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت دے کر بنظرِ غائر از اول تا آخر مطالعہ فرما کر کتاب میں در آئیں کمپوزنگ کی غلطیوں کا ازالہ فرمایا۔ مولا تعالیٰ! انھیں دارین کی جزاے خیر سے محروم نہ فرمانا! وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد النبی الأمی الکریم الرؤوف الرحیم۔

از

احقر الزمن سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی، عفی عنہ

خادم: دارالعلوم محبوبِ سبحانی کرلا ویسٹ ممبئی ۷۰، انڈیا

۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۴۷ھ

مطابق ۲۱ / جولائی ۲۰۲۵

بروز پیر

قصیدۂ نعمانیہ (کامل)

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا أَرْجُو رِضَاكَ وَاَحْتَمِيْ بِحِمَاكَا
وَاللهِ يَا خَيْرَ الخَلَائِقِ اِنَّ لِيْ قَلْبًا مَشُوْقًا لَايَرُوْمُ سِوَاكَا
وَبِحَقِّ جَاهِكَ اِنَّنِي بِكَ مُغْرَمٌ وَاللهُ يَعْلَمُ اَنَّنِي اَهْوَاكَا
اَنْتَ الَّذِيْ لَوْلَاكَ مَاخُلِقَ امْرُؤٌ كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْلَاكَا
اَنْتَ الَّذِيْ مِنْ نُوْرِكَ الْبَدْرُ اكْتَسٰى وَ الشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُوْرِ بَهَاكَا
اَنْتَ الَّذِيْ لَمَّارُفِعْتَ اِلَى السَّمَآءِ بِكَ قَدْ سَمَتْ وَتَزَيَّنَتْ لِسُرَاكَا
اَنْتَ الَّذِيْ نَادَاكَ رَبُّكَ مَرْحَبًا وَلَقَدْ دَعَاكَ لِقُرْبِهٖ وَحَبَاكَا
اَنْتَ الَّذِيْ فِيْنَا سَئَلْتَ شَفَاعَةً لَبَّاكَ رَبُّكَ لَمْ تَكُنْ لِسِوَاكَا
اَنْتَ الَّذِىْ لَمَّا تَوَسَّلَ آدَمُ مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ اَبَاكَا
وَبِكَ الْخَلِيْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهٗ بَرْدًا وَ قَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاكَا
وَدَعَاكَ اَيُّوْبُ لِضُرٍّ مَسَّهٗ فَاُزِيْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِيْنَ دَعَاكَا
وَبِكَ الْمَسِيْحُ اَتٰى بَشِيْرًا مُخْبِرًا بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَادِحًا بِعَلَاكَا
وَ كَذَاكَ مُوْسٰى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلًا بِكَ فِي الْقِيَامَةِ يَحْتَمِيْ بِحِمَاكَا
وَالْاَنْبِيَاءُ وَكُلُّ خَلْقٍ فِي الْوَرٰى وَالرُّسْلُ وَالْاَمْلَاكُ تَحْتَ لِوَاكَا
لَكَ مُعْجِزَاتٌ اَعْجَزَتْ كُلَّ الْوَرٰى وَ فَضَائِلٌ جَلَّتْ فَلَيْسَ تُحَاكَا
نَطَقَ الذِّرَاعُ بِسَمِّهٖ لَكَ مُعْلِنًا وَالضَّبُّ قَدْ لَبَّاكَ حِيْنَ اَتَاكَا
وَالذِّئْبُ جَاءَكَ وَالْغَزَالَةُ قَدْ اَتَتْ بِكَ تَسْتَجِيْرُ وَتَحْتَمِيْ بِحِمَاكَا
وَ كَذَا الْوُحُوْشُ اَتَتْ اِلَيْكَ وَسَلَّمَتْ وَشَكَا الْبَعِيْرُ اِلَيْكَ حِيْنَ رَاٰكَا

وَدَعَوْتَ اَشْجَارًا اَتَتْكَ مُطِيْعَةً وَ سَعَتْ اِلَيْكَ مُجِيْبَةً لِنِدَاكَا
وَالْمَاءُ فَاضَ بِرَاحَتَيْكَ وَ سَبَّحَتْ صُمُّ الْحَصٰى بِالْفَضْلِ فِيْ يُمْنَاكَا
وَ عَلَيْكَ ظَلَّلَتِ الْغَمَامَةُ فِي الْوَرٰى وَ الْجِذْعُ حَنَّ اِلٰى كَرِيْمِ لِقَاكَا
وَ كَذَاكَ لَا أَثَرٌ لِمَشْيِكَ فِي الثَّرٰى وَالصَّخْرُ قَدْ غَاصَتْ بِهٖ قَدَمَاكَا
وَ شَفَيْتَ ذَا الْعَاهَاتِ مِنْ اَمْرَاضِهٖ وَمَلَأْتَ كُلَّ الْاَرْضِ مِنْ جَدْوَاكَا
وَ رَدَدْتَّ عَيْنَ قَتَادَةٍ بَعْدَ الْعَمٰى وَابْنَ الْحُصَيْنِ شَفَيْتَهٗ بِشِفَاكَا
وَ كَذَا خُبَيْبًا وَ ابْنَ عَفْرَا بَعْدَ مَا جُرِحَا شَفَيْتَهُمَا بِلَمْسِ يَدَاكَا
وَعَلِيٌّ مِنْ رَمَدٍ بِهٖ دَاوَيْتَهٗ فِيْ خَيْبَرٍ فَشُفِيْ بِطِيْبِ لِمَاكَا
وَسَئَلْتَ رَبَّكَ فِي ابْنِ جَابِرٍ بعدَ مَا أَنْ مَّاتَ أَحْيَاهُ وَقَدْ أَرْضَاكَا
شَاةٌ مَسِسْتَ لِاُمِّ مَعْبَدٍ الَّتِيْ نَشَفَتْ فَدَرَّتْ مِنْ شِفَا رُقْيَاكَا
وَ دَعَوْتَ عَامَ الْقَحْطِ رَبَّكَ مُعْلِنًا فَانْهَلَّ قَطْرُ السُّحْبِ حِيْنَ دُعَاكَا
وَدَعَوْتَ كُلَّ الْخَلْقِ فَانْقَادُوا اِلٰى دَعْوَاكَ طَوْعًا سَامِعِيْنَ نِدَاكَا
وَخَفَضْتَ دِيْنَ الْكُفْرِ يَا عَلَمَ الْهُدٰى وَرَفَعْتَ دِيْنَكَ فَاسْتَقَامَ هُدَاكَا
اَعْدَاكَ عَادُوا فِي الْقَلِيْبِ بِجَهْلِهِمْ صَرْعٰى وَقَدْ حُرِمُوا الرِّضٰى بِجَفَاكَا
فِيْ يَوْمِ بَدْرٍ قَدْ اَتَتْكَ مَلَائِكُ مِنْ عِنْدِ رَبِّكَ قَاتَلَتْ اَعْدَاكَا
وَالْفَتْحُ جَاءَ كَ يَوْمَ فَتْحِكَ مَكَّةً وَالنَّصْرُ فِي الْاَحْزَابِ قَدْ وَافَاكَا
هُوْدٌ وَيُوْنُسُ مِنْ بَهَاكَ تَجَمَّلَا وَجَمَالُ يُوْسُفَ مِنْ ضِيَاءِ سَنَاكَا
قَدْ فُقْتَ يَا طٰهٰ جَمِيْعَ الْاَنْبِيَاءِ طُرًّا فَسُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرَاكَا
وَاللّٰهِ يَا يٰسِيْنُ مِثْلُكَ لَمْ يَكُنْ فِي الْعَالَمِيْنَ وَحَقِّ مَنْ اَنْبَاكَا
عَنْ وَصْفِكَ الشُّعَرَاءُ يَا مُدَّثِّرُ عَجَزُوْا وَكَلُّوْا مِنْ صِفَاتِ عُلَاكَا

اِنْجِیْلُ عِیْسٰی قَدْ اَتٰی بِکَ مُخْبِرًا وَ لَنَا الْکِتَابُ اَتٰی بِمَدْحِ حُلَاکَا
مَا ذَا یَقُوْلُ الْمَادِحُوْنَ وَمَا عَسٰی اَنْ یَّجْمَعَ الْکُتَّابُ مِنْ مَعْنَاکَا
وَاللّٰہِ لَوْ اَنَّ الْبِحَارَ مِدَادُھُمْ وَالشُّعْبَ اَقْلَامٌ جُعِلْنَ لِذَاکَا
لَمْ یَقْدِرِ الثَّقَلَانِ تَجْمَعُ نَزْرَہٗ اَبَدًا وَمَا اسْطَاعُوالَہٗ اِدْرَاکَا
بِکَ لِیْ قُلَیْبٌ مُغْرَمٌ یَا سَیِّدِیْ وَ حُشَاشَۃٌ مَحْشُوَّۃٌ بِھَوَاکَا
فَاِذَا سَکَتُّ فَفِیْکَ صَمْتِیْ کُلُّہٗ وَ اِذَا نَطَقْتُ فَمَادِحًا عُلْیَاکَا
وَاِذَا سَمِعْتُ فَعَنْکَ قَوْلاً طَیِّبًا وَاِذَا نَظَرْتُ فَمَا اَرٰی اِلَّاکَا
یَا مَالِکِیْ کُنْ شَافِعِیْ فِیْ فَاقَتِیْ اِنِّیْ فَقِیْرٌ فِی الْوَرٰی لِغِنَاکَا
یَا اَکْرَمَ الثَّقَلَیْنِ یَا کَنْزَ الْوَرٰی جُدْلِیْ بِجُوْدِکَ وَ ارْضِنِیْ بِرِضَاکَا
اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ وَلَمْ یَکُنْ لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْاَنَامِ سِوَاکَا
فَعَسَاکَ تَشْفَعُ فِیْہِ عِنْدَ حِسَابِہٖ فَلَقَدْ غَدَا مُتَمَسِّکًا بِعُرَاکَا
فَلَاَنْتَ اَکْرَمُ شَافِعٍ وَ مُشَفَّعٍ وَمَنِ الْتَجَا بِحِمَاکَ نَالَ رِضَاکَا
فَاجْعَلْ قِرَاکَ شَفَاعَۃً لِّیْ فِیْ غَدٍ فَعَسٰی اَرٰی فِی الْحَشْرِ تَحْتَ لِوَاکَا
صَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَاعَلَمَ الْھُدٰی مَا حَنَّ مُشْتَاقٌ اِلٰی مَثْوَاکَا
وَعَلٰی صَحَابَتِکَ الْکِرَامِ جَمِیْعِھِمْ وَالتَّابِعِیْنَ وَکُلِّ مَنْ وَّالَاکَا

(المستطرف فی کل فنٍّ مستظرف، للعلامۃ شھاب الدین محمد بن احمد ابی الفتح الابشیھی،
ج:۱،ص:۴۹۱/۲۳۲،دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان،۱۹۸۶م)

منقبت درشانِ امام اعظم ابوحنیفہ

علوم اسلام کا صحیفہ امام اعظم ابوحنیفہ		نبی کے ہیں نائب وخلیفہ امام اعظم ابوحنیفہ
سراجِ امت ضیاے حکمت نگارِ سنت کمالِ برکت		ہیں دین کی دولتِ مُنیفہ امام اعظم ابوحنیفہ
امامِ فقہ وحدیث بھی ہیں وہ مجتہد فی الاصول بھی ہیں		وہ جن کا قرآن ہے وظیفہ امام اعظم ابوحنیفہ
سراپا تقویٰ ہے ذات ان کی دلیل وحجت ہے بات ان کی		خدا کی اک آیتِ شریفہ امام اعظم ابوحنیفہ
کمالِ طاعت میں زندگی تھی جو محوِ تذکیر و بندگی تھی		تھے پیکرِ سنتِ نظیفہ امام اعظم ابوحنیفہ
عیاں ہوئے جن کی چشمِ دل پر نصوص کی تہ میں جو تھے گوہر		رموزِ رخشندہ لطیفہ امام اعظم ابوحنیفہ
سرِ ثریا بھی علم ہوتا ضرور حاصل وہ کرتے سیفی		مَنارِ دَرّاکہ عفیفہ امام اعظم ابو حنیفہ

نتیجۂ فکر: استاذ الشعراء، نور الفقہا، حضرت علامہ مفتی سید شاکر حسین سیفی مصباحی

استاذ وصدر شعبۂ افتا دار العلوم محبوب سبحانی کرلا ویسٹ ممبئی انڈیا ۰ ۷

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِی الْإِحْسَانِ وَ الْمِنَّةِ. وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْإِنْسِ وَالْجِنَّةِ. وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ هَدَوْا إِلٰى طَرِيْقِ الْجَنَّةِ. وَالْأَئِمَّةِ الَّذِيْنَ نَشَرُوْا مَعَانِيَ الْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ. لَا سِيَّمَا عَلَى الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ الَّذِيْ هُوَ سِرَاجُ الْأُمَّةِ وَكَاشِفُ الْغُمَّةِ.

(۱/۲)

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا	أَرْجُوْ رِضَاكَ وَأَحْتَمِيْ بِحِمَاكَا
وَاللّٰهِ يَاخَيْرَ الْخَلَائِقِ إِنَّ لِيْ	قَلْبًا مَشُوْقًا لَا يَرُوْمُ سِوَاكَا

ترجمہ: اے آقاؤں کے آقا علیک الصلاۃ والسلام! میں بالقصد آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ کی رضا چاہتا ہوں اور آپ کی پناہ گاہ میں پناہ کا خواہش مند ہوں۔ اے مخلوق میں سب سے بہتر ذات! بخدا میرا دلِ مشاق آپ کے علاوہ کسی اور کا طالب نہیں ہے۔

حلِّ لغات:

- یاَ: یہ حرفِ ندا ہے۔ جن حروف کے ذریعے کسی کو پکارا جاتا ہے، انھیں حروفِ ندا کہتے ہیں۔
- سَیِّد: سردار، آقا، بادشاہ، جمع سَادَة، جمع الجمع سَادَات۔ سید السادات سے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے۔
- جِئْتُ: از جاء یجیء، بابِ ضرب، فعل ماضی معروف، صیغہ واحد متکلم، آنا۔
- قَاصِد: اسمِ فاعل از بابِ ضرب بمعنی قصد کرنا، توجہ کرنا۔

- أَرْجُوْ: فعل مضارع معروف، صیغۂ واحد متکلم از بابِ نصر، امید کرنا، پُرامید ہونا۔
- رِضَا: مصدر از باب سمع، بمعنٰی راضی ہونا، خوش ہونا۔
- أَحْتَمِي: فعل مضارع معروف، صیغۂ واحد متکلم از بابِ افتعال بمعنیٰ رکنا، بچنا، پناہ چاہنا۔
- حِمٰی: چراگاہ جس میں دوسروں کے جانوروں کو چرانے کی ممانعت ہو۔ ہر وہ چیز جس کی حفاظت کی جائے، پناگاہ۔
- واللہ: واؤ حرفِ جار برائے قسم۔ اللہ اُس ذاتِ واجب الوجود کا عَلَم ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ سے متصف اور ہر نقص وعیب سے پاک ہے۔
- خَلَائِق: خلیقۃٌ کی جمع بمعنٰی مخلوق۔
- قَلْب: دل، جمع قلوب۔
- مَشُوْق: اسم مفعول از شاق یشوق، بابِ نصر، بمعنٰی شوق دلانا۔ قَلْبٌ مَشُوْقٌ، دلِ عاشق، دلِ مشتاق، جسے محبوب سے ملاقات کا شوق دلایا گیا ہو۔
- یَرُوْمُ: فعل مضارع معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب، از رام یروم، بابِ نصر، قصد کرنا، ارادہ کرنا۔

تشریح:

قصیدے کے ان اشعار میں، حضرتِ امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ صرف یہ کہ اپنی والہانہ محبت وعقیدت کا اظہار فرمایا ہے؛ بلکہ اپنے قول "جِئتُكَ قَاصِدًا" (یا رسول اللہ! میں آپ کی بارگاہ کا قصد و ارادہ کرکے حاضر ہوا ہوں) کے ذریعے اہلِ سنّت وجماعت کے اِس اجماعی عقیدے کا اعلان بھی فرمایا ہے کہ حضورِ اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی مزارِ پاک ؛ بلکہ جملہ انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیا و صالحین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی **قبورِ مبارکہ کی زیارت کے قصد و ارادے سے سفر کرنا مستحسن اور عظیم قربت ہے**۔ رحمت و برکت کا سبب اور رب تبارک وتعالیٰ کی رضا و خوش نودی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

حضرت امام نے محض جذباتِ محبت کی رَو میں بہہ کر اس طرح نہیں کہہ دیا؛ بلکہ یوں اس لیے عرض کی ہے کہ یہ محبتِ رسول علیہ الصلاۃ والسلام کا تقاضا ہے اور اس کا جواز و استحسان دلائلِ قاطعہ و براہینِ ساطعہ سے ثابت ہے۔

روضۂ انور کی زیارت کے ارادے سے سفر کرنا :

غیر مقلدین وہابیہ کہتے ہیں:

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کے ارادے سے سفر کرنا معصیت و گناہ اور ناجائز و حرام ہے۔ اس طرح کے سفر میں نمازوں میں قصر کرنا بھی جائز نہیں۔ ہاں اگر مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کا قصد و ارادہ ہو اور اسی کے ضمن میں قبرِ انور کی زیارت کر لی جائے تو یہ جائز و درست ہے اور شریعتِ اسلامیہ نے اس کی گنجائش رکھی ہے۔

چناں چہ ان کے متفق علیہ امام و پیشوا ابو العباس تقی الدین احمد بن تیمیہ لکھتے ہیں :

وأمّا إذا كان قصده بالسفر زيارة قبر النّبيّ دون الصلاة فى مسجده. فهٰذه المسئلة فيها خلاف. فالذى عليه الأئمة و أكثر العلماء أنّ هٰذا غير مشروع ولا مأمور به؛ لقوله ﷺ "لا تشد الرحال إلّا الى ثلاثة مساجد:

المسجد الحرام و مسجدی ھذا و المسجد الأقصی۔[۱]

ولھذا لم یذکر العلماء أن مثل ھذا السفر اذا نذر یجب الوفاء بہ بخلاف السفر الی المساجد الثلاثۃ.

ترجمہ: جب سفر سے مقصود صرف نبیٔ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی قبرِ انور کی زیارت ہو، آپ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا قصد وارادہ نہ ہو تو اس مسئلے میں علما کے مابین اختلاف ہے۔ اکثر ائمہ وعلما کا موقف یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے اور اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ کیوں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا: تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کا سفر نہ کیا جائے۔ میری یہ مسجد (مسجدِ نبوی شریف)، مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ۔[۲]

جملہ غیر مقلدین ابن تیمیہ کے اس فتوے کو وحیِ الٰہی کا درجہ دیتے ہوئے، روضۂ انور کی زیارت کے قصد سے سفر کرنے کو سخت ممنوع قرار دیتے ہیں، حالاں کہ یہ فتویٰ، استحباب کا قول کرنے والے علمائے کرام اور ائمۂ عظام کے فتاویٰ کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور ابن تیمیہ کا یہ کہنا:

"اکثر علما وائمہ نے اس کے ناجائز ہونے کا قول کیا ہے"

بالکل خلافِ واقعہ ہے؛ کیوں کہ اس سفر کے مستحب ہونے پر تمام اربابِ حل وعقد کا اجماع ہے۔ اسی توہین آمیز فتوے کی بنا پر بعض علمائے اہلِ سنت نے ابنِ تیمیہ کی تکفیر کی ہے۔

حضرت امام ابوالحسن نورالدین علی بن سلطان معروف بہ ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ

---

[۱] الصحیح، للامام مسلم بن حجاج القشیری، کتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثۃ، رقم الحدیث: ۳۳۲۵

[۲] الفتاویٰ لابن تیمیہ ج: ۲۷، ص: ۲۶، ۲۷

متوفی ۱۴۰۱ھ فرماتے ہیں:

ابن تیمیہ پر کفر کا فتویٰ لگانا حق کے زیادہ قریب ہے۔ کیوں کہ جس کی اباحت پر اجماع ہو اس کا انکار کرنا کفر ہے، تو جس چیز کے استحباب پر علما کا اتفاق ہوا سے حرام و ناجائز قرار دینا بدرجہ اولیٰ کفر ہوگا۔

تفصیل کے لیے دیکھیے! [۱]

ظاہری بات ہے کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہو سکتی، ورنہ اِن تین مساجد کے علاوہ ہر جگہ کا سفر ناجائز و حرام ٹھہرے گا، اور کوئی بھی عالم اس کا قائل نہیں ہے؛ کیوں کہ علمِ دین حاصل کرنے، دوست واحباب اور رشتے داروں سے ملاقات کرنے اور دعوت و تبلیغ کے فرائض انجام دینے کے لیے سفر کرنا سب کے نزدیک مستحسن ہے۔ کوئی بھی با شعور انسان اِن اَسفار کے جواز کا انکار نہیں کر سکتا، ورنہ زندگی کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں گی اور دینی تقاضوں پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

جب اِس حدیثِ پاک سے اِن اسفار کی ممانعت ثابت نہیں ہو رہی، تو انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم اور اولیا و صالحین علیہم الرحمہ کی قبورِ مبارکہ کی زیارت کے لیے سفر کرنے کی ممانعت اِس میں کیسے داخل ہو سکتی ہے؟۔ یہ بات سوچنے اور غور کرنے کی ہے۔

اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے مایۂ ناز محقق و محدث حضرت علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

واختلف فی شدِّ الرِّحال إلی غیرھا کالذھاب الی زیارۃ الصالحین

---

[۱] شرح صحیح مسلم، للعلامۃ المحدث غلام رسول السعیدی، ج: ۳ ص: ۷ ۶۴

أحيآءً وأمواتًاوإلى المواضع الفاضلة لقصدِ التبرّك بها والصلاة فيها ...والصحيح عند إمام الحرمين وغيره من الشافعية أنّه لا يحرم. و أجابوا عن الحديث بأجوبة :منها أنّ المراد أنّ الفضيلة التامّة انّما هى فى شدّ الرِّحال إلى هٰذه المساجد بخلافِ غيرِها فإنّهٗ جائزٌ... و منها أنّ النهى مخصوصٌ بمن نَذَرَ علىٰ نفسه الصلاة فى مسجدٍ من سائر المساجد غير الثلاثة فإنّهٗ لا يجب الوفآء به...و منها أنّ المرادَ حكم المساجد فقط و أنهٗ لا تُشَدُّ الرِّحالُ إلى مسجدٍ من المساجد للصلاة فيه غير هٰذه الثلاثة و أما قصد غير المساجدِ لزيارةِ صالحٍ أو قريبٍ أو صاحبٍ أو طلبِ علمٍ أو تجارة أو نزهة فلا يدخل فى النهى و يؤيدهٗ ما روىٰ أحمدُ من طريق شهر بن حوشب قال: سمعت أبا سعيد و ذكرت عنده الصلاة فى الطور فقال: قال رسول الله ﷺ :لا ينبغى للمصلّى أن يشد رحاله إلى مسجد تبتغى فيه الصلٰوة غير المسجد الحرام والمسجد الأقصىٰ و مسجدى. و شهر حسن الحديث و إن كان فيه بعض الضعف. و منها أنّ المراد قصدُها بالإعتكاف فيما حكاه الخطابى عن بعض السَّلَفِ أنهٗ قال: لا يعتكف فى غيرها ... الخ۔ [۱]

ترجمہ: ان تین مساجد کے علاوہ مثلاً زندہ یا وفات یافتہ صالحین کی زیارت کے لیے یا مقدس مقامات سے برکت حاصل کرنے اور وہاں نماز پڑھنے کے ارادے سے سفر کرنے کے سلسلے میں علما کے مابین اختلاف ہے۔ امام الحرمین وغیرہ ائمۂ شافعیہ کے نزدیک یہ سفر حرام و ممنوع نہیں ہے اور انھوں نے اس حدیثِ پاک کے متعدد جوابات دیے ہیں۔

---

[۱] فتح الباری شرح صحیح البخاری، للامام احمد بن علی بن حجر العسقلانی، ج: ۳، ص: ۸۳، ۸۴

(۱) پہلا جواب یہ کہ فضیلتِ تامّہ اِنھی تین مساجد کا سفر کرنے میں ہے، ان کے علاوہ کے لیے شدِّ رِحال (سفر کرنا) جائز تو ہے؛ لیکن اس میں فضیلتِ تامہ نہیں۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اِن تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانیں؛ کیوں کہ اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں۔ (۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیثِ پاک سے صرف مساجد کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔ یعنی ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کے ارادے سے شدِّ رحال نہ کیا جائے۔ اور رہا مساجد کے علاوہ کا قصد و ارادہ کرنا مثلاً کسی اللہ والے، یا قریبی رشتے دار، یا دوست، یا طلب علم، یا تجارت، یا تفریح کے لیے سفر کرنا تو اِس حدیثِ پاک میں اِس طرح کے سفر سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی تائید اُس حدیثِ پاک سے ہوتی ہے جسے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے حضرتِ شہر بن حوشب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا: جب میں نے حضرتِ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس، کوہِ طور پر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو انھوں نے مجھ سے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

کسی نمازی کے لیے مناسب نہیں کہ مسجدِ حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے سوا نماز پڑھنے کے لیے کسی اور مسجد کا قصد وارادہ کرے۔

اور شہر بن حوشب علیہ الرحمہ میں اگرچہ کچھ ضعف ہے؛ لیکن ان کی یہ حدیث حسن ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ اعتکاف کرنے کے لیے صرف انھی تین مساجد کا قصد و ارادہ کیا جائے۔ اسے امام ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم خطابی شافعی علیہ الرحمہ نے بعض سلف کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

ان تین مساجد کے علاوہ میں اعتکاف (کرنے کی نیت سے سفر) نہ کیا جائے۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے روضۂ انور اور دیگر صالحین کی قبورِ مبارکہ کی زیارت کے لیے سفر کرنا اس ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

امام احمد بن علی ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ چند سطور کے بعد اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال الكرماني: وقع في هذه المسئلة في عصرنا في البلاد الشامية مناظرات كثيرة و صنف رسائل من الطرفين. قلت: يشير إلى ما ردّ به الشيخ تقي الدين السبكي و غيره على الشيخ تقي الدين بن تيمية و ما انتصر به الحافظ شمس الدين بن عبد الهادي وغيره لإبن تيمية و هي مشهورة في بلادنا. والحاصل أنهم ألزموا إبن تيمية بتحريم شدّ الرحال إلى زيارة قبر سيدنا رسول الله ﷺ و أنكرنا صورة ذلك. و في شرح ذلك من الطرفين طول و هي من أبشع المسائل المنقولة عن ابن تيمية. [1]

ترجمہ: علامہ ابو محمد حرب بن اسماعیل کرمانی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

ہمارے زمانے میں شام (سیریا) کے شہروں میں اس مسئلے پر کافی مناظرے ہوئے ہیں اور دونوں جانب سے (ایک دوسرے کے رد میں) رسالے لکھے گئے ہیں۔

(امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ علامہ کرمانی علیہ الرحمہ کا اشارہ ان کتابوں کی جانب ہے جو امام تقی الدین سبکی علیہ الرحمہ وغیرہ نے شیخ ابن تیمیہ کے رد و ابطال

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری، للامام احمد بن علی بن حجر العسقلانی، ج: ۳، ص: ۸۵

میں لکھی ہیں اور ابن تیمیہ کی موافقت میں حافظ شمس الدین بن عبد الہادی نے لکھی ہیں۔ ہمارے شہروں میں یہ کتابیں مشہور ہیں۔ حاصلِ کلام یہ کہ ان علما نے ابن تیمیہ پر یہ لازم کیا ہے کہ انھوں نے شدِّ رحال والی حدیث کی وجہ سے نبیِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو ناجائز وحرام لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ مکروہ وناپسندیدہ قول ہے۔ اگر جانبین کے دلائل پیش کیے جائیں تو گفتگو کافی دراز ہو جائے گی۔ اور یہ مسئلہ ان تمام مسائل میں سب سے زیادہ مکروہ وناپسندیدہ ہے جو ابن تیمیہ سے منقول ہوئے ہیں۔

اس پوری بحث سے ثابت ہوا کہ خاص نبیِّ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے روضۂ انور اور دیگر صالحین کی قبورِ مبارکہ کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ومستحب ہے۔ حدیثِ مذکور سے اس کی ممانعت قطعاً ثابت نہیں ہوتی؛ لہٰذا ابن تیمیہ اور اس کے **موافقین کا قول باطل ومردود اور ناقابلِ التفات ہے۔**

نحوی اصول وقواعد کے لحاظ سے بھی ایسے سفر کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، چہ جائے کہ یہ حرام وناجائز ہو؛ کیوں کہ استثنا کے باب میں اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو۔ اِس اصول کو پیشِ نظر رکھنے سے حدیثِ پاک کا معنیٰ ومفہوم یہ بنتا ہے **کہ مذکورہ تین مساجد کے علاوہ کسی بھی مسجد کی جانب** (اعتکاف کرنے، یا نماز پڑھنے) **کے لیے سفر نہ کیا جائے۔** فاتضح ما هو المراد بهذا الحديث بأحسنِ طريق.

اس بحث کے اخیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیارتِ قبرِ انور علیٰ صاحبہ التحیۃ والسلام کی فضیلت پر چند حدیثیں پیش کر دی جائیں؛ تاکہ دعویٰ دلیل سے ثابت ہو جائے۔

روضۂ رسول کی زیارت کا ثبوت:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔ [۱]

ترجمہ: جس نے میرے روضے کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب وثابت ہوگئی۔

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی، کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَنِیْ فِی الْمَدِیْنَۃِ مُحْتَسِبًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ وَ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ [۲]

ترجمہ: جس نے ثواب کی نیت سے مدینۂ منورہ میں آکر میری زیارت کی اُسے میرا پڑوس حاصل ہوگا اور میں بروزِ قیامت اُس کی شفاعت فرماؤں گا۔

حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ مَاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَیْنِ

---

[۱] کنز العمال، للامام علاء الدین بن علی المتقی الہندی، ج:۱۵، ص:۶۵۱۔ الجامع الکبیر، للامام جلال الدین السیوطی، ج:۹، ص:۲۴۳

[۲] الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی الاندلسی، ج:۲، ص:۱۹۵۔ المدخل، للامام ابی عبد اللہ محمد بن احمد ابن الحاج، ج:۱، ص:۲۶۱

بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔[۱]

جس نے میرے وصال کے بعد میری قبرِ انور کی زیارت کی گویا اس نے میری ظاہری حیات میں میری زیارت کی اور جس کا انتقال کسی ایک حرم میں ہوا وہ بروزِ قیامت امن والوں میں سے اٹھایا جائے گا۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضور مختارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔[۲]

ترجمہ: جس نے خانۂ کعبہ کا حج کیا اور اس نے (قدرت رکھنے کے باوجود میری بارگاہ میں آکر) میری (یا میرے وصال کے بعد میرے روضے کی) زیارت نہیں کی تو اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی۔

قبرِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کی زیارت کی نیت سے سفر کرنے کے مستحب ہونے پر علمائے اہلِ سنت نے قرآنِ مقدس سے بھی استدلال کیا ہے۔ تفصیل کے لیے شیخ المحدثین حضرت علامہ مفتی سید احمد بن زینی دحلان علیہ الرحمۃ کی مایۂ ناز تصنیف "اَلدُّرَرُ السَّنِیَّۃُ فِی الرَّدِّ عَلَی الْوَھَابِیَّۃِ" کا مطالعہ بے حد مفید ثابت ہوگا۔ (بحمد اللہ جل و علا راقم الحروف کی تحقیق وتعلیق وتخریج کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بنام "تابناک موتی" دار العلوم

[۱] السنن، للامام ابی الحسن علی بن عمرو الدار قطنی، ج:۳، ص:۳۳۳۔ جامع الاحادیث، للامام جلال الدین السیوطی، ج:۲۰، ص:۳۴۹۔ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، للعلامۃ السید علی بن احمد السمہودی، ج:۱، ص:۳۳۵

[۲] کنز العمال، للامام علاء الدین بن علی المتقی الہندی، ج:۵، ص:۱۳۵۔ جامع الاحادیث، للامام جلال الدین السیوطی، ج:۲۰، ص:۲۴۰

محبوبِ سبحانی کے فیروز بخت وشاہین صفت طلبہ کی بزم "بزمِ فیضانِ رضا" کی جانب سے شائع ہو کر منظرِ عام پر آچکا ہے)

ہٹ دھرمی کی انتہا:

ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں میں اکثریت اُن لوگوں کی ہے جن کی قوتِ فکر ضلالت وگمرہی کے دبیز پردوں میں دب کر اس طرح تباہ ہوچکی ہے کہ اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت یکسر فنا ہوچکی ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور مقلّدانہ ذہنیت رکھنے والے اہلِ سنت وجماعت کو اپنی لعن وطعن کا شکار بنانے والے نام نہاد غیر مقلدین، اپنے اماموں کی تقلید کرتے ہوئے شرماتے ہیں، **نہ اپنے پیشواؤں کی اندھی عقیدت میں احادیثِ صحیحہ کو ضعیف؛ بلکہ موضوع کہتے ہوئے جھکتے ہیں۔**

ابن تیمیہ کے ایک اندھے مقلد ہیں۔ جن کا نام ہے جناب عبد العزیز بن باز۔ یہ جناب "فتح الباری شرح البخاری" کے حاشیہ میں اپنا یہ فرمان جاری کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هٰذا اللازم لا بأس به و قد التزمه الشيخ و ليس فى ذٰلك بشاعة بحمد الله عند من عرف السنّة ۔والأحاديث المروية فى فضل زيارة قبرِالنبى ﷺ كلها ضعيفة بل موضوعة كما حقق ذٰلك ابو العباس فى منسكه و غيره...[1]

ترجمہ: شیخ ابن تیمیہ نے زیارتِ قبر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کے

---

[1] حاشیۂ فتح الباری ج:۳،ص:۸۵

لیے شدِّ رِحال کے عدمِ جواز کا جو التزام کیا ہے تو سنّت کی معرفت رکھنے والوں کے نزدیک بحمد اللہ اس میں کوئی حرج ہے نہ کسی طرح کی کوئی قباحت۔ اور قبرِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی زیارت کی فضیلت کے سلسلے میں جو حدیثیں مروی ہیں وہ سب کی سب ضعیف؛ بلکہ موضوع تک ہیں۔ جیسا کہ ابو العباس وغیرہ نے اپنے مَنْسَك میں اس کی تحقیق کی ہے۔

یہ ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی کی انتہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی عظمتِ شان کو بیان کرنے والی تمام حدیثیں ان کے نزدیک ضعیف اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ ہم تقلید کریں تو بدعتی اور مشرک ٹھہریں اور خود دوسروں کی تقلید میں حدیثوں کو ضعیف وموضوع کہنے والے یہ جاہل، پکّے موحّد ومحافظِ توحید قرار دیے جائیں۔ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اللہ تبارک وتعالیٰ انھیں اپنی عقل وخرد کو استعمال کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

امام اہلِ سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مجرم بلائے آئے ہیں جَآءُوْكَ ہے گواہ پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

حضور علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کا واضح ثبوت:

اِن اِشعار میں سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے فریاد کی ہے:

حضور! ہم سے راضی ہو جائیں اور ہمیں اپنی پناہ میں لے لیں!

اِستغاثہ اُسی ذات سے کیا جاتا ہے جو زندہ ہو اور دینے کی طاقت وقدرت رکھتی

ہو۔تو گویا صاحبِ قصیدہ نے اِس شعر کے ذریعے اپنے اس عقیدے کا اعلان واظہار فرمایا ہے کہ **حضور رحمتِ عالم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم **جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں اورامت کی فریادوں کو سنتے اوران کی حاجتیں پوری فرماتے ہیں۔**

اہلِ سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ یہی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اور دیگر حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام وصال فرمانے کے بعد ،عالَم برزخ میں حقیقی جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ اُن پر **لفظِ مُردہ کا اطلاق** بحکمِ قرآن وحدیث ناجائز وحرام ہے۔انھیں مردہ وہی بدبخت کہتے یا گمان کرتے ہیں جو خود مردہ اور ایمانی اوصاف وکمالات سے محروم ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے ان پر ایک آن کے لیے موت طاری کی۔اُس ایک آن کے بعد، انھیں جسمانی حیات سے سرفراز کر دیا گیا۔اسی عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہوئے امامِ اہلِ سنّت ،مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

انبیا کو بھی اجل آنی ہے مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات مثلِ سابق وہی جسمانی ہے

یہ عقیدہ قرآنِ مقدس اور احادیثِ صحیحہ؛ بلکہ خود مخالفین کی کتابوں سے ثابت ہے۔بغرضِ اختصار صرف قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) اللہ ربُّ العزت ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ [۱]

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مردہ مت کہو؛ بلکہ وہ زندہ ہیں؛ لیکن تم (ان کی زندگی کا) شعور نہیں رکھتے۔

(۲) ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ [۲]

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو؛ بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں، انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو انھیں عطا فرمایا ہے وہ اس پر خوش ہیں اور ان کے بعد والے لوگ بھی جو ابھی ان سے نہیں ملے ان کے متعلق اس بشارت سے خوش ہو رہے ہیں کہ ان پر بھی نہ خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اِن آیاتِ کریمہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ شہداے کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اللہ ربُّ العزت، **شہادت کے بعد ایسی کامل ترین زندگی عطا فرماتا ہے** کہ ان کو مردہ کہنا تو کجا انھیں مردہ گمان کرنا بھی جائز نہیں۔ حضراتِ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شان چوں کہ **شہداے اسلام سے ارفع واعلیٰ ہے** اس لیے مذکورہ آیاتِ مبارکہ حیاتِ انبیا کو بھی واضح طور پر بتاتی ہیں۔

ہمارے آقا و مولیٰ تاجدارِ عرب و عجم، انیسِ بے کساں، سرورِ سروراں حضور رحمۃ

---

[۱] سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ: ۱۵۴

[۲] سورۃ آلِ عمران، رقم الآیۃ: ۱۶۹/۱۷۰

للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا مقام و مرتبہ چوں کہ جملہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے بھی بلند و بالا ہے، آپ تمام نبیوں کے نبی اور تمام رسولوں کے پیشوا ہیں، اس لیے اِن آیاتِ مجیدہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی، شہداے کرام سے بھی اعلیٰ برزخی جسمانی حیاتِ طیبہ ثابت ہوتی ہے۔

بدمذہب کہتے ہیں:

قرآنِ مقدس نے صرف شہداے اسلام کو مردہ کہنے یا گمان کرنے سے منع کیا ہے۔ انبیاے کرام علیہم السلام کے بارے میں ایسی کوئی آیت یا حدیث نہیں ملتی جس میں انھیں مردہ گمان کرنے سے یا کہنے سے روکا گیا ہو؛ لہٰذا یہ حکم شہداے کرام کے ساتھ خاص ہوگا۔ حضراتِ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو شامل نہ ہوگا۔

ان احمقوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآنِ حکیم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ کم درجے والوں کا حکم بیان فرماتا ہے، جس سے اونچے درجے والوں کا حکم خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ اسے ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے! مثلاً اللہ جل وعلا نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ۔[۱]

ترجمہ: اور اُن (ماں باپ) کو اف تک نہ کہنا۔

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ والدین کو "اُف" کہنے کی بھی اجازت نہیں۔ جب انھیں اف تک کہنا منع ہے تو ان سے توہین آمیز لب و لہجے میں گفتگو کرنا، ان کی دل شکنی کرنا، ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا اور زد و کوب کرنے کی جسارت کرنا بدرجۂ اولیٰ ممنوع و حرام ہے؛ کیوں کہ یہ چیزیں اُف کہنے سے بدر جہا بڑھ کر ہیں۔

---

[۱] سورۃ بنی اسرائیل، رقم الآیۃ: ۲۳

کیا کوئی وہابی یہ ہمت کر سکتا ہے کہ اپنے ماں باپ کو اف تو نہ کہے؛ لیکن انھیں مارے پیٹے، ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرے اور اذیتیں پہنچائے؟ اور اپنے اِس عمل کے جواز پر بقراطی کرتے ہوئے کہے:

قرآنِ مجید میں اُف کہنے سے منع کیا گیا ہے، نہ کہ مارنے، پیٹنے اور بدتمیزی کرنے سے۔

اِس طرح کی بکواس وہی لوگ کرتے ہیں جو عقل وشعور سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتے۔ جب قرآنِ شریف کا اسلوب یہ ہے کہ ادنیٰ کا حکم بیان کرتا ہے۔ اس کی روشنی میں اعلیٰ کا حکم خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ حضراتِ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا مرتبہ شہداے عظام کے درجاتِ عالیہ سے بہت بلند ہے۔ بد مذہبیت کے تعفن سے لت پت کوئی بھی وہابی اِس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ تو پھر اُن نفوسِ قدسیہ کو مردہ کہنا یا مردہ گمان کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ ایسا کہنا یقیناً کلمۂ توہین؛ بلکہ نصِّ قرآنی کا صاف انکار ہے۔ جس طرح شہداے اسلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی برزخی حیات کو تسلیم نہ کرنا آیاتِ قرآنیہ کی کھلی مخالفت ہے۔

جو لوگ اِتنی واضح بات بھی سمجھنے اور تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، انھیں اپنے اِس عقیدے کا بھی اعلان کر دینا چاہیے کہ شہداے کرام کا مرتبہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے بلند ہے؛ کیوں کہ اُنھیں مردہ کہنا جائز و درست ہے، جب کہ اِنھیں مردہ گمان کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ اگر یہ نادان اِس طرح کا اعلان کر بھی دیں تو ان سے بعید نہیں؛ کیوں کہ ”خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے“۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۳) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ۠ [۱]

ترجمہ: اور آپ ان رسولوں سے پوچھیے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا، کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کچھ معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے۔

اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حبر الامہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

جب معراج کی شب حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم مسجدِ اقصیٰ تشریف لے گئے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے تمام رسولوں کو مسجدِ اقصیٰ میں جمع فرمایا۔ حضرتِ جبریل امین علیہ السلام نے اذان دے کر اقامت کہی اور حضورِ اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے عرض کی:

اے اللہ کے رسول! آگے تشریف لائیں اور اِن حضرات کی امامت فرمائیں!

جب حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نماز کی امامت سے فارغ ہوئے، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے من جانب اللہ آپ سے یوں عرض کی:

اِن رسولوں سے کہ جن کو ہم نے آپ سے پہلے مبعوث فرمایا ہے دریافت کیجیے!

تو آپ نے فرمایا میں نہیں پوچھتا؛ کیوں کہ اس سلسلے میں مجھے کوئی شک نہیں ہے۔ [۲]

اس آیتِ کریمہ سے بھی حیاتِ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر استدلال کیا

---

[۱] سورۃ الزخرف، رقم الآیۃ: ۴۵

[۲] مفاتیح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر، للامام فخر الدین محمد بن عمر الرازی، ج: ۲۷، ص: ۲۱۶

گیا ہے؛ کیوں کہ شبِ معراج حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو، حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے خطاب کرنے کا حکم کیا جانا اُن کی حیاتِ مبارکہ کا تقاضا کر رہا ہے۔ اس لیے کہ خطاب اسی سے درست ہوسکتا ہے جس کے اندر سننے کی صلاحیت ہو۔ اور سننا حیات کے بغیر ممکن نہیں۔ بے جان چیزوں سے خطاب نہیں کیا جاتا۔

چوں کہ خطاب کرنا حیات کا متقاضی ہے، لہٰذا اِس سے حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ بعد از وصال ثابت ہوئی۔ جب انبیائے کرام کی حیات ثابت ہوئی تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی حیاتِ مبارکہ بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوئی؛ کیوں کہ آپ تمام نبیوں کے امام اور وہ سب آپ کے امتی ہیں۔ یہ تو انتہائی حیرت انگیز بات ہوگی کہ امتیوں کی حیات مانی جائے اور نبی کی حیات کا انکار کر دیا جائے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

تو زندہ ہے واللہ! تو زندہ ہے واللہ! مرے! چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

کثیر احادیثِ کریمہ بھی حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی سب سے اعلیٰ برزخی جسمانی حیات بتاتی ہیں۔ چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيْهِ قُبِضَ، وَفِيْهِ النَّفْخَةُ، وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ. قَالَ: قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! كَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ؟ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ: بَلِيْتَ. قَالَ: إِنَّ اللهَ عزوجل حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ. وفی روایة: فَقَالَ: إِنَّ اللهَ جَلَّ وَعَلَا حَرَّمَ عَلَى

الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَامَنَا.[۱]

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک تمھارے دنوں میں سے جمعہ کا دن سب سے بہتر ہے۔ اِسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن اُن کی وفات ہوئی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن سخت آواز ظاہر ہوگی۔ پس اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو؛ کیوں کہ تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کی:

یا رسول اللہ! ہمارا درودِ پاک آپ کے وصال کے بعد آپ کو کیسے پیش کیا جائے گا؟ کیا آپ کا جسدِ مبارک خاک میں نہیں مل چکا ہوگا؟

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

(نہیں ایسا نہیں ہے) اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین پر انبیاے کرام علیہم السلام کے جسموں کو (کھانا یا انھیں کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانا) حرام فرما دیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ بزرگ وبرتر نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ ہمارے (یعنی انبیاے کرام علیہم السلام کے) جسموں کو کھائے۔

---

[۱] السنن، للامام ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ، رقم الحدیث: ۱۰۴۷، وکتاب الصلاۃ، باب فی الاستغفار، رقم الحدیث: ۱۵۳۱۔ السنن للامام النسائی، کتاب الجمعۃ، باب إکثار الصلاۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ، رقم الحدیث: ۱۳۷۴۔ السنن للامام ابن ماجہ، کتاب إقامۃ الصلاۃ، باب فی فضل الجمعۃ، رقم الحدیث: ۱۰۸۵۔ السنن للامام الدارمی، ج: ۱، ص: ۴۴۵، رقم الحدیث: ۱۵۷۲۔ المسند للامام احمد بن حنبل ج: ۴، ص: ۸، رقم الحدیث: ۱۶۲۰۷۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَإِنَّهُ مَشْهُودٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ. وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ يُّصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلَاتُهُ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا. قَالَ: قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ، إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ، فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ. [۱]

ترجمہ: حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، یہ یوم مشہود (یعنی میری بارگاہ میں فرشتوں کی خصوصی حاضری کا دن) ہے۔ اِس دن فرشتے (خصوصی طور پر کثرت سے میری بارگاہ میں) حاضر ہوتے ہیں، جب کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اُس کے فارغ ہونے تک اُس کا درود میرے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔

حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی:

(یارسول اللہ!) اورآپ کے وصالِ اقدس کے بعد (کیا ہوگا)؟

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

ہاں (میری ظاہری) وفات کے بعد بھی (تمھارا درود میری بارگاہ اسی طرح پیش کیا جائے گا؛ کیوں کہ) اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کے لیے حضراتِ انبیاے کرام علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ تو اللہ عزوجل کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی عطا کیا جاتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَا

---

[۱] السنن للامام ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ، رقم الحدیث: ۱۶۳۷۔ الترغیب والترہیب للامام المنذری، ج: ۲، ص: ۳۲۸، رقم الحدیث: ۲۵۸۲

مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ -[١]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اُمت میں سے جو شخص مجھے سلام کرتا ہے اللہ عزوجل اس وقت میری روح کو اس کی جانب متوجہ کرتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

مذکورہ احادیثِ مجیدہ نہ صرف حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم؛ بلکہ دیگر انبیاے کرام علیہم السلام کی برزخی زندگی کا اِس قدر صراحت کے ساتھ اعلان کر رہی ہیں کہ اس مسئلے میں نہ تو کوئی اشکال باقی رہ جاتا ہے اور نہ کسی قسم کی پوشیدگی۔ اگر کوئی مدعی اسلام اب بھی ''حیاتِ انبیا'' کو تسلیم نہ کرے اور اسے ''بریلوی عقیدہ'' کہہ کر رد کرے تو اسے اس کی بدبختی، جہالت اور ہٹ دھرمی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟۔

حضور علیہ السلام کو ''یارسول اللہ'' کہنا کیسا؟

چوں کہ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قصیدے کے پہلے شعر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو صیغۂ ندا یعنی ''یا'' کے ذریعے پکارا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جواز پر بھی مختصراً گفتگو کر لی جائے۔ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو صیغۂ ندا کے ساتھ پکارنا جس طرح آپ کی حیاتِ ظاہری میں جائز تھا، اُسی طرح بعدِ وصال بھی جائز ہے۔

---

[١] السنن للامام ابی داؤد، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور، رقم الحدیث: ٢٠٤١۔ المسند للامام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: ١٠٨٦٧۔ المعجم الاوسط للامام الطبرانی، رقم الحدیث: ٣٠٩٢۔

نبیٔ کونین جدِّ حسنین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو ان کی حیاتِ ظاہری میں پکارنے کا ثبوت اُس حدیثِ پاک میں ہے جسے حضرتِ امام مسلم علیہ الرحمہ اور دیگر محدثین نے صحابیِ رسول حضرت سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم مکہّ معظّمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے:

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ فَوْقَ الْبُیُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِی الطُّرُقِ یُنَادُوْنَ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔[۱]

ترجمہ: تو عورتیں اور مرد گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے، بچے اور غلام گلی اور کوچوں میں پھیل گئے وہ سب نعرے لگا رہے تھے، یامحمد یارسول اللہ! یامحمد یارسول اللہ!۔

اور اُس حدیثِ صحیح میں بھی "ندائے یارسول اللہ" کے جواز کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے جسے سندِ صحیح کے ساتھ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی، امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی اور امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مشہور صحابیِ رسول حضرت سیدنا عثمان بن حُنَیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

ایک نابینا صحابیِ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئے:

حضور! اللہ عزّ وجلّ سے میری شفایابی کی دعا فرمادیں! اس کی درخواست سن کر حضورِ رحمتِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[۱] الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الزھد والرقائق، باب فی حدیث الھجرۃ ویقال لہ حدیث الرحل، رقم الحدیث: ۷۷۰۷۔ الافصاح عن معانی الصحاح، للعلامۃ ابن ابی النصر الحمیدی، ج:۱، ص:۵۶۔ الجمع بین الصحیحین، للعلامۃ عبدالحق الاشبیلی، ج:۴، ص:۲۸۹

إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔

ترجمہ: اگر تم چاہو تو میں (تمھارے حق میں) دعا کر دوں اگر تم چاہو تو صبر کرو، یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔

انھوں نے کہا:

حضور! میرے حق میں دعا ہی فرمادیں!

آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ان سے فرمایا:

اچھا جاؤ! اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ وَ أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ۔ يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي لِتُقْضَى لِيَ. اَللّٰهُمَّ! شَفِّعْهُ فِيَّ۔[1]

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے رحمت والے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے وسیلے سے تیری بارگاہ کی جانب متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) **میں آپ کے وسیلے سے، اپنی حاجت کے سلسلے میں اپنے رب کی جانب متوجہ ہوتا ہوں؛ تاکہ میری حاجت پوری کردی جائے۔ اے اللہ!**

---

[1] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، کتاب الدعوات، رقم الحدیث: ۳۵۷۸۔ المعجم الکبیر، للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، ج:۹، ص:۳۱، رقم الحدیث: ۸۳۱۱۔ المسند، للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، ج:۲۸، رقم الحدیث: ۱۷۲۴۰۔ عمل الیوم واللیلۃ، للامام احمد بن شعیب النسائی، ص:۴۱۸، رقم الحدیث: ۶۶۰۔ الصحیح، للامام ابی بکر محمد بن اسحٰق ابن خزیمۃ، ج:۲، ص:۲۲۵۔ دلائل النبوۃ، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی، ج:۶، ص:۱۶۶۔ الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم، للامام احمد بن محمد بن حجر سعدی مکی ہیتمی، ص:۸۸۔ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، للامام تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی الشافعی، ص:۳۶۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما۔

یہ دعا مانگتے ہی اس صحابی کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

بخدا نہ ہم جدا ہوئے اور نہ ہمارے درمیان بہت طویل کلام ہوا حتیٰ کہ وہ صحابی بالکل صحیح وسالم ہو کر واپس آگئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کبھی نابینا ہی نہ ہوئے تھے۔

اس حدیثِ پاک میں **توسل** کا ثبوت بھی ہے اور **ندائے یارسول اللہ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا جواز بھی۔ اسے حضرتِ امامِ محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی تاریخِ کبیر میں، حضرت امام محمد بن یزید ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے اپنی سنن میں اور حضرت امام محمد بن عبد اللہ حاکم علیہ الرحمہ نے المستدرک علی الصحیحین میں، سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت امام جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین بن ابو بکر سیوطی علیہ الرحمہ نے بھی ''الجامع الکبیر'' اور ''الجامع الصغیر'' میں اسے ذکر کیا ہے۔ [۱]

منکرین کی چالبازی کا جواب:

ندائے یارسول اللہ کا انکار کرنے والے وہابی وغیر مقلدین یہ نہیں کہہ سکتے:

اِس طرح کی ندا رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی حیاتِ ظاہری میں جائز تھی اور اب جائز نہیں۔

---

[۱] التاریخ الکبیر، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، ج:۶، ص:۲۰۹۔ السنن، للامام محمد بن یزید ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ما جاء فی صلاۃ الحاجۃ، رقم الحدیث:۱۴۴۸۔ المستدرک علی الصحیحین، للامام ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشابوری، ج:۱، ص:۷۰۷۔ الجامع الصغیر، للامام جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی، رقم الحدیث:۱۲۷۹۔ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، للامام السید علی بن عبد اللہ الحسنی السمہودی، ص:۱۰۸۔

اس لیے کہ اُن کا یہ قول باطل و مردود اور نا قابل قبول ہے۔ کیوں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کے وصال فرمانے کے بعد بھی صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اِس دعا کا استعمال فرمایا ہے۔

وصالِ اقدس کے بعد حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو پکارنے کا ثبوت:

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے کہ خلیفۂ سوم، دامادِ رسول حضرتِ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص اپنی حاجت لے کر اُن کی بارگاہ میں بار بار آیا کرتا تھا۔ حضرت عثمان غنی اپنی بے پناہ دینی وملی مصروفیات کے سبب اس کی جانب توجہ کر پاتے، نہ اُس کی حاجت میں غور فرماتے۔ اس شخص نے حضرت سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کہ اس حدیث توسل وندا کے راوی ہیں) سے ذکر کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

وضو خانے جا کر اچھی طرح وضو کرو اور مسجد میں آ کر (نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ) نماز پڑھو پھر یوں دعا مانگو! اَللّٰھم إنی أسئلك الخ۔ دعا کرنے کے بعد اپنی حاجت پیش کرو!

اُس شخص نے جا کر، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق دعا مانگی، اس کے بعد دامادِ پیغمبر خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درِ پاک کے پاس آ کر ٹھہر گیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر اُسے دربارِ خلافت تک پہنچا دیا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنے پاس بٹھا کر فرمایا:

اپنی حاجت پیش کرو! اس نے اپنی حاجت پیش کی۔ حضرت نے فوراً اس کی ضرورت پوری کر دی۔

پھر اُس سے فرمایا:

تمھیں جب بھی کوئی حاجت در پیش ہوا کرے، بلا روک ٹوک چلے آیا کرو!

باہر آنے کے بعد اُس کی ملاقات حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی، اس نے کہا:

اللہ آپ پر رحم فرمائے! خلیفۃ المسلمین میری جانب توجہ نہیں فرما رہے تھے۔ اب آپ کی سفارش پر انھوں نے میری حاجت پوری کی ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔

بخدا! میں نے تمھاری سفارش بالکل نہیں کی؛ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ایک نابینا شخص نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ عالی میں آ کر، اپنی حاجت پیش کی ..... الخ۔ اس کے بعد حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے پورا قصہ سنایا۔[۱]

اس حدیثِ پاک میں، بعدِ وصال (بھی) حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو وسیلہ بنانے اور آپ کو صیغۂ ندا کے ساتھ پکارنے کا ثبوت ہے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی اور امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد ابن ابی شیبہ رحمہما اللہ عمدہ سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ

---

[۱] المعجم الکبیر، للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ج:۹، رقم الحدیث:۸۳۱۱۔ المعجم الصغیر، للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ج:۱، ص:۱۸۳/ ۱۸۴۔ دلائل النبوۃ، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی ج:۶، ص:۱۶۷/ ۱۶۸۔ الترغیب والترھیب، للامام عبد العظیم بن عبد القوی المنذری ج:۱، ص:۴۷۴۔ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، للامام السید علی بن عبد اللہ الحسنی السمھودی، ص:۱۰۸

میں لوگ قحط سالی کے شکار ہو گئے۔ صحابیِ رسول سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے روضۂ اقدس کے پاس آ کر عرض پرداز ہوئے:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَاِنَّهُمْ هَلَكُوْا۔

ترجمہ: یا رسول اللہ! بارش کی دعا کر کے اپنی (پیاسی) امت کو سیراب فرما دیں! کیوں کہ وہ ہلاکت کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم، اُن کے خواب میں تشریف لائے اور یہ بشارت دی کہ انھیں عن قریب سیراب کیا جائے گا۔

مصنف ابن ابوشیبہ اور دلائل النبوۃ میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ فَجَآءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ اِسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا. فَأُتِيَ الرَّجُلُ فِي الْمَنَامِ فَقِيْلَ لَهُ: اِيْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ وَ أَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مَسْقِيُّوْنَ وَ قُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكَيْسَ، عَلَيْكَ الْكَيْسَ. فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ۔ [۱]

ترجمہ: سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں لوگ خشک سالی میں مبتلا ہو گئے۔ تو ایک صحابی (حضرت سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ عنہ) حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی قبرِ انور پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! آپ اللہ عزوجل سے اپنی امت کی سیرابی کے لیے دعا فرما دیں؛ کیوں وہ ہلاکت کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔ اس

---

[۱] المصنف، للامام ابی بکر عبد اللہ بن محمد ابن ابی شیبۃ، ج: ۷، ص: ۴۸۲، رقم الحدیث: ۳۱۳۸۰۔ دلائل النبوۃ، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی، ج: ۷، ص: ۴۷

صحابی سے خواب میں کہا گیا: عمر کو جا کر سلام کہنا اور انھیں یہ خوش خبری سنا دینا کہ تمھیں عن قریب سیراب کیا جائے گا اور عمر سے یہ بھی کہہ دینا کہ عقل مندی اختیار کرو، عقل مندی اختیار کرو۔ اس صحابی نے حضرت عمر کے پاس آ کر انھیں باخبر کیا، یہ سن کر حضرت عمر بہت روئے اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں یوں عرض گزار ہوئے: میرے رب! میں (کسی چیز میں) کوتاہی نہیں برتتا؛ مگر یہ کہ اس سے عاجز ہو جاؤں۔

درج ذیل کتب میں بھی اس روایت کی تخریج کی گئی ہے:

- البدایہ والنھایہ، للامام عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، ج: ۷، ص: ۱۰۵
- کنز العمال، للامام علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الھندی، ج: ۸، ص: ۴۳۱، رقم الحدیث: ۲۳۵۳۵
- الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث، للامام ابی یعلی خلیل بن عبد اللہ بن احمد الخلیلی القزوینی ج: ۱، ص: ۳۱۳/۳۱۴
- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، للامام ابی عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر ج: ۲، ص: ۴۶۴۔
- فتح الباری شرح صحیح البخاری، للامام ابی الفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، ج: ۲، ص: ۴۱۲۔
- خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، للامام السید علی بن عبد اللہ الحسنی السمھودی، ص: ۱۰۹/۱۱۰۔

ایک شبہہ کا ازالہ:

یہاں خواب سے استدلال نہیں ہے؛ کیوں کہ محبوبانِ خدا کے خواب میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا تشریف لانا اگرچہ برحق ہے؛ لیکن اس سے احکامِ شرع ثابت نہیں ہوتے؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ خواب دیکھنے والے پر کلام مشتبہ ہو گیا ہو؛ بلکہ استدلال صحابیِ رسول حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کے فعل سے ہے؛ کیوں کہ ان کا رسولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے روضۂ اقدس پر آ کر "یا رسول اللہ" کہنا اور نزولِ بارش کی دعا کرنا ہی جوازِ ندا کی دلیل ہے۔

حضرتِ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وجد آفریں اشعار:

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو، بعدِ وصال پکارنے کا ثبوت اُس قصیدہ مبارکہ میں بھی ملتا ہے جو حضور کی محترم پھوپھی سیدتنا صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے آپ کی شانِ ارفع واعلیٰ میں کہا تھا۔ اُس قصیدے کے اشعار وجد آفریں ہیں، ملاحظہ فرمائیں!

أَلَا يَارَسُوْلَ اللهِ كُنْتَ رَجَاءَنَا ۔۔۔ وَكُنْتَ بِنَا بَرًّا وَلَمْ تَكُ جَافِيَا
وَ كُنْتَ رَحِيْمًا هَادِيًا وَ مُعَلِّمًا ۔۔۔ لِيَبْكِ عَلَيْكَ الْيَوْمَ مَنْ كَانَ بَاكِيَا
لَعَمْرُكَ مَا أَبْكِي النَّبِيَّ لِفَقْدِهٖ ۔۔۔ وَ لٰكِنْ لِمَا أَخْشٰى مِنَ الْهَرْجِ اٰتِيَا
كَأَنَّ عَلٰى قَلْبِيْ لِذِكْرِ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ وَمَا خِفْتُ مِنْ بَعْدِ النَّبِيِّ الْمَكَاوِيَا
أَفَاطِمُ صَلَّى اللهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ عَلٰى جَدَثٍ أَمْسٰى بِيَثْرِبَ ثَاوِيَا
فِدَاءٌ لِّرَسُوْلِ اللهِ أُمِّيْ وَ خَالَتِيْ ۔۔۔ وَ عَمِّيْ وَ اٰبَائِيْ وَ نَفْسِيْ وَ مَالِيَا
فَلَوْ أَنَّ رَبَّ النَّاسِ أَبْقٰى مُحَمَّدًا ۔۔۔ سُعِدْنَا وَ لٰكِنْ أَمْرُهٗ كَانَ مَاضِيَا
عَلَيْكَ مِنَ اللهِ السَّلَامُ تَحِيَّةً ۔۔۔ أُدْخِلْتَ جَنَّاتٍ مِّنَ الْعَدْنِ رَاضِيَا

ترجمہ: اے اللہ جل وعلا کے رسول! (علیک الصلاۃ والسلام) آپ ہمارا آسرا تھے، آپ ہم پر شفیق ومہربان تھے، سخت گیر نہ تھے۔

آپ بڑے مہربان، ہدایت دینے والے اور علم سے آراستہ کرنے والے تھے، ہر رونے والے کو آج آپ پر رونا چاہیے۔

اے مخاطب! تیری زندگی کی قسم! میں رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے وصال کی

وجہ سے نہیں ؛ بلکہ بعد میں رونما ہونے والے فتنوں کے ڈر کی وجہ سے رورہی ہوں۔

حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی یاد اور آپ کے بعد ظاہر ہونے والے واقعات کے خوف سے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ میرے دل پر داغ دینے والے گرم لوہے رکھے ہوئے ہیں۔

اے فاطمہ! میرے آقا محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب اللہ عزوجل اس قبرِ انور پر رحمتیں نازل فرمائے جو مدینۂ منورہ میں ہے۔

رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام پر میری والدہ، خالہ، ماموں، میرے آبا واجداد اور میری جان ومال فدا ہوجائے!۔

اگر سب لوگوں کا رب مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس دنیا میں ظاہری حیات کے ساتھ) باقی رہنے دیتا تو ہماری خوشیوں کا ٹھکانا نہ رہتا، مگر اس کا فیصلہ نافذ ہوکر رہتا ہے۔

آپ پر اللہ عزوجل کی جانب سے درود وسلام نازل ہو اور آپ راضی وخوشی جنت عدن میں داخل ہوں۔[۱]

نیز اسلاف کرام کی ایک بڑی جماعت نے اپنے اشعار اور قصیدوں میں تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو "یا" کے ذریعے پکارا ہے۔ یہ بھی جواز کی بڑی دلیل ہے۔ ایک اجمالی فہرست ملاحظہ فرمائیں!

حضرتِ شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرْ مِنْ وَجْهِكَ الْمُنِيْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ

---

[۱] سلوک الکمیب بوفاۃ الحبیب، للعلامہ ناصر الدین الدمشقی، ج:۱،ص:۲۰۶۔ المقتفی من سیرۃ المصطفیٰ، للعلامہ ابن حبیب الحلبی، ج:۱،ص:۲۴۳

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّهٗ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ترجمہ: اے حسن و جمال کے مالک! اور اے تمام انسانوں کے آقا و مولا! آپ کے رخِ انور ہی سے چاند کو روشنی ملی ہے۔ کماحقہ تو آپ کی تعریف وتوصیف ممکن ہی نہیں۔ بس زیادہ سے زیادہ آپ کی شانِ اقدس میں جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ خدا کے بعد ساری مخلوق سے برتر و بالا اور افضل و اعلیٰ آپ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

علامہ محمد رضا عبدالجبار العانی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو یوں پکارتے ہیں :

یَا مُنْقِذَ الْاِنْسَانِ تَاهَ مَسِیْرَهٗ   تِیْهَ السَّفِیْنَةِ مَالَهَا مَلَّاحُ

یَا خَیْرَ مَنْ وَطِیَ الثَّرٰی وَأدِیْمَهٗ   فِی الْخَافِقَیْنِ لِوَائُکُمْ لَوَّاحُ

ترجمہ: اے انسانوں کو نجات دینے والی ہستی! جو اس طرح راستہ بہک چکے تھے جس طرح ناخدا کے بغیر کشتی راستہ بہک جاتی ہے۔

اے روے زمین پر چلنے والوں میں سب سے بہتر ذات! آپ کا پرچم مشرق اور مغرب میں لہرا رہا ہے۔

مشہور مورخ علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون کہتے ہیں:

یَاسَیِّدَ الرُّسُلِ الْکِرَامِ ! ضَرَاعَةً   تَقْضِیْ مُنٰی نَفْسِیْ وَ تُذْهِبُ حُوْبِیْ

ترجمہ: اے معظم رسولوں کے سردار! میں آپ کی بارگاہ میں ایسی التجا کر رہا ہوں جو میری آرزو برلائے اور میرے گناہ ختم کردے۔

امام شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو یوں ندا کرتے ہیں :

نَبِيَّ اللهِ يَا خَيْرَ الْبَرَايَا　　بِجَاهِكَ أَتَّقِيْ فَصْلَ الْقَضَاءِ

ترجمہ: اے اللہ کے نبی! اے مخلوق میں سب سے افضل ہستی! آپ ہی کے جاہ و مرتبہ کے طفیل، میں (قیامت کے) فیصلے سے بچ سکوں گا۔

شرم اُن کو مگر نہیں آتی:

گزشتہ گفتگو اور اسلافِ کرام کے کلامِ منظوم کے اِن نمونوں سے آفتابِ نصف النہار کی طرح روشن ہو گیا کہ سلفِ صالحین اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے وقت آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو پکارا کرتے، ان کی بارگاہِ مقدس میں پناہ تلاش کرتے اور اُن سے استغاثہ کیا کرتے تھے۔

شرک و بدعت کا فتویٰ لگانے والے اہلِ دیوبند بتائیں! کہ اگر اہلِ سنت وجماعت "یارسول اللہ" کہنے کی وجہ سے بدعتی؛ بلکہ مشرک تک بن گئے، تو پھر صحابۂ کرام، تابعینِ عظام، اور سلفِ صالحین کے بارے میں کیا کہیں گے؟ کیا معاذ اللہ وہ بھی...؟ پھر تو شریعتِ اسلامیہ کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی؛ کیوں کہ نورِ ایمان اُنھی نفوسِ قدسیہ کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے۔ جب سقوطِ عدالت کی وجہ سے وہ قابلِ اعتبار ہی نہ رہے تو پھر یہ کس دین کی دعوت دی جارہی ہے اور کس مذہب میں داخل کرنے کے لیے گلی کوچوں کا چکر لگایا جارہا ہے؟۔

تعجب ہے ان احمقوں پر! کہ خود کو سنی و حنفی بھی کہتے ہیں؛ بلکہ سیدی امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حسنِ عقیدت کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے ہیں اور ان امور کو ناجائز، بدعت؛

بلکہ شرک سمجھتے ہیں جن پر حضرتِ امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل رہا ہے۔ کوئی بتائے تو سہی کہ یہ کیسی تقلید اور کس طرح کی حنفیت ہے؟

اتنا نہ بڑھا! پاکیِ داماں کی حکایت :

اور جو لوگ خود کو تقلید سے بالکل آزاد سمجھتے ہیں، مقلدین کو بدعتی اور خود کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ خود ان کے امام نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی اپنے قصیدے میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو ندا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

يَا سَيِّدِيْ يَا عُرْوَتِيْ وَ وَسِيلَتِيْ يَا عُدَّتِيْ فِيْ شِدَّتِيْ وَ رَخَاءِ
قَدْ جِئْتُ بَابَكَ ضَارِعًا مُتَضَرِّعًا مُتَأَوِّهًا بِتَنَفُّسِ صُعَدَاءِ
مَالِيْ وَرَائَكَ مُسْتَغَاثٌ فَارْحَمَنْ يَا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ بُكَائِيْ

ترجمہ : اے میرے آقا! میرا سہارا! میرا وسیلہ! بدحالی اور خوش حالی میں میرے کام آنے والے میرے مولا!

میں آپ کے درِ اقدس پر حاضر ہوں، اس حال میں کہ میں ذلیل ہوں، گڑگڑا رہا ہوں اور (شدتِ رنج وغم کے باعث) میری سانسیں پھولی ہوئی ہیں۔

آپ کے علاوہ میرا کوئی بھی فریادرس نہیں، کہ جس سے مدد مانگی جائے۔ اے رحمۃ للعالمین! میری آہ و بکا پر رحم فرمائیں!۔ (ماٰثرِ صدیقی، للشیخ صدیق حسن ج:۲، ص:۳۰/۳۱)

نام بتائے بغیر یہی اشعار نام نہاد غیر مقلدین کے سامنے پیش کیے جائیں تو ان کی کفری مشین فوراً حرکت میں آجائے گی اور انھیں کفریہ اشعار بتا کر، قائل کو فوراً دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا جائے گا؛ لیکن جب بتا دیا جائے گا کہ

جناب! یہ آپ کے نواب صاحب کے اشعار ہیں۔

تو ان کی زبانوں پر تالے لگ جائیں گے، کفر کا فتویٰ صادر کرنے کے لیے قلم کی سیاہی خشک ہو جائے گی اور صاحبِ قصیدہ کو مومن ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا جائے گا۔ یہ ہے وہابیوں کے ایمان و کفر کا دوہرا معیار۔ واللہ الهادی الی الحق والصواب۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خوش نودی رب تعالیٰ کی رضا ہے:

صاحبِ قصیدہ سیدی امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں یوں عرض کی ہے: اَرْجُوْ رِضَاکَ۔ یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام آپ کا یہ ادنیٰ غلام آپ کی خوش نودی چاہتا ہے۔ اصل مقصود اللہ عزوجل کی رضا جوئی ہے، لیکن چوں کہ خدا تبارک و تعالیٰ کی خوش نودی رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی رضا جوئی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، اس لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حضور رحمۃ للعالمین علیہ افضل الصلاۃ واکمل التسلیم کی رضا چاہی؛ تا کہ اللہ رب العالمین کی خوش نودی حاصل ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جب آپ سے بیعت کی تو اللہ عزوجل نے انھیں اپنی رضامندی کا مژدہ سنایا اور اپنے محبوب مصطفیٰ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی رضا کو اپنی خوش نودی قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔[۱]

ترجمہ: بے شک اللہ ایمان والوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

---

[۱] سورۃ الفتح، آیت نمبر: ۱۸

یہ مسئلہ اس قدر واضح ہے کہ اس پر مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہر مومن شرحِ صدر کے ساتھ اسے تسلیم کرتا ہے۔

(۳)

وَبِحَقِّ جَاهِكَ اِنَّنِي بِكَ مُغْرَمٌ	وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنَّنِي اَهْوَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ کی قدر و منزلت کی قسم! میں آپ کا سچا عاشق ہوں اور اللہ جل وعلا بخوبی جانتا ہے کہ مجھے آپ سے سچی محبت ہے۔

حلِّ لغات:

- جَاہ: قدر، شرف، بلندی، مرتبہ۔
- مُغْرَم: اسمِ مفعول از اِغرام بابِ افعال بمعنیٰ دل دادہ، عاشق، کہا جاتا ہے: أُغرِمَ بالشیء یعنی وہ اس شے کا بہت خواہش مند ہو گیا۔
- يَعْلَمُ: فعلِ مضارع معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ سمع جاننا۔
- اَهْوٰی: فعلِ مضارع معروف، صیغۂ واحد متکلم از بابِ سمع چاہنا۔ محبت کرنا۔

تشریح:

اِس شعر میں سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رسول پاک صاحبِ لولاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے اپنی والہانہ عقیدت اور سچی الفت کا اظہار فرمایا ہے؛ کیوں کہ وہ علوم وفنون کے بحرِ ناپیدا کنار ہیں، جانتے ہیں کہ الفتِ رسول ہی جانِ ایمان، اصلِ ایمان، حقیقتِ ایمان اور مومن کا سب سے بڑا سرمایۂ افتخار ہے۔ جو دل عشقِ رسول سے خالی ہو اس میں ہدایت کی شمع روشن نہیں ہو سکتی؛ بلکہ وہ ایسا

ویران گھر ہے جس میں روشنی کا نام ونشان نہ ہو۔

اسی لیے صاحبِ قصیدہ نے اپنی سوزشِ عشق کا برملا اظہار فرمایا ہے اور اپنے دعویٰ محبت میں اُس ذاتِ معظم کو گواہ بنایا ہے جو رب العالمین اور علام الغیب ہے، جو کائنات کے ذرّے ذرّے سے واقف ہے، جس کی شان یہ ہے:

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ -[۱]

ترجمہ: اور اُسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا، وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے، وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو درخت سے گرتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تر اور ہر خشک چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

اسی عشقِ حقیقی نے امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایسی بے مثال عظمت ورفعت سے سرفراز فرمایا کہ آج شرعی مسائل میں اُن کی تقلید کرنے والے آفاقِ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ چند کج رووں کے سوا ہر دل میں ان کی عقیدت کا چراغ روشن ہے اور ہر زبان ان کی تعریف میں تر ہے۔ اسی عشقِ حقیقی نے حضرت امام کو بزمِ کائنات کی رونق بنا دیا ہے۔ سرکارِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ آپ جیسی ہستیوں ہی کے بارے میں فرماتے ہیں:

کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ　　رونقِ بزمِ جہاں ہیں عاشقانِ سوختہ

---

[۱] سورۃ الانعام، رقم الآیۃ: ۵۹۔

رسول اللہ علیہ السلام کی محبت ایمان کی جان ہے :

بلاشبہ اصلِ ایمان کا حصول اس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک دل میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی محبت کا چراغ روشن نہ ہو جائے اور ایمان میں کمال اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں ۔یعنی آقائے کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے ایمانی محبت عینِ ایمان اور آپ سے سب سے زیادہ محبت کمالِ ایمان ہے۔ یہ حقیقت آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ، امام مسلم بن حجاج قشیری اور امام محمد بن یزید ابن ماجہ علیہم الرحمہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُ كُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ [۱]

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اس کے باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

سوال پیدا ہوا کہ محبت ایک غیر اختیاری امر ہے ۔انسان امرِ غیر اختیاری کا

---

[۱] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان، رقم الحدیث:۱۵۔ الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الایمان، باب محبۃ رسول اللہ، رقم الحدیث:۷۰۔ السنن، للامام محمد بن یزید ابن ماجہ، باب الایمان، رقم الحدیث:۶۷

مکلّف نہیں بنایا جاتا تو رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی محبت کا مکلف بنانا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟۔ حضرت امام یحییٰ بن شرف نووی علیہ الرحمہ نے شرحِ مسلم میں اس کا جواب اِن الفاظ میں دیا ہے:

قال الإمام أبو سليمان الخطابي :لم يرد به حبَّ الطبع بل أراد به حبَّ الاختيار. لأن حب الإنسان نفسه طبعٌ ولا سبيلَ إلى قلبه. فمعناه لا تصدق في حبي حتى تفني في طاعتي نفسك و توثر رضائي على هواك وإن كان فيه هلاكك.وقال إبن بطال والقاضي عياض رحمهما الله :المحبة ثلاثةأقسام .محبة إجلال وإعظام كمحبة الوالد.محبة شفقة و رحمة كمحبة الولد. محبة مشاكلة و استحسان كمحبة سائر الناس. فجمع ﷺ أصناف المحبةفي محبته. [۱]

ترجمہ: امام ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے محبتِ طبعی غیرِ اختیاری مراد نہیں لی؛ بلکہ محبتِ عقلی اختیاری مراد لی ہے؛ کیوں کہ انسان فطرتاً وطبعاً اپنی جان سے زیادہ محبت کرتا ہے اور اس کا اپنے دل پر قابو نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تم میری محبت میں اس وقت تک صادق نہیں ہوسکتے جب تک میری طاعت وفرماں برداری میں اپنی زندگی فنا نہ کردو اور میری رضا وخوشنودی کو اپنی خواہش پر ترجیح نہ دے دو، اگرچہ اس میں تمھاری بلاکت ہی کیوں نہ واقع ہوجائے۔

امام علی بن خلف ابن بطّال اور قاضی عیاض بن موسیٰ رحمہا اللہ نے فرمایا:

---

[۱] شرحِ مسلم، للامام یحییٰ بن شرف النووی، ص:۴۹

محبت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) محبتِ تعظیم وتکریم جیسے بچوں کا والدین سے محبت کرنا۔

(۲) محبتِ شفقت ورحمت، جیسے والدین کا اپنی اولاد سے محبت کرنا۔

(۳) محبتِ مشاکلہ واستحسان، جیسے لوگوں کا باہم محبت کرنا۔

اور حضور رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی محبت، محبت کی تینوں قسموں کو جامع ہے۔

ایک وہم کا ازالہ:

کسی کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ امام قاضی عیاض بن موسیٰ علیہ الرحمہ کا یہ کہنا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی محبت، محبت کی تینوں قسموں کو جامع ہے، صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ پہلی قسم میں محبوب کا رتبہ محب سے بلند ہوتا ہے، دوسری قسم میں محب کا درجہ محبوب سے اعلیٰ، جب کہ تیسری قسم میں دونوں، مرتبے میں تقریباً مساوی ہوتے ہیں۔ تو رسولِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے محبتِ تعظیم وتبجیل تو ہوسکتی ہے ؛لیکن محبتِ شفقت اور محبتِ مشاکلہ نہیں ہوسکتی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ محبوب یعنی آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا مرتبہ محب سے کم یا مساوی ہوجائے۔

استاذِ گرامی، سراج الفقہاء، محقق مسائلِ جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دامت برکاتہ العالیہ نے کئی سال قبل، درسِ مسلم کے دوران، اس کا جو جواب ارشاد فرمایا تھا وہ ہدیۂ قارئین ہے، آپ فرماتے ہیں:

اس کا مفہوم فقط اتنا ہے کہ ایک بچہ جتنی محبت اپنے والدین سے کرتا ہے رسولِ

پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے اس سے کہیں زیادہ کرے۔ والدین کو اپنے بچے جتنے پیارے ہوتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اس سے زیادہ محبوب ہوں۔ لوگ جن سے بھی محبت کرتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ محبت رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے کریں۔ مطلب یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی الفت ومحبت کو سب پر ترجیح دیں اور سب کی محبت کو آقاے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی محبت کے مقابلے میں مغلوب کریں!

یعنی وہ یہ اعتقاد رکھیں کہ رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کا حق ان پر ان کے والد، اولاد، اور تمام لوگوں سے زیادہ مؤکد ہے؛ کیوں کہ آپ ہی کے صدقے میں ہمیں دوزخ سے نجات اور راہِ حق کی ہدایت نصیب ہوئی۔

محبتِ رسول کی نشانیاں :

اب محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بعض علامتیں بیان کی جا رہی ہیں؛ تا کہ عاشقِ صادق ومدعیِ کاذب کے مابین خطِّ امتیاز کھنچ جائے؛ کیوں کہ بدعات ومحدثات اور فتن وخرافات کے اِس دور میں ہر کلمہ گو خود کے سچے عاشقِ رسول ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ ایک طرف تو طواغیتِ خمسہ (یعنی دیوبندی مکتبۂ فکر کے اکابرین، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی قاسم احمد نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی اسماعیل دہلوی) کو امامِ برحق، مقتداے امت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا عاشقِ صادق جان کر، ان کی کفری عبارات کو عینِ توحید سمجھ کر، ان کی نشرواشاعت کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور دوسری جانب اپنے سچے محبِّ رسول علیہ الصلاۃ والسلام ہونے کا نقارہ بھی بجاتے پھرتے ہیں، بقولِ شاعر:

كُلٌّ يَدَّعِيْ بِوَصْلِ لَيْلٰى   وَلَيْلٰى لَا تُقِرُّ لَهُمْ بِذَاكَ

ترجمہ: ہر مجنون وصالِ لیلیٰ کا مدعی ہے، حالاں کہ لیلیٰ کو اِس سے انکار ہے۔

اس لیے درج ذیل علامتیں عوام اہلِ سنت کے گوش گزار کی جارہی ہیں؛ تا کہ وہ محبت کے معیار کو سمجھ کر، اپنے دلوں میں محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم کی شمع روشن کر کے، فلاحِ دارین سے ہم کنار ہو سکیں۔

پہلی علامت: رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم سے محبت کی پہلی علامت یہ ہے کہ ہر حال میں حضور کی اطاعت و پےروی کی جائے اور ہر کیفیت میں نبوی احکام وفرمودات پر عمل کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾۔[۱]

ترجمہ: آپ کہیے! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

دوسری علامت: یہ ہے کہ رسول اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی **مطلقاً** پےروی کی جائے، حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ حکمت وعلت کی ٹوہ میں رہنے والے اپنی ناقص عقل کے پیروکار ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم کے غلام نہیں ہوتے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی اپنے آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی اطاعت کو باعثِ سعادت سمجھا کرتے تھے۔ یہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ يُدِيْرُ نَاقَتَهٗ فِيْ مَكَانٍ، فَسُئِلَ فَقَالَ: لَا اَدْرِيْ

---

[۱] سورۃ آل عمران، رقم الآیۃ: ۳۲

إِلَّا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَفْعَلُهُ فَفَعَلْتُهُ۔ [۱]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مقام پر اپنی اونٹنی کو گردش دیتے تھے، یعنی گول گول گھماتے تھے۔ ان سے اِس عمل کی حکمت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: مجھے علم نہیں؛ مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے اس لیے میں نے بھی یہ عمل کیا۔

تیسری علامت: محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات میں اگر کوئی ملعون عیب نکالے اور آپ کے کسی وصف کو ناقص بتائے تو محبت کرنے والا کسی بھی صورت اسے برداشت نہ کرے؛ **بلکہ اپنے غضب کا اظہار کرے اور جہاں تک اس کا بس چلے ناموسِ رسالت کا دفاع کرے۔** ہر زمانے میں اہلِ محبت کا یہی شعار رہا ہے۔ انھوں نے سب کچھ برداشت کرلیا؛ مگر ناموسِ رسول پر حرف آئے یہ گوارا نہ کیا۔ یہ، دینِ متین کی مقدس تعلیمات کا عظیم حصہ ہے، چناں چہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کا یہ قول مبارک نقل فرماتے ہیں:

حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔ [۲]

ترجمہ: کسی شے سے محبت تمھیں (اس کا عیب دیکھنے اور سننے سے) اندھا اور بہرا

---

[۱] الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج: ۲، ص: ۵۴۴۔ سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، للامام محمد بن یوسف الصالحی الشامی، ج: ۱۱، ص: ۴۲۷۔ شرح صحیح البخاری، للامام ابی الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی، ج: ۱، ص: ۳۲۲

[۲] السنن، للامام أبی داؤد سلیمان ابن اشعث السجستانی، کتاب الادب، باب فی الھوی، رقم الحدیث ۵۱۳۲

کر دیتی ہے۔

جب عشقِ مجازی میں محب صادق اپنے عیب دار محبوب کا عیب دیکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے، تو عشقِ حقیقی میں اس کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟

چوتھی علامت: حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے محبت کی نشانی یہ بھی ہے کہ **خوب کثرت کے ساتھ حضور کا ذکر کیا جائے۔** ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهُ.[۱]

ترجمہ: جو کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کا ذکر بھی خوب کرتا ہے۔

امامِ عشق و محبت، سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

کیجیے چرچا اُنھی کا صبح و شام　　　جانِ کافر پر قیامت کیجیے!

لہٰذا جو خوش نصیب، اپنے آقا و مولا حضور رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا جشنِ میلاد مناتے ہیں، ذکرِ رسول کی محفلیں سجاتے ہیں، صلاۃ وسلام کے نغمے گنگناتے ہیں، حضور کے اوصاف و کمالات، اخلاق و عادات، اقوال و افعال، سیرت و کردار اور فضائل و خصائل کا تذکرۂ جمیل کرتے رہتے ہیں **درحقیقت وہی سچے محبّ ہیں۔** اس کے برعکس

---

[۱] کنز العمال، للامام علاء الدین علی بن حسام الدین المتقی الہندی، ج:۱، ص:۴۲۵۔ التنویر شرح الجامع الصغیر، للعلامۃ محمد بن اسماعیل الحسنی الصنعانی، ج:۱۰، ص:۳۵۔ الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، للامام جلال الدین السیوطی، ج:۱، ص:۱۷۹

جو کم نصیب یا بدبخت آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی محافلِ ذکر سے چڑھتے، آپ کے محاسن وکمالات کے بیان سے پہلو تہی کرتے اور لوگوں کو اس سے روکتے ہیں وہ شیطانِ لعین کے نام لیوا، اس کے غلام اور اس کے مشن کو فروغ دینے والے ہیں، ہرگز ہرگز محبِّ رسول نہیں۔

پانچویں علامت: حضور سیدِ انس وجاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے سچی محبت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ محبِّ صادق اپنے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے صفاتِ محمودہ، کمالاتِ جلیلہ، فضائلِ جلیہ اور معجزاتِ باہرہ کو سن کر وجد میں آجاتا ہے اور فرحت ومسرت کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف محبتِ رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم کے جھوٹے دعوے دار جب حضور جانِ کائنات، فخرِ موجودات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات کے بے مثال کمالات اور بے نظیر محاسن ومفاخر کے بارے میں سنتے ہیں تو ان کے چہرے بے رونق ہوجاتے ہیں اور ان پر کبیدگی کے آثار غالب آجاتے ہیں۔ بقولِ امام احمد رضا خان قادری بریلوی:

ذکر روکے، فضل کاٹے، نقص کا جویار ہے   پھر کہے مَردَک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

چھٹی علامت: مختارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ذکرِ جمیل کے وقت **تعظیم وتوقیر اور خشوع وخضوع کا اظہار بھی محبت کا اولین تقاضا ہے۔** اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد اسی حقیقت کو بیان کر رہا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۔ [1]

---

[1] سورۃ الفتح، رقم الآیۃ: ۸/۹

ترجمہ : بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کے رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی تسبیح پڑھو۔

ساتویں علامت: محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ محبت کا دعویٰ کرنے والا جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا اسمِ گرامی سنے تو حضور کی بارگاہِ بے کس پناہ میں نذرانۂ عقیدت ومحبت یعنی درود وسلام کے گجرے پیش کرے۔ چناں چہ حضرت محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

مِنَ الْجَفَآءِ اَنْ اُذْكَرَ عِنْدَ رَجُلٍ فَلَا يُصَلِّيْ عَلَيَّ۔[۱]

ترجمہ: یہ بے وفائی ہے کہ کسی شخص کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم)

آٹھویں علامت: محبت کے دعوے دار کے لیے یہ بھی لازم کہ وہ اپنے دل میں اپنے محبوب، دانائے غیوب، منزہ عن العیوب جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے جمالِ جہاں آرا وحسنِ بے مثال کے دیدار کی سچی آرزو اور آپ سے ملاقات کی تڑپ رکھتا ہو؛ کیوں کہ ہر طالب ومحب اپنے مطلوب ومحبوب سے ملاقات اور اس کی زیارت کا متمنی ہوتا ہے۔ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، صحابیِ رسول حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور رحمتِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[۱] المصنف، للامام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی، ج:۲،ص:۲۱۶۔جمع الجوامع المعروف بالجامع الکبیر، للامام جلال الدین السیوطی، ج:۱۰،ص:۳۲۳

مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ حُبًّا نَاسٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ، یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ رَاٰنِیْ بِاَھْلِہٖ وَ مَالِہٖ۔ [۱]

ترجمہ: میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے میرے بعد ہوں گے۔ اُن میں سے کوئی یہ آرزو کرے گا کہ کاش وہ اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کے بدلے ہی میری زیارت کرلیتا!

لہذا جولوگ، حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے رخِ زیبا کی زیارت کی تمنا نہ رکھتے ہوں اور جن کے اندر اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ عالی میں جانے کی سچی تڑپ نہ ہو، ان کے دل محبتِ رسول کی شمع سے روشن نہیں ہیں۔

نویں علامت: حضورِ تاج دارِ عرب وعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے محبت کی ایک اہم علامت یہ ہے کہ مدعیِ محبت، حضور کے **صحابۂ کرام**، **اہل بیت عظام** اور آپ کے **دیگر محبوبوں** سے حسنِ اعتقاد رکھے، ان سے سچی محبت کرے اور تہِ دل سے ان کی تعظیم و توقیر کرے۔ اِن نفوسِ قدسیہ کی محبت کے بغیر حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وبارک وسلم کی محبت حاصل نہیں ہوسکتی۔ حضرت برا ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے انصار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

لَا یُحِبُّھُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُھُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ، مَنْ اَحَبَّھُمْ فَاَحَبَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَاَبْغَضَہُ اللّٰہُ۔ [۲]

ترجمہ: ان سے محبت وہی کرے گا جس کے دل میں ایمان ہوگا اور ان سے بغض

---

[۱] الصحیح للامام مسلم بن حجاج القشیری، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب فیمن یود رؤیۃ النبی ﷺ باھلہ ومالہ، رقم الحدیث: ۷۳۲۳

[۲] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل الانصار وقریش، رقم الحدیث: ۴۲۷۳

وہی رکھے گا جو منافق ہوگا۔جس نے ان سے محبت کی وہ اللہ عزوجل کا محبوب ہے اور جس نے ان سے نفرت کی وہ اللہ جل وعلا کا مبغوض (ناپسندیدہ) ہے۔

اہلِ بیتِ اطہار، مہاجرین کرام اور خلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں بھی اس قسم کی متعدد روایتیں موجود ہیں۔

دسویں علامت: محبتِ رسول کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی شانِ اقدس میں بدزبانی کرنے والوں سے عداوت ودشمنی رکھی جائے اور **ان سے براءت وبے زاری کا اظہار کیا جائے۔** کوئی کتنا ہی عزیز وقریب ہو، اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ کا گستاخ ہو، تو اُسے حقارت کے ساتھ اپنی زندگی سے نکال کر یوں پھینک دیا جائے جیسے دودھ سے مکھی نکال کر پھینک دی جاتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓىٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ یُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓىٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ ﴿۲۲﴾ [۱]

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھیں، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے رشتے دار

[۱] سورۃ المجادلۃ، رقم الآیۃ: ۲۲

ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور انھیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں، سنو ! بے شک اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ کی شان دار گفتگو:

حضرت امام ابو الفضل قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی علامتوں پر بہت عمدہ کلام فرمایا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کے مطالعے سے قارئینِ کرام کے دلوں میں جلنے والی محبتِ رسول کی شمع کو توانائی حاصل ہوگی اور اس کی لَو تیز ہوگی، اس لیے اس کا ترجمہ درج کیا جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں :

جان لو! جو کسی شے سے محبت کرتا ہے وہ اسے ہر شے پر ترجیح دیتا اور ہر حال میں اس کی موافقت کرتا ہے؛ ورنہ وہ اپنی محبت میں صادق نہیں ہوگا، اس کے پاس صرف دعویٰ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی محبت میں صادق وہی ہے جس میں محبت کی مندرجہ ذیل علامتیں پائی جائیں۔

(۱) رسولِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی اقتدا کرنا، سننِ مبارکہ کی پیروی کرنا، اقوال و افعال کا اتباع کرنا، احکام و فرامین کو بجا لانا، حضور کی منع کردہ چیزوں سے پرہیز کرنا، کشادگی وتنگ دستی اور خوشی و ناراضگی ہر حال میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اخلاقِ کریمہ سے آراستہ رہنا۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان شاہد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ [۱]

ترجمہ: آپ کہیے! اگر تم اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو تو میری پیروی کرو! اللہ تمھیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمھارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

(۲) حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے جس امر کا حکم دیا اور جس کی ترغیب دی اسے اپنی خواہشِ نفس پر ترجیح دینا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ [۲]

ترجمہ: اور یہ (اموال) ان لوگوں کے لیے ہیں جو دارِ ہجرت میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا چکے ہیں اور وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان مہاجروں کو دے دی گئی ہے اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں خود شدید ضرورت ہو، اور جن کو ان کے نفسوں کے بخل سے بچایا گیا سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

(۳) رضائے الٰہی کے لیے لوگوں کو ناراض کرنا۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

---

[۱] سورۃ آل عمران، رقم الآیۃ: ۳۱

[۲] سورۃ الحشر، رقم الآیۃ: ۹

مجھ سے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

اے پیارے بیٹے! اگر تم سے یہ ہو سکے کہ صبح وشام تمھارے دل میں کسی کے لیے (اپنے نفس کی خاطر) بغض نہ ہو تو ایسا کرو! یعنی اس عظیم صفت سے متصف ہو جاؤ۔ [۱]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے مجھ سے کہا:

اے پیارے بیٹے! یہ میری سنت ہے۔ جس نے میری سنت کو زندہ رکھا وہی مجھ سے محبت کرنے والا ہے اور جو مجھ سے محبت کرنے والا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ رہے گا۔

(معلوم ہوا کہ اپنی ذات کے لیے کسی سے بغض رکھنا یا کسی کو ناراض کرنا جائز نہیں، لیکن اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کسی سے نفرت کرنا اور اسے ناراض کرنا ایمان اور محبتِ رسول کی نشانی ہے)

جو اِن صفاتِ حمیدہ سے متصف ہو وہی اللہ عزوجل ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے محبت کرنے میں کامل ہے اور جو بعض اُمور میں اُن کی خلاف ورزی کرے اس کی محبت ناقص ہے؛ لیکن پھر بھی اُسے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا محبّ کہا جائے گا، اگرچہ وہ محبت میں کامل نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص کو شراب پینے کے جرم میں سزا دی گئی، کسی صحابی نے اس پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا:

اسے کتنی بار سزا کے لیے لایا جائے گا!

تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اس سے فرمایا:

اس پر لعنت مت بھیجو؛ کیوں کہ یہ اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے۔ عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم ۔ [۲]

---

[۱] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، ابواب العلم عن رسول اللہ ﷺ، باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدع، رقم الحدیث: ۲۶۷۸

[۲] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملۃ، رقم الحدیث: ۶۷۸۰

(۴) حضورِ اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کا **کثرت سے ذکر کرنا** بھی محبت کی علامتوں میں سے ہے؛ کیوں کہ جو جس سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتا ہے۔

(۵) حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم سے **ملاقات کا اشتیاق** بھی محبت کی علامتوں میں سے ہے؛ کیوں کہ ہر محب اپنے محبوب سے ملاقات کا خواہاں رہتا ہے۔ اشعریین کی حدیث میں ہے کہ جب وہ لوگ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ رجز پڑھ رہے تھے:

غَدًا نَلْقَ الْأَحِبَّهْ مُحَمَّدًا وَصَحْبَهْ

ترجمہ: ہم لوگ کل اپنے محبوبوں سے یعنی حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم اور ان کے صحابہ سے ملاقات کی سعادت حاصل کریں گے۔

(۶) جب بھی حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کا ذکرِ جمیل سنے تو **تعظیم وتوقیر کا خوب مظاہرہ** کرے اور نامِ اقدس سنتے ہی خشوع وخضوع کا اظہار کرے؛ کیوں کہ یہ بھی محبت کی علامت ہے۔

امام ابوابراہیم اسحٰق بن ابراہیم تجیبی علیہ الرحمہ نے کہا:

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کے وصال کے بعد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جب بھی حضور کا ذکر کرتے تو ان میں خشیت پیدا ہو جاتی اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور کثرت کے ساتھ گریہ وزاری کرنے لگتے۔

یہی حال بہت سے تابعین کا تھا۔ کچھ تو محبت وشوق میں ایسا کرتے اور کچھ خوف ودہشت اور تعظیم وتوقیر میں ایسا کرتے۔

(۷) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کے محبوبوں یعنی **اہل بیتِ کرام** اور **صحابۂ مہاجرین وانصار** وغیرہ سے **محبت کرنا** اور ان حضرات کے دشمنوں اور ان

سے بغض ونفرت رکھنے والوں سے عداوت رکھنا بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے محبت کی علامت ونشانی ہے؛ کیوں کہ جو جس سے محبت کرتا ہے وہ اس کے محبوبوں سے بھی محبت کرتا ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے حضراتِ حسنین کریمین کے بارے میں فرمایا:

اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما!

ایک روایت میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ایک مرتبہ صرف حضرت امام حسن علیٰ جدہ وعلیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو اس سے محبت کرنے والوں سے محبت فرما۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

جس نے اِن دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ عزوجل سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے نفرت کی اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ عزوجل سے دشمنی مول لی۔

سرورِ کائنات علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا! میرے بعد انھیں تنقید کا نشانہ نہ بنانا۔ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کرنے ہی کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ جس نے ان سے نفرت کی اس نے مجھ سے نفرت کرنے ہی کی وجہ سے ان سے نفرت کی۔ جس نے انھیں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ جل وعلا کو اذیت پہنچانے کی سعی کی اور جس نے اللہ جل وعلا کو اذیت

دینے کی کوشش کی تو عنقریب اللہ عزوجل اسے اپنی گرفت میں لے گا۔

اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرمایا:

یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو چیز اسے ناراض کرے گی وہ مجھے بھی غضب ناک کرے گی۔

اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

اس سے محبت رکھو! کیوں کہ میں اسے چاہتا ہوں۔

اور آپ علیک الصلاۃ و السلام نے یہ بھی فرمایا:

انصار سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی پہچان ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث میں ہے:

جس نے عربوں سے محبت کی اس نے میری محبت کے سبب ہی ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہی اس نے ان سے بغض رکھا۔

حقیقت یہی ہے کہ جو جس سے محبت کرے گا وہ اس سے محبت کرنے والی ہر شے سے محبت کرے گا۔

(۸) محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم سے بغض رکھنے والوں سے عداوت رکھے، سنت کی مخالفت کرنے والوں اور دین میں نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے والوں سے نفرت کرے اور خلافِ شرع ہر کام سے دور و نفور رہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ

لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ
قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ
اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ [۱]

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھیں، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے رشتے دار ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور انھیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں، سنو ! بے شک اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کے مقدس صحابہ نے آپ کی رضا جوئی کے لیے اپنے دوست و احباب کو قتل کیا اور اپنے باپ اور بیٹوں سے جنگ کی۔ حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن اُبَی بن سلول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سے عرض کی:

اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے منافق باپ کا سر قلم کر کے آپ کی بارگاہ میں پیش کر دوں!

(۹) محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ قرآنِ کریم سے سچی محبت کرے، کہ جسے حضورِ

---

[۱] سورۃ المجادلہ، رقم الآیۃ: ۲۲

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم لائے، جس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دی اور جس کے اخلاق سے آراستہ رہے، حتیٰ کہ ام المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے اخلاقِ کریمہ کے بارے میں فرمایا:

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا خلقِ کریم قرآن ہی تو تھا۔

قرآنِ مجید سے محبت یہ ہے کہ اس کی تلاوت کرے، اس کے احکام پر عمل کرے، اسے سمجھنے کی کوشش کرے اور اس کی متعین کردہ حدوں سے آگے نہ بڑھے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اللہ جل وعلا سے محبت کی علامت قرآنِ کریم سے محبت کرنا ہے۔ حبِّ قرآنِ مجید کی نشانی محبِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سے الفت رکھنا ہے۔ حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی محبت کی پہچان آپ کی سنّتِ مبارکہ کو اختیار کرنا ہے۔ سنّتِ کریمہ کو اپنانا یہ ہے کہ آخرت سے محبت رکھی جائے۔ حبِّ آخرت کی علامت بغضِ دنیا ہے اور بغضِ دنیا کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے اسی قدر لیا جائے جو آخرت کے لیے کافی ہو۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ہر شخص اپنے آپ سے صرف قرآنِ کریم سے محبت کا مطالبہ کرے؛ کیوں کہ اگر وہ قرآنِ مجید سے محبت کرنے والا ہوگا تو اللہ عزوجل ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے بھی محبت کرنے والا ہوگا۔

(۱۰) حضور رحمتِ دوعالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے محبت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ محبت کرنے والا حضور کی امت پر شفیق ومہربان ہو، اس کا خیر خواہ ہو، اس کو فائدہ پہنچانے کی کوشش اور اس کو نقصان دہ چیزوں سے بچانے کی کاوش کرتا ہو۔ جس

طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم مومنوں پر رؤوف ورحیم ہیں۔[۱]

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی محبت چوں کہ ایمان کا جزء لازم اور بندۂ مومن کا سب سے عظیم سرمایہ ہے؛اس لیے گفتگو کافی دراز ہوگئی؛لیکن ان شاء اللہ عزوجل فائدہ سے خالی نہ ہوگی۔قارئین کرام کو چاہیے کہ انھیں مشعلِ راہ بنائیں، لبادۂ عشق ومحبت اوڑھے ہوئے ایمان کے لٹیروں سے محفوظ و مامون رہیں اور اپنے اہل و عیال و دوست و احباب کو ان کے دامِ تزویر سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔رزقنا اللہ تعالیٰ حبہ الصادق ووِدادہ الخالص وجعلہ سبب نجاتنا فی الیوم الشدید۔

(۴)

أَنْتَ الَّذِيْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُؤٌ	كَلَّا وَ لَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْلَاكَا

ترجمہ: یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ ہی وہ حبیب خدا ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہرگز نہ کوئی انسان پیدا کیا جاتا اور نہ ہی مخلوق پیدا کی جاتی۔

حلِّ لغات:

❁ لولا: حرفِ تحضیض وتندیم ہے،غیر عامل ہے،لو اور لا سے مرکب ہے،''لو'' حرفِ شرط ہے جو کہ جزا کے منتفی ہونے کے سبب شرط کے منتفی ہونے پر دلالت کرتا ہے،جب اس کے بعد''لا'' آیا تو شرط کی نفی کی نفی ہوگئی جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ شرط موجود ہے۔اب ''لَوْلَا'' کا معنیٰ یہ ہوا کہ دوسرے جملے کا مضمون منتفی ہے؛ کیوں کہ پہلے

[۱] الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی ج: ۲،ص: ۲۴ تا ۲۸

جملے کا مضمون موجود ہے۔ اس شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم نہ ہوتے تو مخلوق پیدا نہ کی جاتی، لیکن خلق پیدا کی گئی تو ثابت ہوا کہ حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام آج بھی زندہ ہیں۔

جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے۔

- **کَلَّا**: حرفِ ردع ہے، یہ تنبیہ اور زجر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
- **مَاخُلِق**: فعلِ ماضی منفی مجہول، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ نصر بمعنیٰ پیدا کرنا۔

تشریح:

سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں۔ زمین و آسمان، حور وملک، شجر و حجر، برگ و ثمر، بحر و بر اور کائنات کا ذرّہ ذرہ آپ کے وسیلے اور صدقے میں آپ ہی کے نورِ اقدس سے پیدا کیا گیا ہے؛ بلکہ اگر آپ نہ ہوتے تو رب تبارک وتعالیٰ اپنی ربوبیت و خالقیت کا بھی اظہار واعلان نہ فرماتا۔ حضرتِ امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس شعر میں اسی عقیدے کو منظوم فرمایا ہے۔ اسی عقیدے کی ترجمانی کرتے ہوئے امامِ عشق ومحبت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدثِ بریلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

اور یہ بندۂ سیاہ کار عرض کرتا ہے:

زیرِ احساں آپ کے ہر غائب ومشہود ہے   آپ کا صدقہ ہے جو بھی خشک وتر موجود ہے

آپ نا ہوتے نہ ہوتا حق تعالیٰ کا ظہور   آپ نے بتلایا کہ اللہ ہی معبود ہے

یہ اہل سنت وجماعت کا موقف ہے، بزرگانِ دین اور مشائخ عظام اِس کا اعتقاد رکھتے ہیں اور احادیثِ کثیرہ، روایاتِ وافرہ، عباراتِ فقہا اور اقوالِ علما سے اِس کی تائید ہوتی ہے۔ اس عقیدے کو شرک و بدعت اور اصولِ شریعت وشانِ ربوبیت کے خلاف وہی سفہاے کور باطن سمجھتے ہیں جو عظمتِ مصطفیٰ سے باخبر ہیں نہ اصولِ شریعت سے آگاہ۔ شرک و بدعت اور موضوع وضعیف جیسے چند الفاظ رٹ کر خود کو امام المحدثین سمجھتے ہیں۔ جب بھی کوئی عبارت یا حدیث عظمتِ مصطفیٰ اور شانِ مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء بیان کرتی نظر آتی ہے تو اِنھی رٹے رٹائے الفاظ کا وِرد جاری کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ ہٹ دھرمی، کٹ حجتی اور بغض وعناد کے خوگر ہیں ہم ان سے کچھ نہیں کہنا چاہتے؛ کیوں کہ تعصب وعناد کا کوئی علاج نہیں ہے، البتہ عوام کی تسلی کے لیے چند دلائل پیش ہیں:

حضور علیہ الصلاۃ والسلام اوّلِ خلق اور وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں:

حدیثِ نوری سے ثابت ہے کہ نورِ محمدی کی تخلیق اس وقت ہو چکی تھی جب کہ وقت کی اکائیوں کا نام ونشان بھی نہ تھا، عالمِ خارج کا کوئی وجود نہ تھا اور عالمِ رنگ وبو اور کائناتِ ہست وبود کو ابھی زیورِ تخلیق سے آراستہ نہیں کیا گیا تھا۔ خالق کائنات نے جب چاہا کہ کوئی اس کے حسنِ ازلی سرمدی کا مظہر وعکاس بنے تو اس نے **نورِ محمدی کو پیدا فرمایا** اور اسی نور سے ساری کائنات کو وجود بخشا۔

احادیث وسیر کی جتنی کتابوں میں حدیثِ نوری موجود ہے سب کا مصدر ومرجع حدیث کی مشہور کتاب "مصنَّفِ عبد الرزاق" ہے۔ اس لیے سب سے پہلے حضرتِ امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پایۂ ثقاہت بیان کیا جاتا ہے؛ تا کہ آپ کی شانِ عدالت وثقاہت

کے بارے میں ائمۂ حدیث کی آرا معلوم ہو جائیں اور آپ کا معتمد علیہ ہونا ثابت ہو جائے۔

حضرت امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فنِّ حدیث اور روایتِ حدیث میں اس قدر بلند مرتبہ پر فائز ہیں کہ امام احمد بن صالح مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

قلت لأحمد ابن حنبل: أرأيت أحدًا أحسن حديثا من عبد الرزاق؟ قال: لا۔[۱]

ترجمہ: میں نے (حضرت امام) احمد بن حنبل سے پوچھا کہ کیا حدیث میں عبد الرزاق سے بڑھ کر آپ نے کسی کو دیکھا ہے؟ فرمایا: نہیں۔

اس کے بعد امام موصوف فرماتے ہیں:

حديث عبد الرزاق عن معمر أحب إليّ من حديث هؤلاء البصريين.

ترجمہ: میرے نزدیک عبد الرزاق کی حدیث بروایتِ معمر ان بصریوں کی حدیث سے زیادہ محبوب ہے۔

آپ کی رفعت وعظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ جلیل القدر امام حضرت سیدنا مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں اور امام بخاری و امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دادا استاذ ہیں۔ ایسے عظیم الشان محدث ہیں کہ حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی عظمتوں کا اعتراف اِن الفاظ میں کیا ہے:

ثقة حافظ مصنف شهير۔[۲]

ترجمہ: آپ ثقہ، حافظ، محدث اور مشہور ہیں۔

---

[۱] تہذیب التہذیب، للامام ابی الفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، ج:۶، ص:۲۷۵

[۲] تقریب التھذیب، للامام ابی الفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی ج:۱، ص:۵۰۵

اب جب کہ حضرت امام عبد الرزاق بن ہمام علیہ الرحمہ کی عظمت وشان واضح ہوگئی تو حدیثِ نوری کی تلاوت کریں اور جھومیں۔ صحابیِ رسول حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي! أَخْبِرْنِي عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللهُ تَعَالَى قَبْلَ الْأَشْيَاءِ. قَالَ: يَا جَابِرُ! إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهِ. فَجَعَلَ ذٰلِكَ النُّوْرُ يَدُوْرُ بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللهُ تَعَالَى. وَلَمْ يَكُنْ فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَ لَا قَلَمٌ وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ وَلَا مَلَكٌ وَلَا سَمَاءٌ وَلَا أَرْضٌ وَلَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا جِنِّيٌّ وَلَا إِنْسِيٌّ. فَلَمَّا أَرَادَ اللهُ تَعَالَى أَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذٰلِكَ النُّوْرَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ. فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِي اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ. ثُمَّ قَسَّمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ حَمَلَةَ الْعَرْشِ وَمِنَ الثَّانِي الْكُرْسِيَّ وَمِنَ الثَّالِثِ بَاقِيَ الْمَلٰئِكَةِ. ثُمَّ قَسَّمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ السَّمٰوٰتِ وَمِنَ الثَّانِي الْأَرَضِيْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ...

ترجمہ: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! (علیک الصلاۃ والسلام) میرے ماں باپ آپ پر قربان! بتائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے جابر! بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ پھر وہ نور مشیتِ ایزدی کے مطابق سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتے تھے نہ آسمان وزمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ کوئی

جن تھا اور نہ انسان۔ جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نور کو چار اجزا میں منقسم فرمایا۔ پہلے جز سے قلم، دوسرے جز سے لوح اور تیسرے جز سے عرش کو پیدا فرمایا۔ پھر چوتھے جز کے چار ٹکڑے کیے۔ پہلے سے حاملین عرش، دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ پھر چوتھے جز کے چار حصے کیے۔ پہلے حصے سے آسمانوں کو، دوسرے حصے سے زمینوں کو اور تیسرے حصے سے جنت و دوزخ کو پیدا فرمایا۔۔۔الخ

حضرتِ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذکر کردہ حدیثِ نوری کو مندرجہ ذیل اعلامِ عظام نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں درج فرمایا ہے:

- المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، للامام احمد بن محمد القسطلانی، ج:۱،ص:۴۶۔
- مدارج النبوۃ، للشیخ عبدالحق المحدث الدہلوی، ج:۱،ص:۱۔
- کشف الخفاء، للامام اسماعیل بن محمد العجلونی، ج:۱،ص:۳۱۱۔
- العلم النبوی، للمحدث السید محمد جعفر الکتانی، ج:۲،ص:۱۳۳۔
- شرف المصطفیٰ، للامام ابی سعد عبدالملک بن ابی عثمان محمد بن ابراہیم الخرکوشی النیشابوری، ج:۱،ص:۳۰۷۔
- السیرۃ الحلبیۃ، للامام نورالدین الحلبی، ج:۱،ص:۴۷۔
- الفتاوی الحدیثیۃ، للامام احمد بن محمد ابن حجر الہیتمی، ج:۱،ص:۴۴۔

وہابیوں کا مکروفریب:

آغازِ گفتگو میں بتایا جاچکا ہے کہ جتنے بھی مشائخ عظام نے حدیثِ نوری کی تخریج کی ہے ان سب کا مرجع و مصدر مصنفِ عبدالرزاق ہی ہے؛ لیکن مصنفِ امام عبدالرزاق

کے جو نسخے ہندوستان، پاکستان اور بیش تر عرب ممالک میں شائع و ذائع ہیں ان میں حدیثِ نوری نہیں ہے۔ اسی لیے لبنان کے بعض علماے شافعیہ اور ساری دنیا کے غیر مقلدین، پھر ان کے دامِ فریب میں آکر کچھ حنفی حضرات بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا کہیں سے کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ حدیث بالکل موضوع اور من گھڑت ہے۔ وہابیہ تو سینہ ٹھوک کر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی سنی، حدیثِ نوری کو مصنفِ عبدالرزاق کے کسی بھی نسخے میں نہیں دکھا سکتا۔

ابھی مذکور ہوا کہ انتہائی ثقہ محدثین عظام نے مصنفِ عبدالرزاق کے حوالے سے اس حدیثِ پاک کی تخریج فرمائی ہے۔ اگر انھوں نے مصنفِ عبدالرزاق میں اسے پڑھا نہ ہوتا تو ہرگز اس کی تخریج نہ فرماتے۔ ان حضرات کی طرف سے مصنف کا حوالہ پیش کیا جانا ہی اس میں اس حدیث کے موجود ہونے کی واضح دلیل ہے۔ غلطی ایک دو سے تو ہو سکتی ہے؛ لیکن اتنے حضرات سے غلطی سرزد ہو جائے اسے عقل قبول نہیں کرتی۔

اب لازمی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ حدیث مصنف سے غائب کیسے ہو گئی؟ ایک زمانے تک اربابِ علم و دانش اس کے جواب کی تلاش میں حیران و سرگرداں رہے اور طرح طرح کے جوابات دیتے رہے؛ لیکن اب حقیقت نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیا ہے، مخالفین کی علمی خیانت اور فنّی دہشت گردی طشت از بام ہو چکی ہے اور دنیا اس سوال کے صحیح جواب سے واقف ہو چکی ہے۔

وہ جواب یہ ہے کہ مصنفِ عبدالرزاق پہلے غیر مطبوعہ تھی۔ وہابی عالم حبیب الرحمن اعظمی مَؤُوِی نے بیروت جا کر سب سے پہلے اس کی اشاعت کروائی۔ انھوں نے انتہائی خبیث علمی خیانت کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ حدیثِ نوری کے ساتھ شروع کے

دس ابواب نکال دیے؛ بلکہ بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قوسین کے درمیان اپنے عقائدِ باطلہ وافکارِ زائغہ کو ثابت کرنے کے لیے حواشی تحریر کیے اور من گھڑت تاویلیں کیں۔ ساتھ ہی ساتھ اسانید میں الٹ پھیر کرنے کا سیاہ کارنامہ بھی انجام دے دیا؛ تاکہ عالمِ اسلام کو یہ باور کرایا جا سکے کہ اہلِ سنت و جماعت کے عقائد احادیثِ ضعیفہ یا موضوعہ سے ماخوذ ہیں اور ہم اہلِ حدیث غیر مقلدین کے عقائد احادیثِ صحیحہ سے ثابت ومؤید ہیں۔

اس خائن کی یہ خیانت اس وقت طشت از بام ہوئی جب یو۔اے۔ای۔ کے وزیرِ اوقاف، محققِ عصر، عظیم محدث حضرت شیخ عیسیٰ بن عبد اللہ بن محمد بن مانع حمیری نے تحقیق وجستجو کر کے مصنفِ عبد الرزاق کا ایک قلمی نسخہ حاصل کر لیا، جسے انھوں نے چند سالوں پیشتر "الجزأ المفقود من الجزأ الاول من المصنف للحافظ الكبير ابی بكر عبد الرزاق بن همام الصنعانی" کے نام سے شائع کرایا۔ [۱]

یہ نسخہ اس وقت میرے پیشِ نظر ہے۔ اس میں تقریظ، تقدیم اور تعارفِ مصنف کے بعد کتاب الایمان کے تحت کل دس ابواب مرتب کی تحقیق وتخریج کے ساتھ شامل ہیں۔ وہ دس ابواب یہ ہیں:

(۱) باب فی تخليقِ نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم [اسی باب کے تحت حدیثِ نوری کو متعدد الفاظ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے]

(۲) باب فی الوضوء

(۳) باب فی التسمية فی الوضوء

(۴) باب اذا فرغ من الوضوء

---

[۱] اس کی مزید تفصیل حقیقتِ محمدی، مطبوعہ بزمِ فیضانِ رضا ممبئی، ص: ۴۸/۴۹ سے حاصل کی جا سکتی ہے

(۵) باب فی کیفیة الوضوء

(۶) باب فی غسل اللحیة فی الوضوء

(۷) باب فی تخلیل اللحیة فی الوضوء

(۸) باب فی مسح الرأس فی الوضوء

(۹) باب فی کیفیة المسح

(۱۰) باب فی مسح الأذنین

اس نسخے میں فہرست کے ساتھ صفحات کی تعداد ۱۰۵ ہے۔ مرتب نے اپنی تحقیق میں حدیثِ نوری پر وارد کیے گئے تمام اعتراض کے پرخچے اڑا دیے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ "نور البدایات و ختم النهایات" کے نام سے تقریباً ۱۵۰ر صفحات پر محیط ایک زبردست مقالہ بھی تحریر فرمایا ہے، جس میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی اوّلیت اور نورانیّت پر انتہائی قیمتی اور مفید بحثیں کی ہیں۔ یہ کتاب لائق مطالعہ اور قابلِ استفادہ ہے۔ اس فقیر کے پاس دونوں نسخے موجود ہیں اور فقیر نے انکا ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ دار العلوم محبوبِ سبحانی کے شاہین صفت طلبہ کی بزم بزمِ فیضانِ رضا کی جانب سے حقیقتِ محمدی کے نام سے ان کی اشاعت عمل میں آچکی ہے۔

لہٰذا ان فریبیوں کے فریب میں آکر یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حدیثِ نوری مصنف عبد الرزاق میں موجود نہیں ہے۔

جلیل القدر محدث و امام ابو الفرج جمال الدین المعروف بامام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کے نور کے اول الخلق ہونے سے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آقائے

دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى خَلْقَ الْمَخْلُوْقَاتِ وَ خَفْضَ الْاَرْضِيْنَ وَ رَفْعَ السَّمَاوَاتِ قَبَضَ قَبْضَةً مِّنْ نُّوْرِهٖ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى وَ قَالَ لَهَا: كُوْنِيْ مُحَمَّدًا ﷺ فَصَارَتْ تِلْكَ الْقَبْضَةُ عَمُوْدًا مِّنْ نُّوْرٍ فَسَجَدَ وَ رَفَعَ رَاْسَهٗ وَ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ. فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: لِاَجْلِ هٰذَا خَلَقْتُكَ وَ سَمَّيْتُكَ مُحَمَّدًا. فَبِكَ اَبْدَاُ الْخَلْقَ وَ بِكَ اَخْتِمُ الرُّسُلَ. ثُمَّ اَمَرَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى جِبْرِيْلَ اَنْ يَّاْتِيَهٗ بِالطِّيْنَةِ الَّتِيْ هِيَ مِنْ نُّوْرِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَاَخَذَهَا وَ غَمَسَهَا فِيْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ فَعَرَفَتِ الْمَلَآئِكَةُ اَنَّهٗ سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَ سَيِّدُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ قَبْلَ اَنْ يُّعْرَفَ اٰدَمُ بِاَلْفِ عَامٍ. ثُمَّ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نُوْرَ مُحَمَّدٍ فِيْ جَبْهَةِ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ [۱]

جب اللہ عزوجل نے مخلوقات کو پیدا کرنے، زمین کو بچھانے اور آسمان کو بلند کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نے اپنے نور سے ایک مٹھی بھر نور لیا اور اس سے فرمایا: اے نور! تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم) کی ذاتِ اقدس میں بدل جا! تو وہ مٹھی بھر نور جلیل القدر نور کے ستون میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی ذاتِ گرامی نے سجدہ کیا اور سجدے سے سر مبارک اٹھا کر کہا: ہر طرح کی حمد اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

اللہ عزوجل نے ان سے فرمایا: میں نے اِسی لیے تمھاری تخلیق فرمائی اور تمھارا اسمِ گرامی محمد رکھا۔ میں تمھارے وسیلے سے مخلوق کو پیدا کروں گا اور تم پر تمام رسولوں کا

---

[۱] مولد العروس ﷺ، للامام ابی الفرج جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی، ص: ۲۷، تحقیق الدکتور عبد الحفیظ البقالی الغزوانی، الناشر شکیر البقالی

سلسلہ ختم کروں گا۔اس کے بعد (جب فرشتوں کی تخلیق ہوگئی تو) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اس کی بارگاہ میں وہ مٹی لائیں جو حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے نورِ اقدس میں سے ہے (تا کہ اس سے آپ کا جسدِ نوری تیار کیا جائے)۔حضرتِ جبریل علیہ السلام نے اس مٹی کو لیا اور جنت کی نہروں میں غسل دیا،تو تمام فرشتوں نے جان لیا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام ہی تمام رسولوں کے سردار اور جملہ اولین و آخرین کے سربراہ ہیں۔یہ حضرت آدم علیہ السلام کی معرفت کروانے سے ایک ہزار سال پہلے کی بات ہے۔پھر (جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور سیدِ عالَم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے نورِ مبین کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں ظاہر فرمادیا۔

امام ابن جوزی علیہ الرحمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثُمَّ اِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالٰى قَسَّمَ نُوْرَ مُحَمَّدٍ عَشَرَةَ اَقْسَامٍ ، فَخَلَقَ مِنَ الْقِسْمِ الْاَوَّلِ الْعَرْشَ وَمِنَ الثَّانِي الْكُرْسِيَّ وَمِنَ الثَّالِثِ اللَّوْحَ وَمِنَ الرَّابِعِ الْقَلَمَ وَمِنَ الْخَامِسِ الشَّمْسَ وَمِنَ السَّادِسِ الْقَمَرَ وَمِنَ السَّابِعِ الْكَوَاكِبَ وَمِنَ الثَّامِنِ نُوْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمِنَ التَّاسِعِ نُوْرَ الْقَلْبِ وَمِنَ الْعَاشِرِ رُوْحَ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ [۱]

ترجمہ: پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نورِ محمدی کو دس اجزا میں تقسیم فرمایا۔جزء اول سے عرش،جزء دوم سے کرسی،جزء سوم سے لوح،جزء چہارم سے قلم،جزء پنجم سے سورج،جزء ششم سے چاند،جزء ہفتم سے سیارے،جزء ہشتم سے مومنوں کے نور،جزء نہم سے دل کے

[۱] مولد العروس ﷺ، للامام ابی الفرج جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی،ص: ۷۷، تحقیق الدکتور عبد الحفیظ البقالی الغزوانی، الناشر شکیر البقالی

نور اور جزءِ دہم سے حضورِ اقدس محمد مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی روح کو پیدا فرمایا۔

حضرت کعب احبار اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ روایات بھی حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیثِ اولیتِ نورِ محمدی کی تائید کر رہی ہیں اور ان سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ عزوجل نے سب سے پہلے نورِ محمدی کی تخلیق فرمائی، پھر اسے چند اجزا میں تقسیم فرمایا، پھر انھی اجزا سے عرش و کرسی، لوح و قلم، شمس و قمر، زمین و آسمان، سیارگانِ فلک اور دیگر مخلوقات؛ بلکہ خود روحِ محمدی کو بھی اسی نورِ محمدی سے زیورِ تخلیق سے آراستہ فرمایا۔ سبحان اللہ۔

ایک اعتراض کا جواب:

ہوسکتا ہے کہ وہابیت و نجدیت کا جامِ لبالب پینے والے، ہمارے اس عقیدے پر ضرب لگانے کے لیے وہ حدیثِ پاک پیش کریں جو قلم کے اول الخلق ہونے پر دلالت کرتی ہے، جسے حضرت امام محمد بن عیسیٰ ترمذی علیہ الرحمہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمُ فَقَالَ: اُكْتُبْ قَالَ: مَا أَكْتُبُ؟ فَقَالَ: اُكْتُبِ الْقَدَرَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ۔ [۱]

ترجمہ: اللہ عزوجل نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ پھر اس سے فرمایا: لکھ! اس نے عرض کی: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ، جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ابد تک ہونے والا

---

[۱] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ ن، رقم الحدیث: ۳۳۱۹۔

ہے۔ جب اس حدیثِ پاک سے قلم کا اوّل الخلق ہونا ثابت ہو رہا ہے تو پھر نورِ محمدی کا اوّل الخلق ہونا کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ اوّلیت تو کسی ایک ہی کے لیے ثابت ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیثِ پاک ہرگز ہمارے موقف کے خلاف نہیں؛ بلکہ یہ تو ہمارے موقف کی تائید کر رہی ہے۔ معترضین کو اس کے الفاظ میں غور کرنا چاہیے! اللہ تبارک تعالیٰ نے قلم سے فرمایا:

أُكْتُبْ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ۔

معلوم ہوا کہ قلم سے پہلے بھی کسی چیز کی تخلیق ہو چکی تھی، جس کے احوال لکھنے کا حکم قلم کو دیا گیا تھا۔ وہ شے نورِ محمدی ہے، کہ جس کی تخلیق قلم سے بھی پہلے ہو چکی تھی۔

چناں چہ اسی حدیث کو دوسرے محدثین کرام نے ان الفاظ کے ساتھ بھی روایت کیا ہے:

لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمَ قَالَ لَهُ: أُكْتُبْ! قَالَ: وَمَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: أُكْتُبْ تَوْحِيدِيْ فِي خَلْقِي لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَكَتَبَ الْقَلَمُ مِنْ كَلَامِ اللهِ تَعَالٰى مِأَةَ أَلْفِ عَامٍ وَ سَكَنَ الْقَلَمُ. فَقَالَ اللهُ تَعَالٰى: أُكْتُبْ! فَقَالَ: يَارَبِّ وَمَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: أُكْتُبْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ. قَالَ الْقَلَمُ: وَمَا مُحَمَّدٌ الَّذِيْ قَرَنْتَ اِسْمَهُ مَعَ اِسْمِكَ؟ فَقَالَ اللهُ تَعَالٰى: تَأَدَّبْ يَا قَلَمُ! وَ عِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِيْ. فَعِنْدَ ذٰلِكَ انْشَقَّ الْقَلَمُ بِنِصْفَيْنِ مِنْ هَيْبَةِ اللهِ تَعَالٰى وَ صِفَةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ حَتّٰى صَارَ لَهُ رَجِيْفٌ كَالرَّعْدِ الْقَاصِفِ ثُمَّ كَتَبَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ. فَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ بُشِّرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِالْقُدُوْمِ عَلَيْهِ۔ [۱]

[۱] مولد العروس ﷺ، للامام ابی الفرج جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی، ص: ۷۷/۷۸، تحقیق الدکتور عبد الحفیظ البقالی الغزوانی، الناشر شکیر البقالی۔

ترجمہ: جب اللہ جل شانہ نے قلم کی تخلیق فرمائی تو اس سے ارشاد فرمایا: لکھ! قلم نے دریافت کیا: میں کیا لکھوں؟ اللہ عزوجل نے فرمایا: میری مخلوق میں میری توحید کے بارے میں لکھ! کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ چناں چہ قلم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد کو ایک ہزار سال میں لکھا، اس کے بعد قلم رک گیا۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس سے فرمایا: لکھ! اس نے کہا: اے میرے رب! اب کیا لکھوں؟ فرمایا: لکھ! محمد اللہ کے رسول ہیں۔ قلم نے دریافت کیا: یہ محمد کون ہیں، جن کے نام کو تو نے اپنے نام سے متصل فرمایا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قلم سے فرمایا: اے قلم! ادب واحترام سیکھ! مجھے میری عزت و جلال کی قسم! اگر محمد نہ ہوتے تو میں کسی بھی مخلوق کی تخلیق نہ فرماتا۔ یہ سن کر اللہ عزوجل کی ہیبت وخشیت اور حضورِ پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی صفاتِ عالیہ کے اثر سے قلم دو حصوں میں شق ہو گیا، حتیٰ کہ وہ لرزتی ہوئی بجلی کی طرح کانپنے لگا۔ پھر قلم نے لکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اللہ عزوجل کے رسول ہیں۔ لہٰذا جو مومن حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام پر درودِ پاک پڑھے گا اس کے لیے بشارت ہے کہ وہ بروزِ قیامت حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ عالی میں ضرور پہنچے گا۔

اِس سے واضح ہوا کہ حضور سرورِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی اولیت حقیقی ہے اور قلم وغیرہ کی اولیت اضافی ہے، چناں چہ امام نورالدین علی بن سلطان محمد ہروی حنفی علیہ الرحمہ مرقاۃ المفاتیح میں یوں رقم طراز ہیں:

فالأوّلية إضافية۔ الأوّل الحقيقي هو النور المحمدي ﷺ۔ [۱]

ترجمہ: قلم کی اوّلیت اضافی ہے۔ حقیقی اوّلیت تو نورِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و

[۱] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، للامام نورالدین علی بن سلطان الہروی المعروف بملا علی القاری، ج:۱، ص:۳۹

صحبہ وبارک وسلم ہی کو حاصل ہے۔

لہذا قلم کی اوّلیت نورِ محمدی کے بعد تمام اشیا پر ہے۔ نورِ محمدی کی اوّلیت سے اس کا کوئی تعارض نہیں ہے۔ اسی طرح عرش، عقل، پانی کی اولیت کے متعلق جو اقوال یا احادیث ہیں ان سب کو اضافی اوّلیت پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی ان سب کی اوّلیت مختلف اجناس کے لحاظ سے ہے اور جب لحاظ و اعتبار بدل گیا تو ہر ایک کی اولیت اپنے اپنے لحاظ سے قائم رہی۔

اور اگر بالفرض حدیثِ نوری کو صحیح نہ مانا جائے تب بھی ہمارے عقیدے پر ضرب نہیں پڑتی؛ کیوں کہ آیتِ کریمہ:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ [۱]

(ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے) بھی رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے **اول الخلق** ہونے کا اشارہ دے رہی ہے ؛ کیوں کہ اس میں رب تبارک وتعالیٰ نے آپ کو سارے عالم کے لیے رحمت بتایا ہے۔ اللہ رب العزت کی ذات وصفات کے علاوہ جو کچھ ہے اس کو عالم کہتے ہیں۔ لہذا حضور علیہ الصلاۃ والسلام بلا استثنائے شے عالمِ خلق کے ہر ہر فرد کے لیے رحمت ہیں۔ وجود بھی ایک نعمت ہے اور ہر نعمت رحمت ہے۔ تو عالم کا موجود ہونا بواسطۂ وجودِ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اصلِ ایجاد ہیں، آپ کے بغیر کوئی بھی فردِ ممکن موجود نہیں ہوسکتا۔

چوں کہ تمام عالمین اپنے وجود میں آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے محتاج ہیں اور

---

[۱] سورۃ الانبیاء، رقم الآیۃ: ۱۰۷

آپ کل کائنات کے محتاج الیہ ہیں۔ محتاج الیہ وجود میں محتاج پر مقدم ہوتا ہے؛ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اول الخلق ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اپنے نور کے فیضان سے پیدا فرمایا اور پھر ساری کائنات کو حضور کے نور سے وجود بخشا۔

اس کے علاوہ بھی متعدد آیاتِ کریمہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اول الخلق ہونے کا اشارہ دے رہی ہیں، لیکن بخوفِ طوالت انھیں ترک کیا جارہا ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہی خوب ترجمانی کی ہے، فرماتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو　　جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

مزید فرماتے ہیں:

سبب ہر سبب ، منتہائے طلب　　علتِ جملہ علت پہ لاکھوں سلام
اصل ہر بود و بہبود و تخمِ وجود　　قاسمِ کنزِ نعمت پہ لاکھوں سلام

بلبلِ شیراز حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تو اصل وجود آمدی از نخست　　دگر ہر چہ موجود شد فرعِ تست

ترجمہ: آپ اولِ خلق ہیں، مخلوق کی جڑ ہیں۔ دوسرا جو بھی موجود ہے وہ آپ کی شاخ ہے۔

(۵)

اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُوْرِكَ الْبَدْرُ اكْتَسٰی	وَ الشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُوْرِ بَهَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ ہی وہ (حبیبِ کبریا) ہیں جن کے نور سے چودھویں کے چاند نے حسن و جمال اور نور کا لباس پہنا ہے اور آفتاب آپ ہی کے نورِ حسن سے روشن و تابناک ہے۔

حلِّ لغات:

❁ نُوْر: روشنی کو کہتے ہیں اور بقولِ بعض نور اس کیفیت کا نام ہے، قوّتِ باصرہ اولاً جس کا ادراک کرتی ہے پھر اسی کے واسطے سے مُبصَرات کا ادراک کرتی ہے، جمع :اَنْوَار و نِیْرَان۔

❁ بَدْر: ماہِ کامل، چودھویں رات کا چاند، جمع: بُدُوْر۔

❁ اِکْتَسٰی: فعل ماضی معروف، صیغہ واحد مذکر غائب از اِکْتِسَاء، بابِ افتعال، کپڑے پہننا، لباس پہننا۔

❁ شَمْس: آفتاب، سورج، جمع: شُمُوْس۔

❁ بَہَا: اصل میں بہاء تھا، ہمزہ کو ضرورتِ شعری کی وجہ سے حذف کر دیا، یہ مصدر ہے، نصر، سمع اور کرم کے ابواب سے، حسین وخوبصورت ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

تشریح:

ربِّ ذوالجلال نے اپنے محبوب فخرِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو وہ حسن وجمال عطا فرمایا کہ جس طرح زبانیں اس کے اظہار و بیان سے قاصر ہیں اسی طرح قلم اس کی منظر کشی سے عاجز ہیں۔ کائنات کے ذرے ذرے نے رخِ زیبائے مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے **حسن وجمال کی بھیک مانگی** ہے۔ کونین کا سارا جمال وکمال حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے چہرۂ وَالشَّمْسِ وَالضُّحٰی کی ایک معمولی سی جھلک ہے۔

صحابیِ رسول حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا رخِ انور دیکھ کر پکار اٹھے:

وَ أَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ   وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ   كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

ترجمہ: یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ سے زیادہ حسین وجمیل میری آنکھ نے دیکھا ہی نہیں اور عورتوں نے آپ سے زیادہ حسین وجمیل بچہ جنا ہی نہیں۔ حضور! آپ ہر عیب سے منزہ پیدا کیے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق پیدا کیے گئے ہیں۔

حسان الہند حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حسنِ بے مثال کے شیدائی ہیں۔ یوں ثنا خوانی فرماتے ہیں:

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

کبھی یوں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

لم یات نظیرک فی نظر مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اور جب گوشۂ فکر میں روئے منور چمکا تو بے ساختہ پکار اٹھے۔

خامہ قدرت کا حسنِ دستکاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی حِسّی نورانیت:

اِس شعر میں صاحبِ قصیدہ نے حضور پر نور سیدِ عالَم علیہ الصلاۃ والتسلیم پر نور کا اطلاق کیا ہے، اس لیے اس مسئلے کی توضیح وتنقیح ضروری ہے کہ کیا آپ کی ذاتِ گرامی پر نور کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اہلِ سنت وجماعت کا اجماع ہے کہ ہمارے آقا سرورِ دو عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو نور کہنا صحیح و درست اور آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ کے عین مطابق ہے۔ خواہ نور سے مراد نورِ حسی ہو یا نورِ ہدایت۔

غیر مقلدین کہتے ہیں:

حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم ہادیِ عالم بن کر اِس دنیا میں مبعوث کیے گیے، اِس لیے ان کو نور بمعنیٰ نورِ ہدایت تو کہا جاسکتا؛ **لیکن چوں کہ وہ بہر حال بشر ہیں، اس لیے انھیں نور بمعنیٰ نورِ حسی نہیں کہا جاسکتا۔**

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی نورانیتِ حسّیہ کے اِن منکرین اور اُن پر نورِ حسی کے اطلاق کے عدمِ جواز کے اِن قائلین پر اپنے اِس غلط فیصلے پر نظرِ ثانی کرنا واجب وضروری ہے؛ کیوں کہ ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نورِ حسی بھی ہیں اور نورِ ہدایت بھی۔ اِس حقیقت کا اِنکار قرآن وحدیث کے انکار کے مترادف ہے۔ لہذا انھیں اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز آنا چاہیے، اِسی میں اُن کی بھلائی ہے؛ ورنہ بروزِ قیامت تو انھیں کہنا ہی پڑے گا:

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

مگر اُس وقت کافی دیر ہو چکی ہوگی، اس وقت کا اقرار سود مند ثابت نہ ہوگا، اِسی

لیے امامِ اہلِ سنت سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے زمانے میں انھی جیسے لوگوں کو یہ نصیحت کی تھی:

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

اب انتہائی مضبوط اور ٹھوس دلیلوں کی روشنی میں آقائے دو عالَم، نورِ مجسّم، فخرِ بنی آدم، سید المرسلین، خاتم النبیین، نور الاولین والآخرین سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و صحبہ وسلم کی شانِ نورانیت کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ خود بھی پڑھیں اور دوسروں تک پہنچانے کی کامیاب کوشش بھی کریں۔ انّ اللہ لا یضیعُ اجرَ المحسنین۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی نورانیت کا اعلان قرآنِ مقدس کی اس آیتِ کریمہ میں فرمایا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۙ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ [۱]

ترجمہ: بے شک آ گیا تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔ اللہ اس کے ذریعے سے سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے، جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب، دانائے غیوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم پر نور کا اطلاق فرمایا ہے۔ اکثر مفسرین کرام کی تفسیر

---

[۱] سورۃ المائدہ، رقم الآیۃ: ۱۶/۱۵

کے مطابق یہاں نور سے مراد یا تو قرآنِ کریم ہے، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی ذات گرامی ۔یعنی اُن حضرات نے آقاے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم پر نور کے اطلاق کو برقرار رکھا، کسی نے بھی تردید نہیں کی ۔بعض معتزلیوں ، جملہ غیر مقلدوں اور بعض دیوبندیوں کے سوا کوئی بھی مدعیِ ایمان اِس تفسیر سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔قارئین کرام کے اطمینانِ قلبی کے لیے چند تفسیری اقوال پیش کیے جارہے ہیں۔

(۱) امام خازن علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''لباب التاویل فی معانی التنزیل '' (تفسیر خازن) میں اس آیتِ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یَعْنِیْ مُحَمَّدًا ﷺ اِنَّمَا سَمَّاہُ اللّٰہُ نُوْرًا لِاَنَّہٗ یُهْتَدٰى بِہٖ كَمَا یُهْتَدٰى بِالنُّوْرِ فِی الظَّلَامِ۔ [۱]

ترجمہ: بے شک تمھارے پاس اللہ کا نور یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم تشریف لے آئے ۔اللہ عزوجل نے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو نور اس لیے فرمایا کہ آپ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے،جس طرح تاریکی (اندھیرے) میں نور (روشنی) سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

(۲) امام عبداللہ بن عمر قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''انوار التنزیل و اسرار التاویل''معروف بہ تفسیر بیضاوی میں اس آیتِ کریمہ کے تحت رقم طراز ہیں:

یَعْنِیْ الْقُرْآنَ فَاِنَّہُ الْكَاشِفُ لِظُلُمَاتِ الشَّكِّ وَالضَّلَالِ وَالْكِتَابُ

---

[۱] لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بتفسیر الخازن، ج: ۲،ص: ۲۴

اَلْوَاضِحُ الْاِعْجَازُ. وَقِيْلَ: يُرِيْدُ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدًا ﷺ۔

ترجمہ: نور سے مراد قرآنِ مجید ہے؛ کیوں کہ یہ شک وضلالت کے اندھیروں کو مٹانے والی ایسی مقدس کتاب ہے جس کی شانِ اعجاز بالکل ظاہر ہے۔ مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے کہ آیتِ کریمہ میں نور سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم ہیں۔

(۳) امام ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "مدارك التنزيل وحقائق التاويل" میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

يُرِيْدُ الْقُرْآنَ لِكَشْفِهٖ ظُلُمَاتِ الشِّرْكِ وَالشَّكِّ وَ لِاِبَانَتِهٖ مَا كَانَ خَافِيًا عَلَى النَّاسِ مِنَ الْحَقِّ أَوْ لِأَنَّهٗ ظَاهِرُ الْاِعْجَازِ أَوِ النُّوْرُ مُحَمَّدٌ ﷺ لِأَنَّهٗ يُهْتَدٰى بِهٖ كَمَا سُمِّيَ سِرَاجًا۔

ترجمہ: نور سے مراد قرآنِ مقدس ہے؛ کیوں کہ یہ شرک وشک کی تاریکیوں (اندھیروں) کو دور کرتا ہے اور تمام لوگوں پر مخفی (پوشیدہ) حق کو واضح کرتا ہے یا اس وجہ سے (قرآن مجید کو نور کہا گیا) کہ اس کا معجز ہونا بالکل ظاہر ہے۔ یا پھر نور سے حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے؛ کیوں کہ نور سے (انسانوں کو) ہدایت نصیب ہوتی ہے، جیسا کہ آپ کو سراج کہا گیا (کیوں کہ اس سے لوگوں کو روشنی نصیب ہوتی ہے)۔

(۴) جلال الملۃ والدین حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "تفسیر الجلالین" میں اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں کہتے ہیں:

هُوَ النَّبِيُّ ﷺ۔

ترجمہ: آیت کریمہ میں نور سے مراد ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم ہیں۔

(۵) حضرت امام احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "حاشیة الصاوی علی تفسیر الجلالین" میں فرماتے ہیں:

سُمِّیَ نُوْرًا، لِاَنَّهٗ یُنَوِّرُ الْبَصَآئِرَ وَ یَهْدِیْهَا لِلرَّشَادِ وَ لِاَنَّهٗ اَصْلُ کُلِّ نُوْرٍ حِسِّیٍّ وَ مَعْنَوِیٍّ۔

ترجمہ: حضور پرنور شافعِ یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کو نور اس لیے فرمایا گیا کہ آپ بصیرتوں (دیکھنے کی باطنی قوتوں) کو روشن کرتے اور (سب کو) ہدایت دیتے ہیں ، اور حضور کو نور کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ ہر حسی اور معنوی نور کی اصل و بنیاد ہیں۔

(۶) ممدوحِ مصطفیٰ، حبر الاُمّۃ، سند المفسرین صحابیِ رسول حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی نور سے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد لی ہے، فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ رَسُوْلٌ یَعْنِیْ مُحَمَّدٌ ﷺ۔

ترجمہ: بے شک تمھارے پاس اللہ کا نور یعنی رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم تشریف لے آئے۔[۱]

(۷) سید المفسرین امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "مفاتیح الغیب" (تفسیر کبیر) میں اِس آیتِ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

وَفِیْهِ اَقْوَالٌ: اَلْاَوَّلُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدٌ وَ بِالْکِتَابِ الْقُرْاٰنُ ۔ وَالثَّانِیْ اَنَّ الْمُرَادَ بِالنُّوْرِ الْاِسْلَامُ وَ بِالْکِتَابِ الْقُرْاٰنُ ۔ اَلثَّالِثُ اَلنُّوْرُ وَالْکِتَابُ هُوَ الْقُرْاٰنُ ، وَهٰذَا ضَعِیْفٌ لِاَنَّ الْعَطْفَ یُوْجِبُ الْمُغَایَرَةَ بَیْنَ

---

[۱] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ص: ۸۵

الْمَعْطُوْفِ وَالْمَعْطُوْفِ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: اور (نور سے کیا مراد ہے) اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم ہیں اور کتاب سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ دوسرا قول یہ ہے نور سے مراد اسلام اور کتاب سے مراد قرآنِ کریم ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآنِ حکیم ہے؛ لیکن یہ (تیسرا قول) ضعیف (کمزور) ہے؛ کیوں کہ (حرفِ) عطف (و) معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت (جدائگی) ثابت کرتا ہے۔ (لہٰذا نور اور کتاب سے مراد دو الگ الگ چیزیں ہوں گی، نہ کہ ایک)

(۸) امام ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید ابن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "جامع البیان فی تفسیر القرآن" (تفسیر طبری) میں فرماتے ہیں:

يَعْنِيْ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدًا، اَلَّذِيْ أَنَارَ اللّٰهُ بِهِ الْحَقَّ وَ أَظْهَرَ بِهِ الْإِسْلَامَ وَ مَحَقَ بِهِ الشِّرْكَ فَهُوَ نُوْرٌ لِّمَنِ اسْتَنَارَ بِهٖ يُبَيِّنُ الْحَقَّ وَ مِنْ إِنَارَتِهِ الْحَقَّ تَبْيِيْنُهٗ لِلْيَهُوْدِ كَثِيْرًا مِّمَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ۔

ترجمہ: آیتِ کریمہ میں نور سے مراد حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم ہیں، جن کے ذریعے اللہ عزوجل نے حق کو روشن کیا، اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور شرک کو ملیا میٹ کیا؛ لہٰذا آپ ہر اس شخص کے لیے نور ہیں جس نے آپ سے روشنی حاصل کی۔ آپ (ہر معاملے میں) حق کو واضح فرماتے ہیں۔ آپ کے حق کو روشن کرنے کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے یہودیوں کے سامنے توریت کے بہت سے ایسے حقائق واضح فرمائے جنھیں وہ چھپایا کرتے تھے۔

(۹) غیر مقلدین کے مرجع شیخ بدر الدین ابوعلی محمد بن علی بن محمد شوکانی المعروف بقاضی

شوکانی نے ''فتح القدیر'' میں، اِس آیتِ کریمہ کے تحت لکھا ہے:

جُمْلَةٌ مُسْتَأْنِفَةٌ مُشْتَمِلَةٌ عَلٰى بَيَانِ اَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَدْ تَضَمَّنَتْ بِعْثَتُهٗ فَوَائِدَ غَيْرَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ مُجَرَّدِ الْبَيَانِ ۔ قَالَ الزَّجَّاجُ: اَلنُّوْرُ مُحَمَّدٌ ﷺ وَ قِيْلَ: اَلْاِسْلَامُ وَالْكِتَابُ الْمُبِيْنُ اَلْقُرْآنُ فَاِنَّهُ الْمُبِيْنُ ۔

ترجمہ: یہ ایک الگ مستقل جملہ ہے جو کہ اس بیان پر مشتمل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی بعثت (یعنی آپ کا نبی بن کر دنیا میں تشریف لانا) متعدد فوائد (مختلف نفع بخش چیزوں) کو شامل ہے جو اُن کے علاوہ ہیں جن کا ماقبل میں اجمالاً ذکر ہوا ہے۔ امام زجّاج نے کہا کہ نور سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ نور سے مراد اسلام ہے اور کتابِ مبین سے مراد قرآن ہے؛ کیوں کہ قرآن ہی (ہر شے کو) روشن وواضح کرنے والا ہے۔

(۱۰) غیر مقلدوں کے امام و مقتدیٰ نواب صدیق حسن خان قنوجی نے ''فتح البیان فی تفسیر القرآن'' میں، زیرِ بحث آیتِ کریمہ کی تفسیر میں، مِن وعَن وہی الفاظ لکھے ہیں جو قاضی شوکانی نے فتح القدیر میں کہے ہیں۔

(۱۱) امام ابومحمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر قرآن ''معالم التنزیل'' (تفسیرِ بغوی) میں، اِس آیتِ حکیمہ کے تحت کہتے ہیں:

قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ ۔ يَعْنِيْ: مُحَمَّدٌ ﷺ وَقِيْلَ: اَلْاِسْلَامُ ۔

ترجمہ: آیتِ کریمہ میں نور سے مراد حضرت سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم ہیں، ایک قولِ ضعیف یہ ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے۔

مذکورہ کتبِ تفاسیر کی روشن شہادتوں سے واضح ہوا کہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۵

میں نور سے مراد آقائے کریم حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم ہیں اور آپ کی ذاتِ گرامی پر ''نور'' کا اطلاق کرنا تعلیماتِ قرآن کے عین مطابق ہے۔ جو لوگ اِس مسئلے میں تشدد کا شکار ہیں انھیں اپنے نظریے پر نظرِ ثانی کر لینی چاہیے۔

فخر المحدثین حضرت شیخ عیسیٰ بن عبد اللہ بن محمد بن مانع حمیری حفظہ اللہ تعالیٰ و رعاہ اپنی کتاب ''نور البدایات وختم النهایات'' میں فرماتے ہیں :

علامہ ابن ناصر الدین نے بطریق ابن الربیع سلیمان بن داؤد العتکی الزہرانی عن یعقوب القمی عن جعفر بن ابی المغیرۃ عن شمر بن عطیۃ بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے درج ذیل آیتِ کریمہ کی تفسیر پوچھی :

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ۔ [۱]

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسے طاق کی طرح ہے جس میں چراغ ہو، وہ چراغ ایک فانوس میں ہو، وہ فانوس ایک روشن ستارے کے مانند ہو، وہ چراغ ایک برکت والے زیتون کے درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے، وہ (درخت) نہ مشرقی ہے نہ مغربی، عن قریب اس کا تیل خود ہی بھڑک اٹھے گا خواہ اسے آگ نہ چھوئے، وہ نور بالائے نور ہے۔

---

[۱] سورۃ النور، رقم الآیۃ: ۳۵

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر کچھ اس طرح بیان فرمائی:

(اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ) اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور یعنی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی مثال ایسے ہے جیسے مشکاۃ۔ مشکاۃ چراغ کو کہتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نورِ محمدی کو مشکاۃ سے تشبیہ دی ہے۔ (كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۔ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۔ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ) اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے سینۂ مبارک کو چمکتے ستارے سے تشبیہ دی۔

پھر مصباح یعنی قلب کی جانب رجوع کیا اور فرمایا۔ (يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ) یعنی اس کو نہ مشرقی دھوپ پہنچتی ہے اور نہ مغربی۔

(يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ) اس زیت سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کا نور ہے یعنی آپ اپنے صفائے جوہر اور مقدس ذات میں اس قدر کامل تھے کہ اگر (بالفرض) آپ پر وحی کا نزول نہ بھی ہوتا تب بھی آپ میں یہی کمالات ہوتے آپ اسی طرح نیکی کی ہدایت دیتے رہتے اور آپ کی یہی پاکیزہ صفات ہوتیں اور (اگر بالفرض) آپ پر قرآنِ مجید نہ بھی نازل ہوتا تب بھی آپ کی نبوت لوگوں پر آشکارا (ظاہر) ہو جاتی اور آپ پر قرآن کا نازل ہو جانا نور علی نور اور نور بالائے نور ہے۔

ہیثم بن جمیل نے بروایت یعقوب قمی اس کی متابعت کی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر اس حدیث میں بھی آئی ہے جسے ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی نے بطریق بکر بن سہل عن عبد الغنی بن سعید عن موسیٰ بن عبد الرحمٰن عن ابن جریج عن

عطا روایت کیا ہے، کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:
(اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) یعنی اللہ آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والا ہے، یہاں پر کلام ختم ہو گیا۔ پھر اللہ عزّوجلّ نے ازسرِ نو فرمایا (مَثَلُ نُوْرِهٖ) یعنی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم جس وقت اپنے والد حضرتِ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلب (پشت) میں تھے تو اس وقت ان کا نور اس مشکاۃ کی طرح تھا جس میں چراغ ہو (حبشی زبان میں مشکاۃ اس طاق کو کہتے ہیں جس میں کوئی سوراخ نہ ہو) مصباح سے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا قلب (دل) مراد ہے، آپ کے قلبِ مبارک کو نورِ ایمان اور نبوت وحکمت سے روشن اور تاباں ہونے میں چراغ سے تشبیہ دی۔

پھر دوبارہ مصباح کا ذکر فرمایا اور کہا: (اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ) زجاجۃ سے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کا سینۂ پاک مراد ہے، یعنی نظافت وطہارت اور حسن و جمال میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کا سینۂ مبارک شیشہ کے مانند ہے ۔ پھر زجاجۃ کا ذکر فرمایا اور کہا: (كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ) یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا سینۂ مبارک صفائی و پاکیزگی میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے روشن ستارہ۔ كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ سے زہرہ ستارہ مراد ہے اور آسمان میں اس سے زیادہ روشن کوئی ستارہ نہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح زہرہ زمین والوں کے لیے روشنی بکھیرتا ہے اسی طرح حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا دل آپ کے سینہ میں روشن و تابان ہے۔ پھر فرمایا: (یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ) یعنی نورِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے نورِ ابراہیم علیہ السلام سے روشنی حاصل کی؛ کیوں کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ہیں، آپ ان کے دین اور ان کے طریقے پر ہیں۔

یہ تفسیر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی منقول ہے، چناں چہ ابو الشیخ نے بطریق عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حبان بن علی بن اسحٰق بن ابراہیم الضبی عن الحسن الصباح عن علی بن ثابت عن الوازع بن نافع عن سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہم روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:

مشکوٰۃ سے مراد رسول پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا جوف (شکم / پیٹ) ہے۔ **زجاجۃ** سے قلب اور **مصباح** سے وہ نور مراد ہے جو آپ کے قلب میں ہے اور (**یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ**) میں **شجرۃ** سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں۔ [۱]

اسی لیے سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی آیت کریمہ کی تفسیر اپنے اس شعر میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شمع دل مشکاۃ تن سینہ زُجاجہ نور کا   تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

اب یہاں نور سے نورِ حسی مراد ہے یا نورِ ہدایت۔ تو علماے اہلِ سنت وجماعت فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے **نورِ ہدایت** اور **نورِ عقلی** ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، سب تسلیم کرتے ہیں۔ اختلاف آپ کے نورِ حسی ہونے میں ہے۔ اہلِ سنت کہتے ہیں کہ آیتِ کریمہ میں آپ کو مطلقاً نور کہا گیا ہے، لہٰذا مطلق کو اس کے اطلاق پر رکھا جائے گا۔ اس لیے **آپ نورِ ہدایت بھی ہیں اور نورِ حسی بھی؛** کیوں کہ متعدد احادیثِ مبارکہ وآثارِ کریمہ حضور کے **نورِ حسی** ہونے پر بھی دلالت کر رہی ہیں۔ چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں!

---

[۱] ترجمہ از عربی نور البدایات وختم النہایات، ص: ۲۱ / ۲۲

(۱) حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم اکثر وبیشتر یوں دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَسَارِیْ نُوْرًا وَ فَوْقِیْ نُوْرًا وَتَحْتِیْ نُوْرًا وَ اَمَامِیْ نُوْرًا وَ خَلْفِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا ۔[۱]

ترجمہ: اے اللہ! تو میرے دل میں نور کر دے، میری نگاہوں میں نور بھر دے، میرے کان کو نور سے معمور فرما دے اور میرے دائیں بائیں، آگے پیچھے اور اوپر نیچے نور (ہی نور) کر دے اور تو مجھے سراپا نور بنا دے۔

اس حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے اپنے لیے جس نور کی دعا کی اس سے مراد نورِ حسی ہے، یعنی اے اللہ! تو میرے لیے ایسا نور پیدا کر دے جس سے ہر قسم کی تاریکیاں چھٹ جائیں، اندھیرے روشنیوں میں تبدیل ہو جائیں اور وہ نور میرے صحابہ، تابعین اور ان تمام لوگوں کو حاصل ہو جو میری پیروی کرنے والے ہیں۔

اس حدیثِ پاک کا سب سے بہترین مفہوم وہ ہے جو بعض محدثین نے بیان فرمایا ہے، یعنی اے اللہ! تو میرے دل کو وہ نور عطا فرما جس سے تمام معلوماتِ عالم (دنیا کی وہ تمام اشیا جن سے علم کا تعلق ہو سکے) مجھ پر منکشف (ظاہر) ہو جائیں، آنکھ کو ایسا نور دے جس سے جملہ مبصَرات (وہ تمام چیزیں جن کا مشاہدہ کیا جانا ممکن ہو) سے پردے ہٹ جائیں اور از شرق تا غرب (پورب سے پچھم تک) کوئی بھی چیز مجھ پر مخفی (پوشیدہ) نہ رہے اور کانوں میں

[۱] الصحیح للامام محمد بن اسماعیل البخاری، ج: ۲، ص: ۹۳۵۔۹۳۴۔ الصحیح للامام مسلم بن حجاج القشیری، ج: ۱، ص: ۲۶۱/۲۶۰

ایسا نور پیدا فرمادے کہ وہ جملہ مسموعات (ہر وہ شے جس کو سننا ممکن ہو) کا مظہر بن جائیں اور اعضا میں ایسا نور ظاہر فرمادے کہ ان سے ہر وقت تیری عبادتیں صادر ہوں اور وہ تیری معرفت وعبادات کے انوار سے روشن وتابناک ہو اٹھیں۔

(۲) حضرت امام عبد الرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سند کے ساتھ، حضرت عبد الملک بن عبد العزیز ابن جریج اموی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں:

كَانَ الْبَرَاءُ يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ بَحْرِ اَنْوَارِكَ وَمَعْدِنِ اَسْرَارِكَ۔ [۱]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر وبیشتر یہ درود پاک پڑھا کرتے تھے۔ اے اللہ! تو ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم اور ان کی مقدس آل پر رحمتیں نازل فرما! جو تیرے انوار کا سمندر اور تیرے اسرار کا سرچشمہ ہیں۔

(۳) امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سند کے ساتھ، شاگردِ مولائے کائنات کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حضرت امامِ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: جو شخص کثرت کے ساتھ یہ درود پاک: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مَنْ تَفَتَّقَتْ مِنْ نُوْرِهٖ الْاَزْهَارُ۔ (ترجمہ: اے اللہ! اپنے اس محبوب پر درود وسلام کی بارش نازل فرما جن کے نور کے طفیل پھول کھلتے ہیں) پڑھتا ہے تو اس کے چہرے کی رونق بڑھ جاتی ہے۔ [۲]

(۴) امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ عمل نقل فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ یہ درود پاک پڑھا کرتے تھے:

---

[۱] الجزأ المفقود من الجزأ الاول من المصنف، للامام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی۔ رقم الحدیث: ۱۰، ص: ۵۹

[۲] الجزأ المفقود من الجزأ الاول من المصنف۔ رقم الحدیث: ۱۱، ص: ۵۹

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ السَّابِقِ لِلْخَلْقِ نُوْرُہٗ ۔[۱]

ترجمہ: اے اللہ! ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم پر درود نازل فرما کہ **جن کا نور مخلوق میں سب سے پہلے پیدا کیا گیا۔**

(۵) امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت یحییٰ ابن ابوزائدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَوْنٍ قَالَ: عَلَّمَنِیْ شَیْخِیْ أَنْ أَقُوْلَ لَیْلًا وَّ نَهَارًا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مَنْ خَلَقْتَ مِنْ نُوْرِہٖ کُلَّ شَیْءٍ۔[۲]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عون بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے شیخ نے یہ تعلیم دی کہ میں صبح و شام یہ درود پڑھتا رہوں۔ اے اللہ اس ذات گرامی پر رحمتیں نازل فرما! **جن کے نور سے تو نے ہر شے کو پیدا فرمایا ہے۔**

(۶) حضرتِ امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت سالم بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ: رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ بِعَیْنَیَّ هَاتَیْنِ وَ کَانَ نُوْرًا کُلَّهٗ بَلْ نُوْرًا مِّنْ نُوْرِ اللّٰهِ مَنْ رَآهُ بَدِیْهَةً هَابَهٗ وَمَنْ رَآهُ مِرَارًا اِسْتَحَبَّهٗ أَشَدَّ اسْتِحْبَابٍ۔[۳]

ترجمہ: انھوں نے فرمایا: میں نے اپنی اِن آنکھوں سے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا دیدار کیا، وہ سراپا نور تھے، بلکہ نور من نور اللہ تھے۔ جو انھیں اچانک

---

[۱] المصدر السابق ص: ۵۹

[۲] المصدر السابق ص: ۶۲

[۳] المصدر السابق، ص: ۶۳

دیکھتا، مرعوب ہو جاتا اور جو انھیں بار بار دیکھتا، اُن پر شیدا ہو جاتا۔

(۷) حضرتِ امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سند کے ساتھ صحابی رسول حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللهُ تَعَالٰى؟ فَقَالَ: هُوَ نُوْرُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ! خَلَقَهُ اللهُ ثُمَّ خَلَقَ فِيْهِ كُلَّ خَيْرٍ وَ خَلَقَ بَعْدَهُ كُلَّ شَيْءٍ... اَلْحَدِيْث. [۱]

ترجمہ: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے کس مخلوق کو پیدا فرمایا؟ آپ نے (فوراً) ارشاد فرمایا: اے جابر! سب سے پہلے اللہ عزوجل نے تیرے نبی کے (یعنی میرے) نور کو پیدا فرمایا، پھر اس میں ہر خیر کو پیدا فرمایا اور اس کے بعد ہر شے کو وجود بخشا۔

اِن تمام آثار و احادیث میں ہمارے آقا ومولیٰ پاک صاحبِ لولاک حضرتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ثابت ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو نورِ حسی کا حصۂ وافر عطا فرما کر دنیا میں مبعوث فرمایا ہے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی نورانیت کا علی الاطلاق انکار کرنے والا انتہائی احمق اور راہِ حق سے ہٹا ہوا ہے، جس طرح حضور کے نورِ حسی سے منہ موڑنے والا نہایت جاہل اور راہِ مستقیم سے بہکا ہوا ہے۔

امام اہلِ سنت سرکارِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا ہی خوب فرماتے ہیں:

---

[۱] المصدر السابق، ص: ۶۳، رقم الحدیث: ۱۸

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالا نور کا
نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

رسول اللہ ﷺ کا حسنِ بے مثال:

حضور شاہِ خوباں، سرورِ سروراں، امامِ انبیا حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اللہ ربُّ العزت نے حسنِ کل عطا فرمایا ہے۔ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام اور ساری کائنات کا حسن آپ کے حسنِ بے مثال کی فقط ایک جھلک ہے۔ جس نے بھی آپ کو دیکھا محوِ حیرت ہو کر شمس وقمر کی تابانیوں کو بھول گیا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِي لَيْلَةٍ إِضْحِيَانٍ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَإِلَى الْقَمَرِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ.

چاندنی رات تھی اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے جسمِ اقدس پر سرخ دھاری دار یمنی چادریں تھیں۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا کبھی حضور علیہ السلام کے چہرۂ انور کو ”فَإِذَا هُوَ أَحْسَنُ عِنْدِيْ مِنَ الْقَمَرِ“ بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام **چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔** [۱]

انھی جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا: کیا حضور رحمتِ دوجہاں صلی

---

[۱] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی الرخصۃ فی لبس الحمرۃ للرجال، رقم الحدیث: ۳۰۴۱

اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا چہرۂ اقدس تلوار کی طرح چمک دار تھا؟ فرمایا:

لَا بَلْ كَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ۔ [۱]

ترجمہ: نہیں بلکہ آپ کا چہرۂ مبارک تو آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن تھا۔

اُم المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَ اَنْوَرَهُمْ لَوْنًا لَمْ يَصِفْهُ وَاصِفٌ قَطُّ إِلَّا شَبَّهَ وَجْهَهُ بِالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَكَانَ عَرَقُهُ فِي وَجْهِهِ مِثْلَ اللُّؤْلُؤِ۔ [۲]

ترجمہ: حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا چہرۂ اقدس سب سے حسین اور آپ کا رنگ سب سے منور تھا۔ جو بھی آپ کی تعریف کرتا وہ آپ کے چہرۂ مبارک کو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دیتا اور آپ کے چہرۂ منور پر پسینے کی بوندیں موتیوں کی طرح معلوم ہوتی تھیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا سُرَّ اِسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْقَمَرِ، وَ كُنَّا نَعْرِفُ ذٰلِكَ مِنْهُ۔ [۳]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم مسکراتے تھے تو آپ کا چہرۂ مبارک اس طرح روشن ہوتا کہ (دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا کہ) گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی اِس صفتِ کریمہ سے ہم صحابہ

---

[۱] مشکاۃ المصابیح، للامام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی، ص: ۵۱۵

[۲] المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، للامام احمد بن محمد القسطلانی، ج: ۲، ص: ۲۲۵

[۳] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۵۶

بخوبی واقف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کے چہیتے صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آقا ومولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے رخِ انور کی تعریف وتوصیف میں یوں رطب اللسان ہیں۔

لَوْلَمْ یَکُنْ فِیْهِ اٰیَاتٌ مُّبَیِّنَةٌ   کَانَتْ بَدِیْهَتُهٗ تُنْبِیْكَ بِالْخَبَرِ

ترجمہ: اگر حضورِ اکرم، نورِ مجسم، نبیِٔ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے وجودِ مبارک میں وحیِ الٰہی، معجزات اور دیگر دلائلِ نبوت نہ بھی ہوتے تو بھی اے مخاطب! ان کا رخِ روشن ہی دلیلِ نبوت کے لیے کافی ہوتا۔[۱]

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے محض تقریبِ فہم کے لیے شمس وقمر کے نور اور ان کے حسن وجمال سے آپ کے نور اور حسن وجمال کو تشبیہ دی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے حسن وجمال میں زمین وآسمان سے زیادہ فرق ہے۔ آفتاب وماہتاب کی چمک دمک، حسن وجمال اور خوبی وکمال سب پیغمبرِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے حسن وجمال کا صدقہ اور آپ ہی کے نور کا پرتو ہے۔

حضرت سیدنا امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مہِ کامل نے آپ ہی کے نور سے لباسِ نوری پہن رکھا ہے اور آفتاب آپ ہی کے چہرۂ جمال سے روشن وتابناک ہے۔ شمس وقمر کے نور پر نور کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے نہ کہ حقیقتاً۔

یہ جو مہر وماہ پہ اطلاق آتا نور کا   بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

---

[۱] المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، للامام احمد بن محمد القسطلانی، ج:۲، ص:۷۲

(۶،۷)

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا رُفِعْتَ اِلَی السَّمَاءِ	بِكَ قَدْ سَمَتْ وَتَزَیَّنَتْ لِسُرَاکَا
اَنْتَ الَّذِیْ نَادَاکَ رَبُّكَ مَرْحَبًا	وَلَقَدْ دَعَاكَ لِقُرْبِهٖ وَحَبَاکَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ ہی وہ (حبیب یزداں) ہیں کہ جب آپ کو (شبِ معراج) آسمان پر بلند کیا گیا تو آپ ہی کے صدقے میں اُسے بلندی اور آپ ہی کی سیاحت کے طفیل اُسے زینت حاصل ہوئی۔

یا حبیب اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ ہی وہ (محبوب) ہیں جن کو رب تبارک وتعالیٰ نے مرحبا کہہ کر پکارا اور اپنے قریب بلا کر بے حساب نعمتوں سے نوازا۔

حلِّ لغات:

❁ لَمَّا: کلمۂ شرط ہے، فعلِ ماضی کے ساتھ خاص ہے اور ایسے دو جملوں پر داخل ہوتا ہے جن میں سے ثانی کا وجود اول پر موقوف ہو۔

❁ رُفِعْتَ: فعلِ ماضی مجہول، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ فتح بمعنی اٹھانا، بلند کرنا۔ ❁ سَمَتْ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مؤنث غائب از سما یسمو، بابِ نصر بمعنی بلند ہونا۔ آسمان کو سماء اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ بلند ہے۔ اسی مناسبت سے ہر بلند چیز مثلاً بادل اور چھت کو سماء کہہ دیا جاتا ہے۔

❁ تَزَیَّنَتْ: بابِ تَفَعُّل سے فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مؤنث غائب، اس کا مصدر ''تَزَیُّن'' آراستہ ہونا اور زینت پانے کے معنی میں آتا ہے۔

❁ نَادٰی: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ مفاعلۃ بمعنی بلانا، ندا کرنا۔

مَرْحَبًا: مسافر یا مہمان کی آمد پر خوش ہو کر کہا جاتا ہے: مَرْحَبًا بِكَ یعنی خوش آمدید، آپ نے کشادگی پائی، ہم آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں، اس لیے خوش ہو جاؤ وحشت محسوس نہ کرو۔ یہ ان مصادر میں سے ہے جن کے عوامل کو وجوباً حذف کر دیا جاتا ہے۔

حَبَا: یہ بابِ نصر سے فعل ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب ہے۔ یہ باختلافِ صلات مختلف معانی رکھتا ہے، مثلاً قریب ہونا، السَّفِيْنَةُ جاری ہونا، الشَّيْءُ پیش آنا، كَذَا اوبِكَذَا بغیر کسی بدلے کے دینا۔ پہلا معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور آخری معنی بھی۔ ترجمے میں اسی آخری معنی کو ترجیح دی گئی ہے۔

تشریح:

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ و صحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ مقدس میں گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! جب شب معراج آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو اس مبارک و مسعود سفر کی برکت سے انھیں رفعت و بلندی اور زینت و خوب صورتی حاصل ہو گئی اور اس شب اسرا آپ کو دیدارِ الٰہی کا وہ کمال حاصل ہوا جو مخلوق کی عقلوں سے ماورا ہے۔ آپ کو اللہ ربُّ العزت کا وہ قرب حاصل ہوا جسے قلم لکھ سکتا ہے نہ زبان بیان کر سکتی ہے۔ اس مبارک سفر میں ربِّ کائنات عزوجل نے آپ کو ایسے کمالات وخصائص سے نوازا جو جملہ فضائل ومحامد سے بڑھ کر ہیں۔

اس مبارک سفر میں حضور سرورِ کائنات علیہ الصلاۃ والسلام، جنت و دوزخ، عرش و کرسی، لوح وقلم اور تمام آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے جہاں تک سید الملائکہ حضرتِ جبریل امین علیہ السلام بھی نہیں پہنچ سکے۔ اور پھر آپ نے ماتھے کی نگاہوں سے اُس

حسنِ ازلی کا دیدار کیا جس کی ایک جھلک پانے کے لیے انبیاے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلاۃ والسلام، اولیاے مکرّمین و ملائکہ مقربین؛ بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ ترستا رہا؛ لیکن ربِّ کائنات جل وعلا کو منظور نہ ہوا کہ اس کے محبوب کے سوا کوئی اور اِس دنیا کی فانی نگاہوں سے اس کے حسنِ ازلی کا دیدار کر سکے۔ سبحان اللہ۔

سفرِ معراج کے سلسلے میں اسلامی عقیدہ :

سفرِ معراج حق ہے۔ نفسِ معراج کا ذکر اِس آیتِ کریمہ میں ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○[۱]

ترجمہ: ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندے کو رات کے ایک قلیل وقفے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا، جس کے ارد گرد کو ہم نے برکتیں دی ہیں؛ تاکہ ہم اس (عبدِ مکرم) کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے۔

اور آسمانوں تک کا سفر احادیثِ کثیرہ مشہورہ سے ثابت ہے اور ما فوق السماء (آسمانوں کے اوپر) کا سفر اخبارِ آحاد کی دلالت سے واضح ہے۔ **نفسِ معراج کا منکر کافر ہے** اور مذکورہ تفصیل کے مطابق معراج کا انکار کرنے والا **بدعتی اور ضالّ و مضلّ ہے۔**

حضرت علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح العقائد میں فرماتے ہیں:

وهو من المسجد الحرام إلى بيت المقدس قطعي ثبت بالكتاب

---

[۱] سورۂ بنی اسرائیل، رقم الآیۃ: ۱

والمعراج من الأرض إلى السماء مشهور ومن السماء إلى الجنة أو إلى العرش أو غير ذلك آحاد۔ [۱]

ترجمہ: بیت الحرام سے مسجد اقصیٰ تک جانا قرآنِ مقدس سے ثابت ہے اور زمین سے آسمان تک کی سیر پر احادیثِ مشہورہ دلالت کر رہی ہیں اور آسمان سے جنت یا عرش یا اس سے بھی آگے تک کا سفر اخبارِ آحاد سے ثابت ہے۔

دیدارِ الٰہی کا ثبوت:

چوں کہ ہم اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ شبِ معراج میں ہمارے آقا حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اپنے ماتھے کی نگاہوں سے رب تبارک وتعالیٰ کے حسنِ ازلی کا دیدار فرمایا، اس لیے دیدارِ الٰہی سے متعلق چند احادیثِ کریمہ پیش کی جارہی ہیں:

✪ حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے، صحابیِ رسول حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، سفرِ معراج کی طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں ہے:

حَتّٰى جَاءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰى حَتّٰى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ [۲]

ترجمہ: یہاں تک کہ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر آئے اور جبارِ ربُّ العزت آپ سے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا یہاں تک کہ وہ

[۱] شرح العقائد، للعلامۃ مسعود بن عمر التفتازانی، ص: ۱۰۵

[۲] الصحیح للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب التوحید، باب قولہ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما، رقم الحدیث: ۷۵۱۷

آپ سے دو کمانوں کی مقدار رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک۔

حضرت امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ: قُلْتُ لِاَبِيْ ذَرٍّ: لَوْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَسَئَلْتُهٗ۔ فَقَالَ: عَنْ اَيِّ شَيْءٍ؟ قَالَ: كُنْتُ اَسْئَلُهٗ: هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ: سَئَلْتُ فَقَالَ: رَاَيْتُ نُوْرًا۔ [۱]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن شقیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

اگر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو دیکھتا تو ضرور پوچھتا۔

انھوں نے کہا: کیا پوچھتے؟ میں نے کہا:

میں یہ پوچھتا کہ کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

میں نے یہ سوال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے کیا تھا تو آپ نے فرمایا: میں نے (دیدار الٰہی کا شرف حاصل کیا ہے، میں نے) دیکھا کہ وہ نور ہی نور تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں:

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رَاَيْتُ رَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔ [۲]

ترجمہ: حضرتِ عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرتِ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ

---

[۲] الصحیح للامام مسلم بن حجاج القشیری، کتاب الایمان، باب فی قولہ علیہ السلام نورانی اراہ، رقم الحدیث: ۱۷۸

[۲] المسند للامام احمد بن حنبل، ومن مسند بنی ہاشم، مسند عبد اللہ بن عباس، رقم الحدیث: ۲۵۸۰

عنہما سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے رب اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار کیا۔

حضرت قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ذَكَرَ اِبْنُ اِسْحَاقَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَرْسَلَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما يَسْئَلُهُ هَلْ رَاى مُحَمَّدٌ ﷺ رَبَّهُ فَقَالَ: نَعَمْ۔[۱]

ترجمہ: (آٹھویں صدی کے مستند امام سیر ومغازی) امام محمد بن اسحاق بن یسار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس یہ پوچھنے کے لیے ایک شخص کو بھیجا کہ کیا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟۔ انھوں نے جواب دیا، ہاں۔

حضرت امام قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أنا اقول بحديث ابن عباس، بعينه رأى ربه رآه رآه حتى انقطع نفسه۔[۲]

ترجمہ: میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث کی روشنی میں کہتا ہوں کہ حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بات کو اس وقت تک دہراتے رہے جب تک ان کی سانس ٹوٹ نہ گئی۔

---

[۱] الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰ للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱، ص:۳۸۶

[۲] الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰ للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱، ص:۳۸۰

مذکورہ دلائل کے علاوہ اور بھی بہت سی روایاتِ معتبرہ واحادیثِ کریمہ ہیں، جن سے آفتابِ نصف النہار کی طرح واضح ہوتا ہے کہ شب معراج رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے رب تبارک وتعالیٰ کا دیدار کیا۔ نفس دیدارِ الٰہی میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں اس سلسلے میں اختلاف تھا کہ یہ دیدار دل کی نگاہوں سے ہوا تھا یا ماتھے کی نگاہوں سے۔ تفصیل اس موضوع پر لکھی گئی بڑی بڑی کتابوں میں ہے، یہاں اس کا موقع نہیں۔

ایک علمی اعتراض:

احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ معراج کی رات، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم خدائے ذوالجلال کے قریب ہوئے اور خدا آپ سے قریب ہوا۔ قریب وبعید ہونا اجسام کا خاصّہ ہے۔ اس سے تو معاذاللہ رب تبارک وتعالیٰ کا مجسّم (جسم والا) ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ مجسّم ہونا ممکن ہونے کو مستلزم ہے اور جو ممکن ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔

اس کا جواب:

ماضی قریب کے مایۂ ناز محدث ومفسر حضرت علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت امام قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے رقم فرماتے ہیں: قرآن مجید اور احادیثِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف جو قرب کا اسناد کیا گیا ہے یا اس کے قریب ہونے کا معنیٰ بیان کیا گیا ہے یہ مکان اور نہایت کا قرب نہیں جیسا کہ ہم نے حضرت امام جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے کہ قرب کی کوئی حد نہیں ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اللہ کے نزدیک ہونے کا معنیٰ یہ ہے

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے عظیم مرتبہ اور مقام کو ظاہر کیا اور آپ کی معرفت کے انوار کو چمکایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے غیب اور اپنی قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کرایا اور اللہ تعالیٰ جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے قریب ہوا تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے آپ کی ثنائے جمیل کی، آپ سے زیادہ اُنس کا اظہار کیا اور آپ سے بہت خوش ہوا اور آپ پر بہت احسان، اکرام اور انعام فرمایا۔ [۱]

علمِ ماکان ومایکون:

اہلِ سنت و جماعت کا اعتقاد ہے کہ جو ہو چکا اور قیامت تک جو کچھ ہوگا، ہمارے آقا حضور سرورِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اللہ عزوجل کی عطا سے سب کچھ جانتے ہیں۔ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے والدِ ماجد، افضل الافاضل امثل الاماثل حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی بے نظیر تفسیر ''الکلام الأوضح فی تفسیرِ الم نشرح'' میں واقعاتِ معراج کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

پروردگارِ تقدس وتعالیٰ نے اس وقت اپنے حبیب کو علم ملک وملکوت اور اسرارِ جبروت ولاہوت سے مطلع فرمایا ''فأوحی إلی عبدہ ما أوحی''۔ لکھا ہے کہ جب آپ عرش سے بڑھے، ہیبت سے زبان میں لکنت پیدا ہوگئی۔ اس وقت پروردگار نے دستِ قدرت اپنا آپ کے شانوں کے بیچ رکھا، اس کے رکھنے سے علمِ اولین وآخرین آپ کو حاصل ہوا اور ایک روایتِ مرفوع میں آیا کہ جب میں مقامِ جلال وہیبت میں پہنچا، خوف میرے دل پر غالب ہوا، ناگاہ ایک قطرہ عرش سے ٹپکا، میں نے نوش کیا کوئی چیز اس سے

[۱] شرح صحیح مسلم، للعلامہ غلام رسول السعیدی، ج:۱، ص:۶۹۶

شیریں نہ چکھی، بجز دنوش فرمانے کے اگلوں پچھلوں کا علم مجھ کو حاصل ہوا۔ [۱]

اِس قسم کی دیگر روایتیں بھی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب حضور پر نور سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو عالمِ رؤیا (خواب) میں اپنا دیدار کرایا اور آپ کے سینۂ مبارک پہ اپنا دستِ قدرت پھیر کر آپ کو علمِ ما کان و ما یکون (ماضی، حال اور مستقبل سب کا علم) عطا فرمایا اور آپ کے سینۂ مبارک کو ایسا خزینۂ علم ومعرفت بنادیا جس میں اَسرارِ الٰہی، معارفِ ربّانی اور علوم وحکمت کے ہزار در ہزار اور بے حد و بے شمار چشمے ابل رہے ہیں، جن کو یا تو وہ جانیں یا اُن کا خالق ومالک مولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ جانے۔

حضرت عبداللہ بنِ عباس، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین روایت کرتے ہیں کہ حضورِ فخرِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

رَاَیْتُ رَبِّیْ عَزَّ وَ جَلَّ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ. قَالَ: فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی؟ قُلْتُ: اَنْتَ اَعْلَمُ. قَالَ: فَوَضَعَ کَفَّهٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُّ بَرْدَ هَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. [۲]

ترجمہ: میں نے اپنے رب عزوجل کو (خواب میں اپنی) سب سے خوب صورت شکل میں دیکھا۔ رب عزوجل نے فرمایا: اے محمد! مقرّب فرشتے کس سلسلے میں بحث کر رہے

---

[۱] الکلام الاوضح فی تفسیر سورۃ الم نشرح، للعلامۃ المفتی نقی علی خان البریلوی، ص: ۳۷۹

[۲] الجامع للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۳۲۳۳/۳۲۳۵۔
السنن للامام ابی محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، ومن کتاب الرؤیا، باب فی رؤیۃ الرب تعالیٰ فی النوم، رقم الحدیث: ۲۱۹۵

ہیں؟ میں نے عرض کی: مولا! تو ہی بہتر جانتا ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: پھر میرے رب عزوجل نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس (کے ذریعے حاصل ہونے والے فیض) کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان محسوس کی۔ پس مجھے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا علم حاصل ہو گیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اس طرح ہے:

فَتَجَلّٰى لِیْ كُلُّ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ۔ [۱]

ترجمہ: جب رب تبارک وتعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا تو ہر شے میرے لیے روشن ہو گئی اور میں نے ہر شے کو پہچان بھی لیا۔

امام الہند حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیثِ پاک کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دانستم ہر چہ در آسمان وہر چہ در زمین بود عبارت است از حصول تمام علوم جزوی وکلی واحاطۂ آں۔ [۲]

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے فرمانِ مبارک جو کچھ آسمان وزمین میں ہے میں نے جان لیا کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے کلی وجزئی تمام علوم حاصل کر لیے اور ان سب کا احاطہ کر لیا۔

ان روشن اور مضبوط دلیلوں سے واضح ہوا کہ خالق کائنات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے محبوب حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو شبِ معراج ہر علمِ کلی و

---

[۱] جامع الاحادیث، للامام جلال الدین السیوطی، ج:۶، ص: ۳۰۴۔

[۲] اشعۃ اللمعات شرح المشکاۃ، للشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی، ج:۱، ص: ۳۳۳۔

جزئی سے آگاہ فرما دیا۔ یہی حق اور عشاقِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا عقیدۂ برحق ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ اللھم ثبت قلوبنا علی ھذہ العقیدۃ الصحیحۃ النقیۃ۔

(۸)

اَنْتَ الَّذِیْ فِیْنَا سَئَلْتَ شَفَاعَۃً	لَبَّاکَ رَبُّکَ لَمْ تَکُنْ لِسِوَاکَا

ترجمہ: آپ ہی وہ ہستی ہیں کہ جب آپ نے بارگاہِ خداوندی میں ہماری شفاعت کی درخواست کی تو آپ کے رب نے اسے قبول فرمالیا اور یہ شفاعت (کبریٰ) کسی اور کے لیے نہیں۔ (یا شفاعت کی ایسی شان کسی اور کو نہ ملی)

حلِّ لغات:

- سَئَلْتَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ فتح، مانگنا، سوال کرنا، درخواست کرنا۔
- شَفَاعَت: مصدر از بابِ فتح، سفارش کرنا۔
- لَبّٰی: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ تفعیل، جواب دینا، لبیک کہنا۔

تشریح:

آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں ہم اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن جب کہ تمام اوّلین وآخرین جمع ہوں گے، نفسی نفسی کا عالم ہوگا، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا، سورج انتہائی قریبی فاصلے سے آگ کے شعلے برسا رہا ہوگا، زمین تپ رہی ہوگی، لوگ اپنے پسینوں میں ڈبکیاں لگا رہے ہوں گے، گناہ گاروں کی سیاہ کاریاں سامنے ہوں گی، ان کے کلیجے پھٹ رہے ہوں گے، دل خوف ودہشت سے لرز

رہے ہوں گے، قہرِ خدا کی خوف ناک چنگاریوں کے سامنے کسی کو بھی مجالِ دم زدن نہ ہوگی۔
اس وقت شافعِ یوم نشور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی وہ بے مثال عزت افزائیاں ہوں گی جنھیں زبان بیان کرسکتی ہے نہ قلم سپردِ قرطاس کرسکتا ہے۔
ان میں سب سے بڑی عزت افزائی یہ ہوگی کہ رب تبارک وتعالیٰ حضور کو بابِ شفاعت وا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائے گا، چناں چہ ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سجدہ ریز ہوکر اپنے گناہ گار امتیوں کو دوزخ سے نجات کا پروانہ عطا فرمائیں گے اور پریشان حالوں کی دست گیری فرما کر ان کی پریشانیوں کا ازالہ فرمائیں گے۔

رسوائے زمانہ کتاب تقویۃ الایمان کی نجاست:

وہابیوں کے گم راہ کن، باطل اور فاسد عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ہے:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو بروزِ قیامت شفاعتِ عامہ حاصل نہ ہوگی؛ بلکہ انھیں شفاعتِ خاصہ حاصل ہوگی۔ یعنی قیامت میں جن کی شفاعت کا اذن ہوگا خاص انھی کی شفاعت کریں گے۔ ان کے علاوہ دوسروں کی شفاعت نہ کریں گے۔

امام الوہابیہ شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب تقویۃ الایمان (الشہیر لدی العلماء بتفویۃ الایمان) میں یہی عقیدہ بیان کیا ہے اور اسے شفاعت بالاذن سے موسوم کیا ہے اور کہا ہے کہ قرآنِ مقدس میں جس نبی یا ولی کی شفاعت کا ذکر ہے اس سے یہی مراد ہے اور شفاعت بالوجاہت وشفاعت بالمحبت کو شرکِ قطعی قرار دیا ہے۔

تقویۃ الایمان میں شفاعت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے یوں بکواس کی گئی ہے:

''یہاں ایک بات انتہائی کام کی ہے، اس کو یاد رکھا جائے کہ عوام انبیا اور اولیا کی شفاعت پر نازاں ہیں اور شفاعت کے غلط معنی سمجھ کر اللہ کو بھول گئے ہیں۔ درحقیقت

شفاعت کے معنی سفارش کے ہیں۔ دنیا میں سفارش کی کئی صورتیں ہیں: مثلاً بادشاہ کی نگاہ میں چور کی چوری ثابت ہو جائے اور کوئی امیر یا وزیر اس کی سفارش کر کے سزا سے بچالے۔ بادشاہ تو چور کو سزا ہی دینا چاہتا تھا، جیسا کہ آئینِ حکومت ہے، مگر امیر سے دب کر اسے چھوڑ دیتا ہے؛ کیوں کہ امیر رکنِ سلطنت ہے اور اس کی وجہ سے سلطنت میں دن رات ترقی ہو رہی ہے۔ بادشاہ یہ خیال کر کے کہ اس امیر کو ناراض نہیں کرنا چاہیے، ورنہ حکومت کے نظم و نسق میں گڑبڑ پیدا ہو جائے گی اور غصے کو پی جانا عین مناسب ہے، چور کو معاف فرما دیتا ہے۔ اس قسم کی سفارش کو **شفاعتِ وجاہت کہا جاتا ہے،** یعنی امیر کی جاہ و عزت کی وجہ سے اس کی بات مانی گئی۔ خدا کے یہاں شفاعتِ وجاہت قطعی طور پر ناممکن ہے۔ جو شخص کسی غیر اللہ کو اس **قسم کا شفیع مان لے وہ قطعی مشرک ہے اور بڑا جاہل ہے۔**'' [۱]

چند سطروں کے بعد یوں گل کھلائے گئے ہیں:

''سفارش کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شاہ زادہ، بیگم یا بادشاہ کا محبوب کھڑا ہو جائے اور چور کو سزا نہ دینے دے۔ بادشاہ اس کی محبت کی وجہ سے اسے ناراض نہ کرنا چاہے اور چور کو معاف فرما دے، اس کی سفارش کو **شفاعتِ محبت** کہا جاتا ہے۔ بادشاہ اس کی محبت سے مجبور ہو کر اس خیال سے، کہ محبوب کی ناراضگی سے خود مجھے تکلیف پہنچے گی، محبوب کی بات مان لی۔ خدا کے دربار میں یہ بات بھی ناممکن ہے۔ **اگر کوئی کسی نبی یا ولی کو اس قسم کا شفیع سمجھے وہ بھی پکا مشرک اور نرا جاہل ہے۔**'' [۲]

آیاتِ قرآنیہ کے رموز و اسرار سے ناواقف، ان کے معارف و دقائق سے جاہل

---

[۱] تقویۃ الایمان، از اسماعیل دہلوی، ص: ۴۳، مطبوعہ دار الکتاب دیوبند یوپی

[۲] المصدر السابق، ص: ۴۴، مطبوعہ دار الکتب دیوبند، یوپی

اور مفسرین کرام کے تفسیری نکات سے نا آشنا، محض لفظی ترجمہ کرنے والے اِن احمقوں نے آیاتِ فرقانیہ سے دلیل پیش کرتے ہوئے، ان میں موجود کلمہ "اذن" سے دھوکا کھا کر، خواہشاتِ نفس کی خوب پے روی کی ہے اور اپنی مرضی کے مطابق اعتقادات گھڑے ہیں۔ جو من کو بھا گیا اس کے عاشق اور دلدادہ ہو گئے اگر چہ اس کا باطل و مردود ہونا دلائلِ ساطعہ سے ثابت ہو اور نفس نے جسے ناپسند کیا اس سے متنفر ہو گئے اگر چہ اس کے ثبوت پر براہینِ قاطعہ موجود ہوں۔

یہ نادان کہتے ہیں:

"شفاعت اجازتِ خداوندی پر موقوف ہے اور اجازت کوئی امرِ ضروری نہیں؛ کیوں کہ رب پر کسی کو بالادستی حاصل نہیں کہ جبراً اجازت حاصل کر لے۔ لہٰذا اجازت امرِ محتمل ٹھہری۔ ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ لہٰذا شفاعت ضروری نہیں۔ جس فردِ خاص کو شفاعت کا اذن ملے گا وہی شفاعت کرے گا، دوسرا نہیں۔ وہ جس کو چاہے گا اپنے حکم سے تمھارا شفیع بنا دے گا۔ جس طرح تم اپنی ہر حاجت اسی کو سونپتے ہو اسی طرح یہ حاجت بھی اسی کو سونپ دو کہ وہ جسے چاہے تمھارا شفیع بنا کر کھڑا کر دے۔ کسی کی حمایت پر کبھی بھی بھروسہ مت کرو۔" [۱]

ان لوگوں کا یہ عقیدہ آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ شریفہ اور علماے سلف و خلف کی تصریحات کے خلاف ہے؛ لہٰذا ہرگز لائقِ اعتنا نہیں۔ ان کی مُستَدَلّ بِہٖ آیتوں (کہ جن میں لفظِ اذن موجود ہے) کا مطلب وہ نہیں جو انھوں نے بیان کیا؛ بلکہ ان کا معنیٰ و مفہوم یہ ہے کہ جن مومنوں کے لیے دنیا میں اذنِ شفاعت ثابت نہیں، بروزِ قیامت ان کی شفاعت

---

[۱] تقویۃ الایمان، از اسماعیل دہلوی، ص: ۴۵، مطبوعہ دار الکتب دیوبند، یوپی۔ ملتقطاً)

امر موہوم، ظنی، موقوف بر اذنِ خدا ہوگی۔ اذن ہوگا تو شفاعت کریں گے ورنہ نہیں۔

اور جو آیتیں شفاعت کی بالکلیہ نفی کر رہی ہیں وہ ان لوگوں کے رد میں ہیں جو بتوں کی شفاعت پر نازاں اور اپنے کافر بزرگوں کی شفاعت پر فرحاں تھے، ان کے توسل سے اخروی مواخذے سے محفوظ رہنے کا خیالِ فاسد رکھتے تھے؛ لہٰذا ان کے خیالِ باطل کا رد کیا گیا کہ تم جس شفاعت پر پھول رہے اور فخر کرتے ہو اس پر مت اتراؤ! کیوں کہ بروزِ قیامت کسی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ شفاعت اسی کی مقبول ہوگی جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ اجازت دے گا اور تمھارے معبود انِ باطلہ خود جہنم کا ایندھن ہیں، انھیں شفاعت کی اجازت کیوں کر دی جاسکتی ہے؟

اور جہاں تک حضور فخرِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی عزت و وجاہت کا معاملہ ہے تو انھیں اسی دنیا میں نہ صرف یہ کہ شفاعت کا اذن ملا ہے؛ بلکہ قبولیتِ شفاعت کی بشارت بھی مل چکی ہے۔

اب شفاعت کی قسموں پر روشنی ڈالی جارہی ہے اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت فراہم کیا جائے گا۔

شفاعت کی قسمیں:

حضرت امام یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) شفاعتِ کبریٰ عامہ: یہ شفاعت قیامت کی ہولناکی سے نجات دینے اور حساب میں جلدی کرنے کے لیے ہوگی۔ یہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے

ساتھ خاص ہے۔

(۲) وہ شفاعت جو ایک بڑی جماعت کو بلا حساب و کتاب جنت میں داخل کرانے کے لیے ہوگی: یہ شفاعت بھی ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

(۳) تیسری شفاعت وہ ہے جو ان لوگوں کے لیے ہوگی جن پر جہنم واجب ہو چکی ہو گی :انھیں یا تو آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی سفارش سے بخشا جائے گا یا رب تبارک وتعالیٰ بغیر شفاعت کے، محض اپنے رحم وکرم سے بخش دے گا۔

(۴) شفاعت کی چوتھی قسم وہ ہے جو ان گناہ گار امتیوں کے لیے ہوگی جو اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں داخل ہو چکے ہوں گے۔

(۵) شفاعت کی پانچویں قسم وہ ہے جو اہلِ جنت کے رفع درجات کے لیے ہوگی۔[۱]

آیاتِ کریمہ سے شفاعت کا ثبوت:

(۱) وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَ اسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ۝ [۲]

ترجمہ: اور ہم نے رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور (اے محبوب!) جب یہ اپنی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آتے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ

---

[۱] شرح مسلم، للامام یحییٰ بن شرف النووی، ج:۱، ص:۱۰۴

[۲] سورۃ النساء، رقم الآیۃ: ۶۴

ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا پاتے۔

(۲) فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ۝۱۹-[۱]

ترجمہ: پس آپ یاد رکھیے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور آپ اپنے بظاہر خلافِ اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجیے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے (بھی استغفار کیجیے) اور اللہ تم سب لوگوں کی آمد و رفت اور آرام کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

(۳) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝۱۵۹-[۲]

ترجمہ: تو اللہ کی عظیم رحمت سے آپ مسلمانوں کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے، تو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کریں اور جب آپ (کسی کام کا) عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

(۴) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۲ [۳]

---

[۱] سورۃ محمد، رقم الآیۃ:۱۹ [۲] سورۃ آل عمران، رقم الآیۃ:۱۵۹ [۳] سورۃ النور، رقم الآیۃ:۶۲

ترجمہ: مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی مجتمع ہونے والی مہم میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے، بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے **اللہ سے مغفرت طلب کریں**، بے شک اللہ بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

یہ وہ آیاتِ مبارکہ ہیں جو نہ صرف یہ کہ ثبوتِ شفاعت پر دلالت کر رہی ہیں؛ بلکہ ان میں اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو یہ **حکم** دیا کہ **آپ گناہ گاروں کے لیے شفاعت فرمائیں**۔ انبیاے سابقین علیہم الصلاۃ والتسلیم بھی اپنی امت کے لیے، والدین کے لیے اور بالعموم تمام مسلمانوں کے لیے شفاعت اور بخشش کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے قرآنِ مقدس میں ایک سے زائد مقام پر ان کی حکایت بیان کی ہے۔ تفصیل کے لیے **سورۂ نوح، سورۂ ابراہیم، سورۂ مریم، سورۂ یوسف، سورۂ مائدہ، اور سورۂ اعراف** وغیرہا کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں! ان میں بہت سی ایسی آیتیں ہیں جن میں حضرتِ نوح، حضرتِ ابراہیم، حضرت یوسف علیہم الصلاۃ والسلام کی شفاعت کا بیان موجود ہے۔

احادیثِ مبارکہ سے شفاعت کا ثبوت:

(۱) حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری اور حضرت امام مسلم بن حجاج رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیثِ پاک روایت کی ہے، جس کے آخر میں ہے:

فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَّدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ لِي: إِرْفَعْ رَأْسَكَ فَسَلْ تُعْطَهُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِي ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا ثُمَّ أُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَقَعُ سَاجِدًا مِثْلَهُ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ حَتَّى مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ. وكان قتادة يقول عند هذا: أي وجب عليهم الخلود.[۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار کروں گا تو سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رکھے گا پھر مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھاؤ! مانگو! ملے گا۔ شفاعت کرو! قبول ہوگی۔ پھر میں اپنے رب کی وہ حمد کروں گا جو میرا رب مجھے اس وقت تعلیم دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ پھر گناہ گاروں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا اور شفاعت کروں گا (تین یا چار بار) یہاں تک کہ دوزخ میں وہی لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک لیا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں یعنی جن پر جہنم کا دوام واجب ہو چکا ہے۔

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[۱] الصحیح للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: انا أرسلنا نوحا الی قومہ ... رقم الحدیث: ۳۳۴۰۔ الصحیح للامام مسلم بن حجاج القشیری، کتاب الایمان، باب أدنی أھل الجنۃ منزلۃ فیھا، رقم الحدیث: ۴۹۵

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ مَنْ یَّشْفَعُ فِی الْجَنَّةِ وَاَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَآءِ تَبَعًا۔

ترجمہ: میں لوگوں میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کروں گا اور میرے متبعین تمام انبیاے کرام سے زائد ہوں گے۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَاِنِّي اِخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِّاُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ اِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى مَنْ مَّاتَ مِنْ اُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا۔[۱]

ترجمہ: ہر نبی کی ایک دعا ایسی ہوتی ہے جو یقیناً مقبول ہوتی ہے؛ لیکن ہر نبی نے اپنی دعا دنیا ہی میں استعمال کرلی اور میں نے اُسے بروزِ قیامت اپنی امت کی شفاعت کے لیے بچا کر رکھا ہے۔ تو یہ دعاے شفاعت ہر اس شخص کے لیے ہوگی **جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو** اور اس نے کسی شے کو بھی اللہ عزوجل کے ساتھ شریک نہ کیا ہو۔

یہ چند حدیثیں ہیں جو آقاے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی شفاعت کو واضح طور پر ثابت کررہی ہیں۔ اگر کتب احادیث کی ورق گردانی کی جائے تو ثبوت وقبولیتِ شفاعت پر بے شمار ایسی چمکتی دمکتی احادیثِ کریمہ مل جائیں گی، جو خداوندِ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں حضور سیدِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی عظمت وشان اور رفعت و وجاہت کو بیان کررہی ہیں، نیز نادانوں کے لیے ہدایت کا سامان اور منکرین ومعاندین کے گالوں پر زوردار طمانچہ رسید کررہی ہیں۔

---

[۱] الصحیح للامام مسلم بن حجاج القشیری، کتاب الایمان، باب اختباء النبی ﷺ دعوۃ الشفاعۃ لامتہ، رقم الحدیث: ۵۰۸

وہابیوں اور دیوبندیوں کا نظریہ:

علمائے دیوبند اور وہابیہ شاہ اسماعیل دہلوی کی تقلید میں شفاعت بالوجاہت اور شفاعت بالمحبت کے سخت منکر ہیں؛ بلکہ اسے شرکِ قطعی تک کہتے ہیں، جیسا کہ تقویۃ الایمان میں ہے، وہ کہتے ہیں:

''شفاعت بالمحبت کا معنیٰ ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب کی شفاعت قبول نہ کرے تو اسے رنج ہوگا اور یہ اللہ رب العزت کی شان کے خلاف ہے اور شفاعت بالوجاہت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ جل وعلا اپنے کسی وجیہ بندے کی شفاعت قبول نہ کرے تو اسے نقصان کا خوف اور خطرہ ہے اور اللہ رب العزت کو نہ کسی نقصان کا خوف ہے اور نہ ہی خطرہ؛ کیوں کہ یہ چیزیں نقص وعیب کو مستلزم ہیں اور وہ ہر عیب ونقص سے منزہ ہے۔ لہذا ان دونوں معانی کے لحاظ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کو شفیع کہنے والا قطعی طور پر مشرک ہے۔'' [۲]

اس نظریہ کا رد:

اللہ رب العزت نے اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب بندوں کو ایسا عظیم رتبہ عطا فرمایا ہے کہ یہ بندے اس سے جو بھی سوال کرتے ہیں وہ عطا فرماتا ہے، جو کچھ مانگتے ہیں وہ دیتا ہے، جو بھی فریاد کرتے ہیں وہ اسے قبول فرماتا ہے؛ لیکن اگر وہ ان کی فریاد قبول نہ کرے تو اسے کوئی رنج وغم لاحق نہیں ہوتا، مگر درخواست قبول نہ کرنا مقامِ محبت کے خلاف ہے۔ یہاں اس وہم کا گذر ہی نہیں کہ رب تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب کی دعا قبول نہ کرے تو

---

[۲] تقویۃ الایمان، از اسماعیل دہلوی، ص: ۴۳ر۴۴، مطبوعہ دار الکتاب دیوبند یوپی

اسے رنج ہوگا، تکلیف ہوگی؛ کیوں کہ اس نے خود دینے کا وعدہ فرمالیا ہے۔

یہ تو عام محبوبوں کی بات ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ نے سید المحبوبین آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو وہ عزت و وجاہت عطا فرمائی ہے کہ وہ آپ کی ہر درخواست کو شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے اور اگر بالفرض قبول نہ کرے تو اسے نقصان کا خوف اور خطرہ نہیں۔ لیکن اس رسول وجیہ کی بات نہ ماننا اُس وجاہت کے خلاف ہے جو اس نے انھیں عطا فرمائی ہے۔

لہٰذا حضور رحمتِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو شفاعت بالمحبت بھی حاصل ہے اور شفاعت بالوجاہت بھی۔ اسی لیے امام الائمہ کاشف الغمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

یارسول اللہ! آپ کو بارگاہِ خداوندی میں وہ وجاہت حاصل ہے کہ جب آپ نے اس کی بارگاہ میں ہم گناہ گار امتیوں کی شفاعت کی درخواست کی تو رب تبارک وتعالیٰ نے لبیک کہتے ہوئے، آپ کی اس درخواست کو شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمادیا۔

شفاعت کی متعدد قسمیں ہیں۔ یہاں صرف پانچ قسموں کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے؛ لیکن عظیم محدث ومفسر حضرت علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ نے شفاعت کی ۴۹ قسموں کو بیان کیا ہے۔ تفصیل کے لیے حضرت کی معرکۃ الآراء تصنیفِ لطیف شرح مسلم، ج:۲، ص:۵۹، ملاحظہ فرمائیں۔

(۹)

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ آدَمُ	مِنْ زَلَّۃٍ بِكَ فَازَ وَھُوَ اُبَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ ہی وہ (حبیب خدا ہیں) کہ جب

(ابو البشر حضرت) آدم (علیہ الصلاۃ والسلام) نے آپ کو، اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی اجتہادی لغزش کے درگزر کا وسیلہ بنایا تو کامیاب و کامران ہو گئے حالاں کہ وہ آپ کے جدِّ امجد ہیں۔

حلِّ لغات:

- تَوَسَّلَ: فعل ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ تفعّل، بمعنیٰ تقرب حاصل کرنا۔
- زَلَّة: زَلَّ کا اسمِ مرّة، ایک مرتبہ گرنا، لغزش، گناہ۔
- فَازَ: فعل ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ نصر، کامیاب ہونا۔

تشریح:

اس شعر میں سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اولِ پیغمبر ابو البشر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام، ان کی زَلّت (اجتہادی خطا) اور ان سے صادر ہونے والے توسل کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم ان شاء اللہ عزوجل ان سب پر مختصراً کلام کریں گے؛ تاکہ شعر کا مفہوم پورے طور پر واضح ہو سکے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مختصر سوانح اور نظریۂ ارتقا کا رد:

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان اور تمام انسانوں کے والد ہیں، آپ ہی کی جانب نسبت کرتے ہوئے تمام انسانوں کو آدمی کہا جاتا ہے۔ ان کا اجمالی ذکر قرآنِ مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں کیا گیا ہے، جب کہ سات سورتوں میں ان کے

حالات قدرے تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۳۰ تا ۳۹، سورۂ اعراف، آیت نمبر ۱۱ تا ۲۵، سورۂ حجر، آیت نمبر ۲۶ تا ۴۴، سورۂ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۶۱ تا ۶۵، سورۂ کہف، آیت نمبر ۵۰، سورۂ طٰہٰ، آیت نمبر ۱۱۵ تا ۱۱۷، سورۂ صٓ، آیت نمبر ۷۱ تا ۸۵ کا تفسیری مطالعہ کرنا چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو **بغیر ماں باپ** کے جنت میں تخلیق فرمایا۔ اس نے اپنے دستِ خاص سے، پسندیدہ صورت پر ان کا جسمِ اقدس بنایا اور اپنی طرف سے ایک خاص روح پھونک کر انھیں زندگی بخشی۔ پھر انھیں کائنات کی تمام چیزوں کے ناموں، صفتوں اور حکمتوں کا علم عطا فرمایا، بعدۂ انھیں مسجودِ ملائکہ بنایا۔ فرشتوں نے ان کی علمی برتری اور اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے انھیں سجدہ کیا اور ہمیشہ کے لیے مقبولِ بارگاہِ الٰہ بن گئے، جب کہ ابلیسِ لعین نے تکبر کرتے اور اپنے رب کے حکم سے اعراض کرتے ہوئے، حضرتِ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار دیا، نتیجتاً ہمیشہ کے لیے مردود و لعین ٹھہرایا گیا۔

اللہ ربُّ العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو بے شمار فضائل سے مشرّف فرمایا ہے، قرآنِ پاک میں جا بجا ان کے کمالات کا تذکرۂ جمیل ہے، تفصیل کی یہاں بالکل گنجائش نہیں، بس اتنا سمجھ لینا چاہیے! **کہ ان پر ایمان لانا اور ان کو ابوالبشر جاننا ضروریاتِ** دین میں سے ہے، جو آپ کو پہلا انسان نہ مانے وہ کافر ہے، اگرچہ ان کو پیغمبر مانتا ہو۔ آپ کی پیغمبری کے ساتھ آپ کو بشر؛ بلکہ ابوالبشر تسلیم کرنا فرضِ عین ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تخلیق سے قبل دنیا انسانی آبادی سے یکسر خالی تھی۔

یہ اعتقاد رکھنا اور کہنا کہ

یہ انسان کروڑوں سال تک ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے اِس مقام تک پہنچا ہے۔

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام اور قرآنِ کریم کی پچاسوں آیاتِ مجیدہ کی تکذیب کے ساتھ، انتہائی گندا، گھٹیا، جھوٹا نظریہ اور ایک تصوراتی و فلسفی مفروضہ ہے، جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

انسان کی اصل حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) یا بندر نہیں ہے، کہ یہ ترقی کرتے کرتے بے مثال اور انتہائی حسین وجمیل انسانی قد و قامت وشکل وصورت میں تبدیل ہو گئے اور ان کا شعور اس قدر بلند ہو گیا کہ اپنے حیرت انگیز کارناموں کے ذریعے دوشِ ہوا پر اڑنے لگے، سطحِ آب پر چلنے لگے اور ترقیوں کے نت نئے آفاق فتح کرنے لگے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نظریۂ ارتقا کا ڈنڈھورا پیٹنے والے اپنی اِس بَو پر آج تک ثبوت فراہم کرنے سے قاصر ہیں اور آئندہ بھی قاصر رہیں گے؛ کیوں کہ ثبوت اس کا پیش کیا جا سکتا ہے جس کی کوئی اصل ہو، حد تو یہ ہے کہ موجودہ دنیا کے معروف عیسائی اور یہودی سائنس داں بھی مفروضۂ ارتقا کو برحق نہیں سمجھتے، بلکہ اسے انتہائی غلیظ مکر وفریب سے تعبیر کرتے ہیں؛ مگر یہ عقدہ اب تک حل نہیں ہوا کہ وہ اِس گندے نظریے سے متعلق اب تک خاموش تماشائی کیوں بنے ہوئے ہیں اور کھل کر اس کا رد کیوں نہیں کرتے؟

حضرت آدم علیہ السلام کی زَلّت (لغزش):

ابلیسِ لعین کو جنت سے نکالنے کے بعد اللہ ربُّ العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں آباد فرما دیا، مگر چوں کہ وہاں اُن کا کوئی ہم جنس نہ تھا، جس سے انھیں

سکون و قرار نصیب ہوتا، اس لیے اللہ تبارک وتعالی نے ایک بار اُن پر نیند طاری کر دی، پھر اسی حالت میں، ان کی بائیں پسلی نکال کر، اس سے حضرت حوا رضی اللہ تعالی عنہا کو تخلیق فرمایا اور گوشت رکھ کر اس پسلی کی جگہ کو پُر کر دیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو اپنے سر کے قریب ایک انتہائی خوب صورت خاتون کو بیٹھے ہوئے پایا، حضرت نے کچھ دیر ان سے گفتگو کی، پھر ان کی جانب دستِ محبت بڑھانے کا ارادہ فرمایا۔ فرشتوں نے کہا: **اے آدم! ابھی رکیں، پہلے ان کا حقِّ مہر ادا کریں،** چناں چہ انھوں نے بطورِ مہر کے ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر تین یا دس بار درودِ پاک پڑھا اور فرشتوں کی گواہی سے اُن کا نکاح حضرتِ حوا رضی اللہ تعالی عنہا سے ہو گیا اور آپ دونوں مل کر جنت کی نعمتوں سے محظوظ ہونے لگے۔

ان دونوں حضرات کو جنت میں سب کچھ کھانے پینے کی اجازت تھی، البتہ ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۳۵ میں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے شیطانِ لعین مردودِ بارگاہِ الٰہی ہو چکا تھا، اس لیے وہ حضرت آدم علیہ السلام سے شدید کینہ وحسد رکھتا تھا، انھیں نقصان پہنچانے کے لیے موقع کی تلاش میں رہا کرتا تھا، چناں چہ موقع ملتے ہی اس نے حضرتِ آدم علیہ السلام کو وسوسہ ڈالتے ہوئے کہا:

اے آدم! کیا میں تمھیں ایسے درخت کے بارے میں نہ بتا دوں جس کا پھل کھانے والے کو دائمی زندگی نصیب ہو جاتی ہے؟

یہ کہہ کر اس نے اللہ عزوجل کی جھوٹی قسم کھاتے ہوئے کہا:

اِس پھل میں یہ تاثیر ہے کہ اس کا پھل کھانے والا یا تو فرشتہ بن جاتا ہے یا ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔

یوں وسوسہ ڈال کر، وہ اُن دونوں حضرات کو اُس ممنوعہ درخت کا پھل کھانے کی طرف لے آیا، اور چوں کہ اُن دونوں کے دل میں اللہ عزوجل کی عظمت ومحبت انتہا درجے کی تھی، اس لیے ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی اللہ عزوجل کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے، ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی سمجھا کہ یہ ممانعت ایک مخصوص درخت کے ساتھ خاص ہے۔ اسی جنس کے کسی دوسرے درخت کا پھل کھانا ممنوع نہیں ہے، اس لیے ان سے اجتہادی چوک ہو گئی اور **انھوں نے اس ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا**۔ سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۰ اور سورۂ اعراف آیت نمبر ۲۰ / ۲۱ اور ۲۲ میں حکایت کا یہ پہلو مذکور ہے۔

ابلیسِ لعین کے وسوسہ دلانے کے سبب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اس ممنوعہ درخت سے کھالیا تو ان کے جنتی لباس اُتر گئے، اُن پر ان کے شرم کے مقام ظاہر ہو گئے اور وہ اپنا ستر چھپانے اور جسم ڈھانکنے کے لیے اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے۔ حکایت کا یہ پہلو قرآنِ کریم میں سورۂ اعراف آیت نمبر ۲۲ اور سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۱ میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرتِ آدم علیہ السلام سے اگرچہ اجتہادی خطا ہوئی تھی، جس کا درجہ مکروہِ تنزیہی کا بھی نہ تھا؛ مگر چوں کہ وہ کام ان کی شان کے لائق نہ تھا، اس لیے اللہ عزوجل نے ان سے عظمت وجلال سے خطاب فرمایا اور عتاب فرماتے ہوئے کہا:

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ [۱]

---

[۱] سورۂ اعراف، رقم الآیہ: ۲۲

ترجمہ: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے؟۔

حضرت علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی علیہ الرحمہ عتابِ خداوندی کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے جو کچھ ہوا یہ اگرچہ حقیقی طور پر گناہ نہیں تھا، اس کے باوجود آپ پر عتاب نازل کیا گیا؛ کیوں کہ عام لوگوں کی نیکیاں مقرّب بندوں کے نزدیک گناہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور یہ چیز حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ یہ محال ہے کہ حضراتِ انبیاے کرام علیہم السلام جان بوجھ کر اللہ عزوجل کی نافرمانی کریں، ہاں یہ ممکن ہے اُن سے اجتہاد میں خطا ہو جائے یا اللہ عزوجل کی طرف سے انھیں بھلا دیا جائے، نیز ممنوعہ درخت کا پھل کھانے میں اللہ عزوجل کی متعدد حکمتیں بھی تھیں، جیسے: مخلوق کا وجود میں آنا اور دنیا کا آباد ہونا وغیرہ۔ **اس عظیم حکمت کے لیے اللہ عزوجل نے انھیں اپنا حکم بھلا دیا۔**[۱]

شجرِ ممنوع کا پھل کھانے کی اجتہادی غلطی کے سرزد ہو جانے کے بعد حضرت سیدنا آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دنیا میں آ کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور بقولِ بعض مفسرین جنت ہی میں اعترافِ خطا کیا اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا وسیلہ پیش کر کے دعا مانگی تو ان کی دعا شرفِ قبولیت سے مشرف ہوئی اور **انھیں رضاے الٰہی کا مژدۂ جاں فزا ملا۔**

رہ گئی یہ بحث کہ وہ کس چیز کا درخت تھا جس سے حضرت آدم علیہ السلام اور

---

[۱] تفسیر الصاوی، للامام احمد بن محمد الصاوی، سورۃ الاعراف، تحت الآیۃ: ۲۳

حضرتِ حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو روکا گیا تھا، تو بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ زیتون کا درخت تھا اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گیہوں کا پودا تھا، جب کہ انگور کے بارے میں بھی روایتیں ملتی ہیں؛ لیکن جو بات قرآنِ عظیم اور کتب معتبرہ کے مطالعے سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ان دونوں حضرات کو کسی معین درخت کا پھل کھانے سے روکا تھا، جنت کے دوسرے درختوں کے پھلوں سے منع نہیں کیا تھا۔

اور چوں کہ اللہ رب العزت نے قرآنِ کریم میں نہ اس درخت کا نام ذکر کیا ہے اور نہ ہی اس کی جانب کوئی اشارہ فرمایا ہے، اور ہمارے پاس اس کے علم کی کوئی سبیل بھی نہیں ہے اور نہ احادیثِ صحیحہ اس کی تعیین کر رہی ہیں، **لہٰذا قطع ویقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا** کہ وہ کون سا درخت تھا۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو وسیلہ بنانے کا ذکر متعدد کُتُب احادیث میں موجود ہے، جیسا کہ عن قریب آرہا ہے۔

حضرتِ امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اِس شعر میں اسی واقعہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ چوں کہ آج کل وسیلے پر بڑی بحثیں ہو رہی ہیں۔ ایک گروہ اپنی جہالت و بے علمی کی بنیاد پر اسے ناجائز وحرام؛ بلکہ شرک تک کہہ رہا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت آسان لب و لہجے میں وسیلے کا لغوی وشرعی معنیٰ، اس کی قسمیں اور قرآنِ مجید واحادیثِ مبارکہ سے اس کا ثبوت فراہم کر دیا جائے۔ فأقول وباللہ التوفیق:

وسیلہ کا لغوی وشرعی معنیٰ:

وسیلہ لغت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی کا تقرب حاصل ہو۔ اور شریعت میں وسیلہ اس چیز کو یا اس ذات کو کہتے ہیں جسے اللہ عزوجل نے اپنے تقرب کا

سبب اور ضروریات وحاجات پوری کرنے کا ذریعہ بنایا ہو۔

وسیلے کی قسمیں :

وسیلے کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وسیلہ تو وہ ہے جس کے جائز ومستحب ہونے میں کسی بھی کلمہ گو کو اختلاف نہیں ہے۔ مثلاً، نماز، روزہ، حج، زکات، صدقات، خیرات اور حسنِ سلوک وغیرہ اعمالِ صالحہ کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ کا تقرّب حاصل کرنا۔ ہمارے مخالفین دیوبندی اور وہابی بھی اس توسّل کے قائل ہیں۔

(۲) اعمالِ صالحہ کے علاوہ بارگاہِ ربِ ذوالجلال کے مقربین مثلاً رسولانِ عظام علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیاے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان سے توسل کرنا اور انھیں وسیلہ بنانا۔ مثلاً یہ کہنا:

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم **/ سیدنا ابوبکر صدیق اکبر** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **/ سیدنا شیر خدا مولا علی** کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم **/ سرکارِ غوث اعظم** رضی اللہ عنہ **کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ تو ان مقربین کے وسیلے سے میری دعا قبول فرما!**

ہم اہل سنت وجماعت اعمالِ صالحہ کی طرح، اِس قسم کے توسل کے بھی قائل ہیں۔ اللہ عزوجل کے مقرب بندوں، بالخصوص حضور سیدنا سرکارِ دوعالم حضرتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے توسل کے جواز واستحباب پر ہمارے اسلاف نے قرآنِ مجید اور احادیثِ کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ ہم ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔ جو لوگ کفر وارتداد کی دَلدل میں دھنس چکے ہیں، جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور نگاہوں پر ضلالت کے موٹے موٹے پردے پڑے ہوئے ہیں ان کا راہِ راست

پر آنا بہت مشکل ہے؛ البتہ جو لوگ تذبذب کا شکار ہیں، "لا الی ھٰؤلاء ولا الی ھٰؤلاء" کے زمرے میں داخل ہیں، شاید یہ چند سطریں ان کے لیے چراغِ راہِ ہدایت ثابت ہوں۔

مگر یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ اس طرح کا وسیلہ واجب وضروری نہیں ہے اور نہ قبولیتِ دعا اس پر موقوف ہے؛ بلکہ یہ فقط جائز ومستحب ہے۔ اس سے دعا کے مقبول ہونے کی امید بڑھ جاتی ہے۔ اس کا مطلقاً انکار کرنا یا اسے واجب وضروری سمجھنا دونوں غلط ہیں، وجوب یا انکار پر اصرار کرنے والے جاہل واحمق ہیں۔

آیاتِ کریمہ سے وسیلے کا ثبوت:

اللہ رب العزت سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے:

(۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵ - [۱]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں (نجات کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو۔

اِس آیت میں اللہ رب العزت نے، اپنے مومن بندوں کو اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے لیے "وسیلہ" تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہاں وسیلہ عام ہے۔ اس لیے یہ اپنے عموم پر رہے گا اور اپنی دونوں قسموں کو شامل ہوگا۔ لہٰذا یہ آیتِ کریمہ جس طرح اعمالِ صالحہ سے توسل کو ثابت کر رہی ہے، اسی طرح مقربینِ بارگاہِ الٰہی سے توسل کو بھی سندِ جواز فراہم کر رہی ہے۔

اندھیروں میں بھٹکنے والے نادان بدمذہب کہتے ہیں:

---

[۱] سورۃ المائدہ، رقم الآیۃ: ۳۵

یہاں وسیلے سے صرف اعمالِ صالحہ مراد ہیں؛ لہذا اللہ عزوجل کے مقرب بندوں کا وسیلہ ناجائز ہے۔

علمائے اہلِ سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں:

اعمالِ صالحہ کی تعیین و تخصیص کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ آیتِ کریمہ تو مطلق ہے، لہذا اسے اپنے اطلاق پر رکھا جائے گا۔ اپنی جانب سے قید لگانا تفسیر بالرائے کے زمرے میں داخل ہونے کے سبب ناقابلِ تسلیم ہے۔ نیز جب اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنا سکتے ہیں، حالاں کہ ہمیں ان کے مقبول ہونے کا یقین نہیں، تو حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام اور دیگر مقربین کو وسیلہ کیوں نہیں بنا سکتے؟ جب کہ **ان کے مقبولِ بارگاہِ الہ ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وتردد نہیں۔**

(۲) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝[۱]

ترجمہ: جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب تر وسیلہ تلاش کرتے ہیں، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہیے۔

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن جوزی علیہ الرحمہ کہتے ہیں:

جن لوگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں، ان کے مصداق میں تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ جن ہیں جو بعد میں اسلام لے آئے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ فرشتے ہیں۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام ہیں۔ یہ حضرت

---

[۱] سورۃ بنی اسرائیل، رقم الآیۃ: ۵۷

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے ، اور اِس آیتِ کریمہ میں یدعون ''یعبدون'' کے معنی میں ہے، یعنی وہ ان کو معبود سمجھ کر عبادت کرتے تھے۔ [۱]

تینوں اقوال کے قائلین مختلف ہیں۔سب کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں۔ تفصیل کے لیے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع البیان وغیرہ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کے محبوب بندوں کو وسیلہ بنانا اس کے نیک بندوں کا عمل رہا ہے۔

(۳) وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ [۲]

ترجمہ:اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی جو اس آسمانی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے اور وہ اس سے پہلے (اس نبی کے وسیلے سے) کفار کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے اور جب ان کے پاس وہ آگئے جن کو وہ جان اور پہچان چکے تھے تو انھوں نے ان کے ساتھ کفر کیا، سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔

اِس آیتِ کریمہ کی شانِ نزول بیان کرتے ہوئے امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود اوس اور خزرج کے خلاف جنگ میں، رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت سے پہلے، حضور کے وسیلے سے

---

[۱] زاد المسیر فی علم التفسیر، للامام ابی الفرج جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی، ج:۵،ص۵۷ / ۵۸، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ [۲] سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ :۸۹۔

کامیاب ہونے کی دعا کیا کرتے تھے ۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرکار کو عرب میں مبعوث کردیا تو جو کچھ وہ اُن کے متعلق کہتے تھے، اس کا انھوں نے انکار کردیا۔ایک دن حضرت معاذ بن جبل اور بشر بن براابن معرور رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے کہا:

اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آو! جب ہم مشرک تھے تو تم ہمارے خلاف سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے وسیلے سے فتح کی دعا کرتے تھے۔ تم ہم کو یہ خبر دیتے تھے کہ وہ نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور تم لوگ اس نبی کی وہی **صفات بیان کرتے تھے** جو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ذاتِ گرامی میں موجود ہیں۔

اس کے جواب میں سلام بن مشکم نے کہا:

وہ کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جس کو ہم پہچانتے ہوں اور یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہم تم سے ذکر کیا کرتے تھے۔[۱]

شرعی ضابطہ ہے کہ قرآنِ مقدس میں رب تبارک وتعالیٰ اممِ سابقہ کا کوئی عمل ذکر کرے اور اس کی تردید نہ فرمائے تو وہ عمل ہمارے لیے جائز ہوتا ہے۔ اگر نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا وسیلہ ناجائز وحرام یا کفر وشرک ہوتا تو یقیناً رب تبارک و تعالیٰ اس سے منع فرمادیتا اور اِس آیتِ کریمہ کو مقامِ مدح میں ہرگز ذکر نہ فرماتا۔منع نہ کرنا **اور مقامِ مدح میں اسے ذکر فرمانا توسل کے جواز کی مضبوط ومحکم دلیل ہے۔**

---

[۱] جامع البیان عن تاویل آی القرآن للامام ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، ج:۱،ص:۲۲۵، مطبوعۃ دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۹

احادیثِ کریمہ سے وسیلے کا ثبوت:

بہت سی احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ نبیِّ اکرم نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم یوں دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّآئِلِیْنَ عَلَیْکَ۔

ترجمہ: اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے اُس حق کے وسیلے سے مانگتا ہوں جو مانگنے والوں کا تجھ پر ہے۔

یہ بلاشبہ توسُّل ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضور منوّرِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اپنے صحابہ کو مذکورہ الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کا شوق دلاتے تھے۔ چناں چہ حضرت امام محمد بن یزید ابن ماجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمدہ سند کے ساتھ صحابیِ رسول، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَیْتِہٖ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّآئِلِیْنَ عَلَیْکَ وَ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا اِلَیْکَ فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا رِیَآءً وَّلَا سُمْعَۃً۔ خَرَجْتُ اِتِّقَآءَ سُخْطِکَ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِکَ۔ فَاَسْئَلُکَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ۔ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ اَقْبَلَ اللّٰہُ عَلَیْہِ بِوَجْہِہٖ وَاسْتَغْفَرَلَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ۔ [۱]

ترجمہ: جو بندۂ مومن اپنے گھر سے نماز کے لیے نکلتے وقت یہ دعا پڑھتا ہے۔

---

[۱] السنن، للامام محمد بن یزید ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب المشی الی الصلاۃ، رقم الحدیث: ۷۷۸

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرنے والوں کے حق کے وسیلے سے اور تیری بارگاہ میں اپنی اس حاضری کے طفیل سوال کرتا ہوں؛ کیوں کہ میں تکبر وغرور اور دکھاوے کے لیے نہیں نکلا؛ بلکہ تیری ناراضگی سے بچنے اور تیری رضا چاہنے کے لیے نکلا ہوں۔ اے اللہ! میرا تجھ سے سوال ہے کہ تو مجھے دوزخ سے نجات عطا فرما اور میرے تمام گناہوں کو بخش دے! بے شک گناہوں کو صرف تو ہی بخشنے والا ہے۔ (جب نکلنے والا یہ دعا مانگتا ہے تو) خدائے کائنات اللہ عزوجل اس کی جانب خاص توجہ فرماتا ہے اور اس کے لیے ستر ہزار فرشتے دعائے بخشش کرتے ہیں.

اسے جلال الملۃ والدین حضرت امام جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین بن ابو بکر سیوطی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "الجامع الکبیر" میں ذکر کیا ہے اور بہت سے ائمۂ عظام نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اُس مقام پر ذکر کیا ہے جہاں پر نماز کے لیے نکلتے وقت مسنون دعاؤں کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔

بعض علما نے یہاں تک فرمایا کہ میں اسلافِ کرام میں سے کسی کو بھی نہیں پاتا کہ وہ نماز کے لیے جاتے وقت اس دعا کا ورد نہ کرتے ہوں۔[۱]

ذرا غور تو کریں! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کے قول "بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ" میں ہر مومن بندے سے توسل ہے۔ اس حدیث کو علامہ ابو بکر احمد بن محمد دینوری معروف بہ ابن سنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی موذّنِ رسول حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ الفاظِ حدیث یہ ہیں:

---

[۱] الجامع الکبیر، للامام جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی، رقم الباب: ۵۱: مَن مع الخاء، رقم الحدیث: ۴۸۶۵۔ المسند، للامام احمد بن حنبل، مسند ابی سعید الخدری، ج: ۱۷، رقم الحدیث: ۱۱۱۵۶۔ المصنف، للامام ابی بکر ابن ابی شیبۃ، ج: ۱۰، ص: ۹۲۵۱

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ: بِسْمِ اللهِ اٰمَنْتُ بِاللهِ وَ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ۔ إِنِّي أَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ وَ بِحَقِّ مَخْرَجِيْ هٰذَا فَإِنِّيْ لَمْ أَخْرُجْ أَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً ۔ خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سُخْطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ وَ أَسْئَلُكَ أَنْ تُعِيْذَنِيْ مِنَ النَّارِ وَ أَنْ تُدْخِلَنِي الْجَنَّةَ ۔[۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم جب نماز کے لیے نکلتے تو یوں کہتے: اللہ عزوجل کے نام سے نکل رہا ہوں، میں اللہ پر ایمان لایا اور میں نے اسی پر بھروسا کیا۔ نیکی کرنے کی طاقت اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ عزوجل ہی کی جانب سے ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے مانگنے والوں کے حق اور اپنے اِس نکلنے کے حق کے طفیل سوال کرتا ہوں؛ کیوں کہ میں تکبر وغرور اور دکھاوے کے لیے نہیں نکلا، میں تو تیری رضا چاہنے اور تیری سختی سے بچنے کے لیے نکلا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے دوزخ سے پناہ دے اور جنت میں داخل فرما۔

اسے صحابیِ رسول سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی سند کے ساتھ، حضرت امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی نے بھی "کتاب الدَّعوات" میں اِن الفاظ میں روایت کیا ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ إِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ الخ۔ [۲]

ان تمام روایتوں میں محلِّ استدلال رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک و

---

[۱] عمل الیوم واللیلۃ، للامام ابی بکر احمد بن محمد الدینوری المعروف بابن السنی، ص: ۳۰۔

[۲] کتاب الدعوات الکبیر، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی، الجزاالاول، باب القول والدعاء عند الخروج من المنزل الی الصلوۃ، ص: ۱۲۵۔

سلم کا قول " بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ " ہے؛ کیوں کہ اِن الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ توسل کا صدور آقاے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے ہوا ہے۔ حضور ساقیِ کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اپنے مقدس صحابہ کو بھی اسی طرح دعا مانگنے کا حکم دیا۔ تابعین عظام اور بعد کے اسلافِ کرام بھی نماز کے لیے جاتے وقت اِس دعا کو پڑھتے اور استعمال کرتے رہے۔ ان الفاظ سے دعا مانگنے میں کسی نے بھی شک وشبہہ اور انکار کا اظہار نہیں کیا۔ ان سب کا عمل توسل کے جائز و مستحسن ہونے کو بتا رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ بعض دعاؤں میں یوں کہا کرتے تھے:

بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَآءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ۔

ترجمہ: (اے اللہ! میں تجھ سے) اُس حق کے طفیل سوال کرتا ہوں جو تجھ پر تیرے نبی اور انبیاے سابقین کا ہے۔

اس روایت کے تعلق سے حضرت علامہ احمد بن محمد بن علی ابن حجر مکی شافعی علیہ الرحمہ نے "الجوهر المنظم" میں فرمایا:

رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ۔ یعنی اس حدیث کو امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی علیہ الرحمہ نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [۱]

---

[۱] الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم، للامام احمد بن محمد بن علی ابن حجر المکی، تحقیق الدکتور محمد زینھم، مکتبہ مدبولی، ص: ۱۱۰۔ المعجم الکبیر، للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، ج: ۲۴، ص: ۳۵۱۔ المعجم الاوسط، للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، ج: ۱، ص: ۶۷۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للامام ابی الحسن نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، ج: ۹، ص: ۲۵۶

رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی یہ دعا بھی از قبیلِ توسل ہے۔

اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ اَسَدٍ وَ وَسِّعْ عَلَیْہَا مُدْخَلَہَا بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْاَنْبِیَاۤءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ۔

ترجمہ: اے اللہ! میری (عرفی) ماں (یعنی چچی جان) فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کو بخش دے اور اپنے نبی اور انبیاے سابقین کے طفیل ان کی قبر کو کشادہ فرما۔

یہ ایک طویل حدیثِ پاک کا ٹکڑا ہے جسے حضرت امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی علیہ الرحمہ نے ''المعجم الکبیر'' اور ''المعجم الاوسط'' میں اور امام ابوحاتم محمد ابن حبان تمیمی بُستی اور امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری علیہما الرحمہ نے اپنی اپنی کُتُب میں، صحابی وخادمِ رسول حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

جب حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدۂ محترمہ سیدتنا فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا جو کہ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی صحابیہ اور چچی تھیں۔ تو آپ کے انتقال پُر ملال کی خبر سن کر رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم تشریف لائے اور اُن کے سرہانے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

رَحِمَكِ اللّٰہُ اُمِّیْ بَعْدَ اُمِّیْ۔

ترجمہ: اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے! آپ میری والدہ کے بعد میری ماں کے قائم مقام تھیں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ان کی مدح سرائی کی اور انھیں اپنی چادرِ پاک کا کفن عنایت فرمایا۔ پھر قبر کھودنے کا حکم دیا۔ قبر کھودنے

والے جب لحد تک پہنچے تو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے لحد کو اپنے دستِ اقدس سے تیار کیا اور اس کی مٹی اپنے ہاتھوں سے باہر نکالی۔ فارغ ہونے کے بعد اُن کی لحد میں داخل ہو کر، اُسے شرف بخشا اور اس کے اندر لیٹ کر یہ دعا پڑھی:

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ! اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَدٍ وَوَسِّعْ عَلَیْهَا مُدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔

اے موت وزندگی دینے والے اور کبھی نہ مرنے والے رب! میری ماں (جیسی چچی) فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اپنے نبی کے طفیل اور انبیاے سابقین کے وسیلے سے ان کی قبر کو کشادہ فرما؛ کیوں کہ تو ہی سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن قاضی ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، امام ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن نمری ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور امام احمد بن عبداللہ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کے مثل روایت کیا ہے۔[۱]

اُس حدیثِ صحیح میں بھی توسل کے جواز کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے جسے سندِ صحیح

[۱] السنن، للامام ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ، باب ما جاء فی صلاۃ الحاجۃ، رقم الحدیث: ۱۳۴۸۔ کنز العمال، للامام علاؤ الدین علی المتقی بن حسام الدین الھندی، ج: ۱۲، ص: ۱۴۸۔ الجامع الکبیر، للامام جلال الدین السیوطی، ج: ۵، ص: ۱۵۵۔ المستدرک علی الصحیحین، للامام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشابوری، ج: ۱، ص: ۷۰۷۔ الصحیح، للامام ابی بکر محمد بن اسحٰق ابن خزیمۃ، ج: ۲، ص: ۲۲۵۔ حلیۃ الاولیاء، للامام ابی نعیم احمد بن عبداللہ بن احمد الاصفھانی، ج: ۳، ص: ۱۲۱

کے ساتھ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی، امام ابوعبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی اور امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے مشہور صحابیِ رسول حضرت سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اُس نابینا صحابیِ رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعے کو "ندائے یارسول اللہ" کی بحث میں اگرچہ ہم تفصیلاً بیان کر چکے ہیں؛ لیکن موقع کی مناسبت سے اسے دوبارہ بیان کیے دیتے ہیں۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

ایک نابینا شخص رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: حضور! اللہ عزوجل سے میری شفایابی کی دعا فرما دیں! اس کی درخواست سن کر حضور رحمتِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَهُوَ خَيْرٌ۔

ترجمہ: اگر تم چاہو تو میں (تمھارے حق میں) دعا کر دوں اگر تم چاہو تو صبر کرو، یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔

انھوں نے کہا: حضور! دعا ہی فرما دیں۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ان سے فرمایا: اچھا جاؤ! اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ. يَا مُحَمَّدُ! اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰى لِیْ. اَللّٰهُمَّ! شَفِّعْهُ فِیَّ۔

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے رحمت والے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے وسیلے سے تیری بارگاہ کی جانب متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم) میں آپ کے وسیلے سے، اپنی

حاجت کے سلسلے میں اپنے رب کی جانب متوجہ ہوتا ہوں؛ تاکہ میری حاجت پوری کر دی جائے۔ اے اللہ! میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما۔

یہ دعا مانگتے ہی وہ شخص انکھیارے ہو گئے۔ [۱]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بخدا نہ ہم جدا ہوئے اور نہ ہمارے درمیان بہت طویل کلام ہوا حتی کہ وہ شخص بالکل صحیح وسالم ہو کر واپس آ گیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کبھی نابینا ہوا ہی نہ ہو۔

اس حدیثِ پاک میں **توسل** کا ثبوت بھی ہے اور **ندائے یارسول اللہ** کا جواز بھی۔ اسے حضرتِ امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی تاریخ کبیر میں، حضرت امام محمد بن یزید ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے اپنی سنن میں اور حضرت امام محمد بن عبد اللہ حاکم علیہ الرحمہ نے المستدرک علی الصحیحین میں، سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت امام جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین بن ابو بکر سیوطی علیہ الرحمہ نے بھی اس کو "الجامع الکبیر" اور "الجامع الصغیر" میں روایت کیا ہے۔ [۲]

---

[۱] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی ، کتاب الدعوات، رقم الحدیث: ۳۹۲۷۔ المعجم الکبیر، للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، ج:۹، ص: ۳۱، رقم الحدیث: ۸۳۱۱۔ المسند، للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، ج: ۲۸، رقم الحدیث: ۱۷۲۴۰۔ عمل الیوم واللیلۃ، للامام احمد بن شعیب النسائی، ص: ۴۱۸، رقم الحدیث: ۶۶۰۔ الصحیح، للامام ابی بکر محمد بن اسحٰق ابن خزیمۃ، ج: ۲، ص: ۲۲۵۔ دلائل النبوۃ، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی، ج: ۶، ص: ۱۶۶

[۲] التاریخ الکبیر، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، ج: ۶، ص: ۲۰۹۔ السنن، للامام محمد بن یزید ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ما جاء فی صلاۃ الحاجۃ، رقم الحدیث: ۱۳۴۸۔ المستدرک علی الصحیحین، للامام ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشابوری، ج: ۱، ص: ۷۰۷۔ الجامع الصغیر، للامام جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی، رقم الحدیث: ۱۲۷۹۔ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، للامام علی بن عبد اللہ الحسنی السمہودی، ص: ۱۰۸

وصالِ اقدس کے بعد وسیلے کا ثبوت:

وسیلے کا انکار کرنے والے وہابی وغیر مقلدین کہہ سکتے ہیں کہ اِس طرح کا توسل رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی حیاتِ ظاہری میں جائز تھا اور اب جائز نہیں ہے۔ ان کا یہ قول باطل اور نا قابلِ قبول ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے وصال فرمانے کے بعد بھی صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام نے اِس دعا کا استعمال فرمایا ہے۔ نیز متعدد احادیثِ کریمہ وصالِ اقدس کے بعد جوازِ توسُّل کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں، جیسا کہ ندائے یارسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی بحث میں تفصیلاً مذکور ہوا؛ لہٰذا منکرین کا انکار باطل ومردود ہے۔

علامہ سید علی بن عبد اللہ بن احمد حسنی سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی وفاتِ اقدس کے بعد آپ سے توسّل کرنے کے جواز پر وہ حدیثِ پاک بھی دلالت کر رہی ہے جسے حضرت امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو الجوزاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

قُحِطَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ قَحْطًا شَدِيْدًا فَشَكَوْا اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقَالَتْ اُنْظُرُوْا اِلٰى قَبْرِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كُوَّةً اِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ

الْإِبِلُ حَتّٰی تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ۔ [۱]

ترجمہ: اہلِ مدینہ ایک مرتبہ سخت قحط کا شکار ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں آ کر فریاد کی۔ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا:

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی قبرِ انور کے پاس جاؤ اور آسمان کی طرف ایک روشن دان کھول دو، یہاں تک کہ قبرِ انور اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔

انھوں نے ایسا ہی کیا، تو انھیں بارش سے خوب سیراب کیا گیا۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہوگئی۔ اونٹ اس قدر موٹے تگڑے ہو گئے کہ لگتا تھا کہ چربی کی کثرت کی وجہ سے پھٹ جائیں گے۔ اسی وجہ سے اس سال کو "عام الفتق" (اونٹوں کے شکم سیر ہونے والا سال/فربہی والا سال) کہا جاتا ہے۔

امام زین الدین علامہ ابوبکر حسین بن عمر قرشی عثمانی مصری مراغی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

قحط سالی کے زمانے میں آسمان کی جانب روشن دان کھولنا اہلِ مدینہ کا دستور رہا ہے۔ وہ لوگ حجرۂ مقدسہ میں گنبد کے اندرونی حصہ میں ایک روشن دان کھول دیتے ہیں، اگرچہ قبرِ انور اور آسمان کے درمیان چھت حائل ہو۔ [۲]

علامہ سید علی بن عبد اللہ سمہودی علیہ الرحمہ نے علامہ ابو حفص عمر بن حسن مراغی علیہ الرحمہ کے کلام کے بعد فرمایا:

آج کل اہلِ مدینہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مواجہہ شریف کی طرف دروازہ کھولتے

---

[۱] السنن، للامام ابی محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی، المقدمۃ، باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ ﷺ بعد موتہ، ج:۱،ص:۲۲۷، رقم الحدیث: ۹۳

[۲] خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، للامام السید علی بن عبد اللہ بن احمد سمہودی، ص: ۲۹۰

ہیں اور وہاں جمع ہوتے ہیں۔ [۱]

اس عمل سے ان کا مقصد صرف نبیِّ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا وسیلہ پیش کرنا اور حضور سے شفاعت کی درخواست کرنا ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی قدر ومنزلت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں بہت زیادہ ہے۔

ولادتِ اقدس سے پہلے وسیلے کا ثبوت:

قبولیتِ دعا کے لیے اللہ عزوجل کی بارگاہِ اقدس میں، اُس کے حبیب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا وسیلہ پیش کرنا ایسا محمود ومرغوب عمل ہے کہ حضراتِ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم بھی اس سے بے نیاز نہ ہو سکے اور انھوں نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ولادتِ مبارکہ سے قبل ہی انھیں وسیلہ بنانے کا شرف حاصل کیا، جیسا کہ حدیثِ پاک سے ثابت ہے کہ جب حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شجرِ ممنوع (جس درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا، اس کا پھل) کھا لیا تھا تو انھوں نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے وسیلے ہی سے، رب تبارک وتعالیٰ سے دعا کی تھی، حالاں کہ اُس وقت آقاے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا وجودِ ظاہری نہ ہوا تھا۔

اسے حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دلائل النبوۃ، وہ عظیم الشان کتاب ہے جس

---

[۱] خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، للامام السید علی بن عبد اللہ بن احمد سمہودی، ص: ۲۹۰

کے بارے میں حضرت امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی ترکمانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

عَلَيْكَ بِهٖ. فَإِنَّهٗ كُلُّهٗ هُدًى وَّنُوْرٌ. [۱]

ترجمہ: اس کتاب کا مطالعہ خود پر لازم کرلو! کیوں کہ یہ سراپا ہدایت و نور ہے۔

اِس حدیثِ توسُّل کو حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی علیہ الرحمہ نے فاروقِ اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَمَّا اقْتَرَفَ اٰدَمُ الْخَطِيْئَةَ قَالَ: يَا رَبِّ! اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِيْ. فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَا اٰدَمُ! كَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ اَخْلُقْهُ؟ قَالَ: يَا رَبِّ! اِنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ رَفَعْتُ رَأْسِيْ فَرَاَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. فَعَلِمْتُ اَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰى اِسْمِكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ. فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: صَدَقْتَ يَا اٰدَمُ! اِنَّهٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ وَاِذْ سَئَلْتَنِيْ بِحَقِّهٖ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ. وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ. [۲]

ترجمہ: جب حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے (اجتہادی) خطا ہوگئی، تو رب تعالیٰ

---

[۱] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ، للامام محمد بن عبدالباقی الزرقانی، ج:۱، ص:۱۲۰۔ شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق، للامام یوسف بن اسماعیل النبھانی، ص:۱۵۶

[۲] دلائل النبوۃ، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی، ج:۵، ص:۴۸۹۔ المستدرک علی الصحیحین، للامام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری، ج:۲، ص:۶۱۵۔ المعجم الاوسط، للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، ج:۷، ص:۲۵۹، رقم الحدیث:۶۴۹۸۔ المعجم الصغیر، للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، ج:۲، ص:۸۲/۸۳

کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے ۔اے میرے رب! **تجھے محمد** (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم) **کا واسطہ! مجھے بخش دے**۔ ان کی درخواست پر، رب تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تو نے (میرے محبوب) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم) کو کیسے جانا؟ جب کہ میں نے انھیں اب تک پیدا نہیں کیا ہے۔

عرض کی: اے میرے رب! جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کو دیکھا تو اس کے ستونوں پر "لا إله الا الله محمد رسول الله" لکھا پایا۔ تو میں نے جان لیا کہ جس ذات کے نام کو تو نے اپنے نامِ اقدس کے ساتھ ملایا ہے وہ تیرے نزدیک یقیناً ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ (اسی لیے میں نے ان کا وسیلہ پیش کیا ہے)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

اے آدم! تو نے سچ کہا۔ بے شک وہ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے محبوب ہیں۔ اب چوں کہ تو نے ان کے وسیلے سے دعا کی ہے اس لیے میں نے تجھے بخش دیا۔ اور (سنو! ان کی شان تو یہ ہے کہ) **اگر انھیں وجود بخشنا منظور نہ ہوتا تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔**

اسے حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کرنے کے بعد، سند کے لحاظ سے صحیح قرار دیا ہے اور حضرت امام سلیمان بن احمد بن طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کرنے کے بعد یہ اضافہ فرمایا:

وَهُوَ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ.

ترجمہ: وہ تیری اولاد میں آخری نبی ہوں گے۔

اسے درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے :[۱]

اس حدیثِ پاک سے واضح ہوا کہ ابو البشر سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے رسولِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو ان کی پیدائش سے **کئی ہزار سال قبل اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا**؛ بلکہ غور کرنے سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ رب تبارک و تعالیٰ نے خود حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم دیا کہ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وبارک وسلم کو وسیلہ بنائیں۔

اس حدیثِ پاک سے وہابیوں کے اس فریب کی قلعی کھل گئی کہ جس سے توسل کیا جارہا ہے اس کا اس دنیا میں رہنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ حضرتِ آدم علیہ الصلاۃ و السلام نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے اس وقت توسل کیا تھا جس وقت آپ کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی حدیثِ مبارک کے مفہوم کو شعر کی لڑی میں پرو کر بیان کیا ہے۔

---

[۱] التاریخ، للامام ابی القاسم علی بن الحسن ابن عساکر الدمشقی، ج: ۲، ص: ۳۵۹/۳۶۰
مجمع الزوائد، للامام علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی ج: ۸، ص: ۲۵۳
البدایۃ والنہایۃ، للامام عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۱۳۱
خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، للامام علی بن عبد اللہ الحسنی السمہودی، ص: ۱۰۷
الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم، للامام احمد بن محمد بن حجر سعدی المکی الہیتمی، ص: ۱۱۰
المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، للامام شہاب الدین ابی العباس احمد بن محمد القسطلانی، ج: ۱، ص: ۱۱۹، مطبوعہ دار المعرفۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان
شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، للامام تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی الشافعی، ص: ۳۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے "خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ" میں یہ بھی فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو وسیلہ بنانا، حضور سے شفاعت طلب کرنا اور ان سے برکت حاصل کرنا مرسلینِ عظام علیہم الصلاۃ والتسلیم کا طریقہ اور سلفِ صالحین کی سنتِ مبارکہ ہے۔ مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے بہت سے علما نے کتب مناسک (یعنی حرمین شریفین کی زیارت کے آداب پر مشتمل کتابوں) میں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے آداب میں لکھا ہے کہ زیارت کرنے والے کے لیے قبر شریف کی طرف رخ کرنا، گناہوں کی بخشش اور قضائے حاجات کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں **حضور کو وسیلہ بنانا اور ان سے شفاعت کی درخواست کرنا مسنون ہے۔** [۱]

قبر سے توسل محض قبر ہونے کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی آرام گاہ ہے۔ ذرا عظمتِ مصطفیٰ ملاحظہ کریں کہ جو خاک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے جسمِ اقدس سے مس ہوگئی اور جسے حضور کی مبارک رفاقت نصیب ہوگئی وہ بھی اس قابل ہوگئی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے بارگاہِ رب ذوالجلال میں وسیلہ بنانے کا حکم دے دیا۔ تو جن کے جسمِ منور کے طفیل قبر کو یہ مرتبہ نصیب ہوا انھیں وسیلہ کیوں نہیں بنایا جا سکتا؟۔

---

[۱] خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفیٰ، للامام السید علی بن عبد اللہ بن احمد سمہودی، ص: ۲۹۰

احمقانہ سوال:

وہابی حضرات، ہمارے امام سراج الامہ، کاشف الغمہ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خار کھاتے ہیں، دن رات ان کی عظمت وجلالت کم کرنے کی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں۔ یہ نادان سنیوں کو چڑھاتے ہوئے، اپنی گندی زبان سے بکواس کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آپ حضرات کے امامِ اعظم کی عربی یعنی صرف ونحو بہت کمزور تھی، انھیں تو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ " خبر "مرفوع ہوتی ہے یا منصوب۔ " ابٌ "اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے۔ حالتِ رفع میں اس کا اعراب "واو " ہے نہ کہ " الف "۔ اس کے باوجود آپ کے امام صاحب نے اس شعر میں " **وهو أباك** " کہا ہے۔ حالاں کہ انھیں " **أبوك** " کہنا چاہئے! کیوں کہ یہ "**هو** "مبتدا کی خبر واقع ہے۔ آپ لوگ بلا وجہ ان کی تقلید کرتے اور ان کی تعریف وتوصیف کے گن گاتے پھرتے ہو، انھیں تو اسمائے ستہ مکبرہ کے اعراب کا بھی علم نہیں تھا۔

جواب:

ہمارے امام سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اعتراض کرنے والے وہابیوں نے علومِ عربیہ بالخصوص صرف ونحو میں اپنی جہالت اور بے مایگی کو ثابت کر دیا ہے۔ ان لکیر کے فقیروں کو کیا معلوم کہ اسمائے ستہ مکبرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ جب یہ غیر یائے متکلم کی جانب مضاف ہوتے ہیں تو رفع ونصب وجر تینوں حالتوں میں ان کا اعراب الف کے ساتھ ہوتا ہے۔ چناں چہ یہ شعر اسی لغت پر ہے۔ اسی لیے " ابا " حالتِ رفع میں

ہونے کے باوجود "الف" کے ساتھ ہے۔ وہابیو! دیکھ لو ہمارے امام صاحب علوم وفنون پر کتنی گہری نظر رکھتے ہیں۔

(۱۰)

وَبِكَ الخَلِيلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهُ	بَرْدًا وَقَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاكَا

ترجمہ :اور یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ ہی کے وسیلے سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے دعا مانگی تو ان (کے لیے جلائی گئی نمرود) کی آگ سرد پڑ گئی اور آپ کے نور کی چمک سے اس کی سوزش جاتی رہی۔

حلِّ لغات:

- دَعَالَہٗ :دعا کرنا، عَلَیْہِ :بددعا کرنا، اِلَیْہِ :بلانا از بابِ نصر۔
- نار: آگ، جمع نِیْرَان۔
- خَمِدَت :فعلِ ماضی معروف، صیغہ واحد مؤنث غائب، از باب سمع، بجھنا، سرد ہونا۔

تشریح:

اِس شعر میں اللہ عزوجل کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور آتش کدۂ نمرود کا تذکرہ ہے، اس لیے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا، اِسی ضمن میں ان کو آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ اجمالی طور پر لکھا جائے گا، پھر شعر کی تشریح کی جائے گی۔

حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کا مختصر تعارف:

اسمِ گرامی: حضرت کا مقدّس نام ''ابراہیم'' ہے، یہ آبٌ کَرِیْمٌ سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں ''مہربان باپ''۔ چوں کہ حضرت بہت مہربان تھے، یوں ہی مہمان نوازی اور رحم و کرم میں بھی وہ بہت مشہور ہیں، اسی لیے ان کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ عہد نامہ قدیم میں مختلف مقامات پر حضرت کا نام ابرام، ابراہم، ابرہم، براہم اور براہمہ مذکور ہے۔ یہ تمام الفاظ ابراہیم ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ [۱]

لقب و کنیت: آپ کا لقب **خلیل اللہ** ہے یعنی اللہ کا دوست اور کنیت **ابو الضِّیْفَان** ہے یعنی بہت زیادہ مہمان نوازی کرنے والے۔ [۲]

نسب نامہ: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کی نسلِ پاک سے ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے حضرت کا نسب نامہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے: ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن ساروغ بن راغو بن فالغ بن عابر بن شالح بن ارفخشذ بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام۔ [۳]

اِس نسب نامے سے واضح ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد حضرت تارخ ہیں، نہ کہ آزر۔ آزر بت پرست، بلکہ بت فروش بھی تھا، جب کہ حضرت تارخ سچے موحّد (توحید پرست) تھے۔ اور قرآنِ کریم میں جو آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اب یعنی والد کہا گیا ہے تو اس سے حقیقی باپ نہیں؛ بلکہ عرفی باپ یعنی چچا مراد ہے۔ اِس کی تحقیق

---

[۱] سیرۃ الانبیاء، للعلامۃ المفتی محمد قاسم العطاری، ص: ۲۵۶ / ۲۵۷

[۲] المصدر السابق

[۳] قصص الانبیاء، للعلامۃ اسماعیل بن عمر بن کثیر، ص: ۱۶۷

پیر ومرشد حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی تحقیقی کتاب ''تحقیق أن أبا إبراهيم تارخ لا آزر'' میں مذکور ہے۔

واقعۂ ولادت: مورخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ نمرود بن کنعان نے خواب دیکھا کہ ایک ستارہ طلوع ہوا، جس کی روشنی کے سامنے چاند اور سورج بھی بے نور ہو گئے۔ اس خواب سے وہ بہت خوف زدہ ہوا اور تعبیر بتانے والوں سے اس کی تعبیر دریافت کی۔ انھوں نے کہا:

اس سال تیری سلطنت میں ایک بچہ پیدا ہوگا، جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا اور اس کے ہاتھوں تجھے خدا ماننے والے ہلاک ہوں گے۔

یہ سن کر وہ حواس باختہ ہو گیا اور فوراً فرمان جاری کیا کہ جو بچہ بھی پیدا ہو، اسے قتل کر دیا جائے اور مردوں کو ان کی بیویوں سے جدا رکھا جائے۔ پھر اس نے اس کام کے لیے باضابطہ ایک محکمہ قائم کیا؛ لیکن **تقدیراتِ الٰہیہ** کو کون ٹال سکتا ہے؟ چناں چہ اسی سال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدۂ محترمہ حاملہ ہو گئیں، لیکن عمر کم ہونے کے سبب ان کا حمل ظاہر نہ ہوا۔ اِدھر حضرت ابراہیم علیہ السلام شکمِ مادر میں آئے، اُدھر کاہنوں نے نمرود کو بتا دیا کہ وہ بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں جلوہ گر ہو چکا ہے۔ یہ سن کر نمرود کی چیخیں نکل گئیں۔ جب ولادت کا وقت قریب آیا تو والدۂ محترمہ اُس تہ خانے میں چلی گئیں جو آپ کے والد حضرت تارخ نے شہر سے دور پہلے ہی تیار کر دیا تھا، **اُسی تہ خانے میں حضرتِ خلیل اللہ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔**[۱]

---

[۱] لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بتفسیر الخازن، للامام علاء الدین علی بن محمد الشہیر بالخازن، سورۃ الانعام، تحت الآیۃ: ۷۶

نمرود بن کنعان : نمرود بن کنعان اس زمانے کا بہت بڑا بادشاہ تھا۔ اللہ رب العزت نے اسے بڑی وسیع و عریض سلطنت عطا فرمائی تھی، لیکن اللہ عزوجل کا شکر ادا کرنے اور اس کی اطاعت کے بجائے اس نے تکبر و غرور اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا، یہاں تک اپنی ربوبیت کا دعویٰ کرنے اور لوگوں سے زبردستی اپنی عبادت کروانے لگا۔

بعثت: اللہ رب العزت نے نمرودِ مردود اور اس کی بت پرست قوم کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ چناں چہ حضرت نے اپنے چچا آزر اور بت پرست قوم کے سامنے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا، ان کے سامنے انتہائی مستحکم طریقے پر، دلائلِ توحید پیش فرمائے، بت پرستی کی سخت مذمت فرمائی، اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈرایا اور انتہائی موثر انداز میں انھیں نصیحتیں کیں، مگر ہٹ دھرم قوم شرک و بت پرستی پر اڑی رہی اور کسی بھی طرح سے حضرتِ خلیل علیہ السلام کی پر مغز نصیحتیں ماننے کے لیے تیار نہ ہوئی۔

چناں چہ ایک دن موقع پا کر، آپ ان کے سب سے بڑے بت کدہ (مندر) میں تشریف لے گئے اور ایک بڑے مضبوط ہتھوڑے کے ذریعے، سب سے بڑے بت کے علاوہ سبھی بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ اپنے خداؤں کی یہ درگت دیکھ کر کفار سخت برہم ہوئے، جاسوس مقرر کیے گئے اور انھوں نے نمرود کے روبرو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام پیش کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قید کر کے نمرود کے دربار میں پیش کیا گیا، نمرود اور اس کے وُزرا (وزیروں) نے حضرت کے خلاف حجت قائم کی، مگر وہاں بھی آپ نے بتوں کی بے بسی پر وہ دلائل قاطعہ قائم فرمائے، جن کا جواب ان کی طاقت سے باہر تھا؛ لیکن وہ ازلی بد بخت اپنی جہالت پر مُصر (اڑے) رہے۔ بالآخر نمرود کے فرمان پر حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کو قید خانے میں ڈالا گیا، پھر ان کو نذرِ آتش کرنے کے لیے انھوں نے

ایک بہت بڑا آتش کدہ (آگ کا گھر) تیار کیا، کئی ہفتے لکڑیاں جمع کرنے کے بعد اسے جلایا، جب اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے تو ان بدبختوں نے اللہ کے خلیل علیہ السلام کو منجنیق (پتھر وغیرہ پھینکنے کا آلہ) کے ذریعے اُسی آگ میں ڈال دیا، مگر اللہ عزوجل کے حکم سے وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کی ہمت وجرأت نہ کرسکی۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

غرض یہ کہ اللہ رب العزت نے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقامِ خُلّت اور بے شمار فضائل سے سرفراز فرمایا، یہاں تک کہ قرآنِ مجید کی سیکڑوں آیاتِ شریفہ میں ان کے اوصاف وکمالات کا تذکرۂ جمیل بھی فرمایا۔ مذکورہ بالا سطور میں آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں انتہائی اختصار وجامعیت کے ساتھ حضرت کی سیرتِ پاک کے اہم گوشے پیش کیے گئے ہیں، ان کی مقدّس سیرت کی تفصیلی معلومات کے لیے سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۲۴ تا ۱۴۱، سورۂ انعام، آیت نمبر ۷۴ تا ۸۶، سورۂ ہود آیت نمبر ۶۹ تا ۷۶، سورۂ ابراہیم، آیت نمبر ۳۵ تا ۴۱، سورۂ حجر، آیت نمبر ۷۴ تا ۸۶، سورۂ مریم، آیت نمبر ۴۱ تا ۵۰، سورۂ انبیاء، آیت نمبر ۵۱ تا ۷۳، سورۂ شعراء، آیت نمبر ۶۹ تا ۸۹، سورۂ عنکبوت، آیت نمبر ۱۶ تا ۲۷، سورۂ صٰفّٰت، آیت نمبر ۸۳ تا ۱۱۳ وغیرہا کا تفسیری مطالعہ بے حد مفید ثابت ہوگا۔

صاحبِ قصیدہ حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اِس شعر میں فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کا آتش کدۂ نمرود میں صحیح وسالم رہنا فقط اس لیے تھا کہ انھوں نے ہمارے آقا حضور احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے وسیلے سے دعا کی تھی اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا نورِ مبین اُن کی پشت میں جلوہ گر تھا۔

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ:

ہوتا تو یہ ہے کہ اولاد کے وجود میں ماں باپ وسیلہ اور ذریعہ بنتے ہیں۔ ان پر ان کے والدین کا احسان ہوتا ہے؛ لیکن آقائے دو جہاں سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ایسے منفرد و یکتا اور بے مثال فرزند ہیں جن کا وجودِ مسعود اپنے آبا واجداد کا مرہونِ منت نہیں ہے؛ بلکہ حضرت سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر ابو البشر حضرت سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام تک اور حضرت سیدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لے کر ام البشر حضرت سیدتنا حوّا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک آپ کے جتنے بھی آبا واجداد ہوئے اور جس قدر بھی اُمہات وجدات ہوئیں وہ سب اپنے وجود میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے محتاج ہیں۔ ان سب پر حضور کا احسان ہے۔ ان کے حصے میں جو بھی عظمتیں اور رفعتیں آئیں وہ سب حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے بحرِ جود کے چند قطرے ہیں۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصیدۂ بردہ میں فرماتے ہیں:

فَاِنَّ مِنۡ جُوۡدِكَ الدُّنۡيَا وَ ضَرَّتَهَا   وَمِنۡ عُلُوۡمِكَ عِلۡمَ اللَّوۡحِ وَالۡقَلَمِ

ترجمہ: یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! بے شک دنیا اور آخرت آپ کے دریائے جود و سخاوت کا ایک قطرہ ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علومِ بے کراں کا ایک حصہ ہے۔

حضرت سیدنا نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہی؛ کیوں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام بشکلِ نور اُن کی پشت میں جلوہ گر تھے۔ اِسی طرح حضرت سیدنا یونس علیہ الصلاۃ والسلام کا مچھلی کے پیٹ میں سلامت رہنا، حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ و

السلام پر آگ کا گلزار بن جانا، حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کا ذبح ہونے سے محفوظ رہنا اور حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قربان ہونے سے سلامت رہنا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے مقدس نور کی برکت سے تھا۔

یہ حقیقت متعدد احادیثِ کریمہ سے ثابت ہے، چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں!

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَيْنَ كُنْتَ وَآدَمُ فِي الْجَنَّةِ؟ قَالَ: كُنْتُ فِي صُلْبِهٖ وَأُهْبِطَ إِلَى الْأَرْضِ وَأَنَا فِي صُلْبِهٖ وَرَكِبْتُ السَّفِيْنَةَ فِي صُلْبِ أَبِي نُوْحٍ وَقُذِفْتُ فِي النَّارِ فِي صُلْبِ أَبِي إِبْرَاهِيْمَ۔ لَمْ يَلْتَقِ لِي أَبَوَانِ قَطُّ عَلَى سِفَاحٍ. لَمْ يَزَلْ يَنْقُلُنِي مِنَ الْأَصْلَابِ الطَّاهِرَةِ إِلَى الْأَرْحَامِ النَّقِيَّةِ مُهَذَّبًا۔[۱]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! جب حضرتِ آدم جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا: میں ان کی پشت میں (بشکل نور) تھا، اور جس وقت انھیں زمین پر اتارا گیا، اس وقت بھی میں ان کی پشت میں جلوہ گر تھا اور میں اپنے والد نوح کی پشت میں (رہ کر) کشتی پر سوار ہوا اور مجھے اپنے والد ابراہیم کی پشت میں آگ میں ڈالا گیا اور میرے والدین کبھی بھی بے حیائی پر جمع نہیں ہوئے۔ میں ہر زمانے میں پاک وطاہر پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی جانب منتقل ہوتا رہا ہوں۔

(۲) ابھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیثِ پاک گزری کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

---

[۱] الوفا باحوال المصطفیٰ، للامام جمال الدین عبد الرحمٰن ابن الجوزی ج:۱،ص:۲۸۔ اللآلی المصنوعۃ، للامام جلال الدین السیوطی، ج:۱،ص:۲۸۱ والدر المنثور، للامام جلال الدین السیوطی، ج:۶،ص:۳۳۲

لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِیْئَةَ قَالَ: یَا رَبِّ! اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِیْ. فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: یَا آدَمُ! كَیْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَ لَمْ اَخْلُقْهُ؟ قَالَ: یَا رَبِّ! اِنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِیْ رَفَعْتُ رَأْسِیْ فَرَأَیْتُ عَلٰی قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. فَعَلِمْتُ اَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰی اِسْمِكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَیْكَ. فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: صَدَقْتَ یَا آدَمُ! اِنَّهٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ وَاِذْ سَئَلْتَنِیْ بِحَقِّهٖ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ. وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ. [۱]

ترجمہ: جب حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے (اجتہادی) خطا ہو گئی، تو رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے: اے میرے رب! تجھے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم) کا واسطہ! مجھے بخش دے۔ ان کی درخواست پر، رب تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تو نے (میرے محبوب) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم) کو کیسے جانا؟ جب کہ میں نے انھیں اب تک پیدا نہیں کیا ہے۔

عرض کی: اے میرے رب! جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کو دیکھا تو اس کے ستونوں پر "لا إله الا الله محمد رسول الله" لکھا پایا۔ تو میں نے جان لیا کہ جس ذات کے نام کو تو نے اپنے نام اقدس کے ساتھ ملایا ہے وہ تیرے نزدیک یقیناً ساری مخلوق میں سب سے محبوب ہے۔ (اسی لیے میں نے ان کا وسیلہ پیش کیا ہے) اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

---

[۱] دلائل النبوۃ، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی، ج:۵، ص:۴۸۹۔ المستدرک علی الصحیحین، للامام ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشابوری، ج:۲، ص:۶۱۵۔ المعجم الاوسط، للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، ج:۷، ص:۲۵۹، رقم الحدیث:۶۹۸۳۔ المعجم الصغیر، للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، ج:۲، ص:۸۲/۸۳

اے آدم! تو نے سچ کہا۔ بے شک وہ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے محبوب ہیں۔ اب چوں کہ تو نے ان کے وسیلے سے دعا کی ہے اس لیے میں نے تجھے بخش دیا۔ اور (سنو ان کی شان تو یہ ہے کہ) اگر انھیں وجود بخشنا منظور نہ ہوتا تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

اسے حضرت امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشا پوری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کرنے کے بعد، سند کے لحاظ سے صحیح قرار دیا ہے اور حضرت امام سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کرنے کے بعد یہ اضافہ فرمایا:

وَهُوَ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ.

ترجمہ: وہ تیری اولاد میں آخری نبی ہوں گے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے تمام آبا و اجداد کا ہلاکت سے محفوظ رہنا مشیتِ الٰہی کے عین مطابق تھا؛ کیوں کہ اس نے ازل ہی میں یہ مقدر کر دیا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اولادِ آدم میں آخری نبی ہوں گے۔ ان پر نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا احسان آپ کے جملہ آبا و اجداد پر ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام بھی حضور کے جدِّ محترم ہیں۔ ان کا وجود بھی حضور کا مرہونِ منت ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس شعر میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

اسی طرح عمِّ رسول حضرت سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا تھا:

وَرَدْتَّ نَارَ الْخَلِيلِ مُكْتَتِمًا　　فِيْ صُلْبِهٖ أَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ کی شان یہ ہے کہ آپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی پشت میں رہ کر آتش کدۂ نمرود میں داخل ہوئے (جب آپ بشکلِ نوران کی پشت میں جلوہ گر تھے) تو بھلا وہ کیسے جل سکتے تھے۔[۱]

کیا ہی خوب کہا ہے امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے:

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی ۔۔۔ وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا

(۱۱)

وَدَعَاكَ اَيُّوبُ لِضُرٍّ مَسَّهُ	فَاُزِيْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِيْنَ دَعَا كَا

ترجمہ: یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! جب حضرت سیدنا ایوب علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی مصیبت کے وقت آپ (کے وسیلے سے اللہ عزوجل) کو پکارا تو پکارتے ہی ان کی پریشانی دور کردی گئی۔

حلِّ لغات:

- مَسَّ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ نصر و سمع بمعنٰی چھونا، پہنچنا۔
- ضُر: واحد جمع اَضرار. نقصان، تنگی، بدحالی۔
- اُزِيْل: فعلِ ماضی مجہول، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ اِفعال، دور کرنا۔

تشریح:

اس شعر میں صاحبِ قصیدہ نے جلیل القدر پیغمبر حضرت سیدنا ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکرِ جمیل فرمایا ہے، اس لیے شعر کی تشریح کرنے سے پہلے، ان کی سوانح حیات

[۱] المدیح النبوی، للعلامہ یس اختر المصباحی، ص: ۲۷

کے چند گوشے پیش کر دینا مناسب معلوم ہو رہا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی مختصر سوانح:

آپ کا نامِ اقدس ایوب ہے اور نسب مبارک میں اختلاف ہے؛ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت کے والد کا نام "اموص" ہے۔ ہاں والدۂ محترمہ کے نام میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام لیّا بنت یعقوب ہے، جب کہ کچھ کا کہنا ہے کہ ان کا نام لیاؔ بنت منسا بن یعقوب ہے۔ یہ قول زیادہ مشہور ہے۔[۱]

والد کی جانب سے ان کا نسب خلیل اللہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔ ایک قول کے مطابق نسب نامہ یہ ہے: ایوب علیہ السلام بن اموص بن زارح بن عیص بن حضرت اسحاق علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ [۲]

والدہ کی جانب سے حضرت ایوب علیہ السلام حضرت سیدنا لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آپ کی زوجۂ محترمہ کا نام رحمت ہے اور یہ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے بیٹے حضرت افرائیم کی شہزادی تھیں۔ [۳]

مال و دولت کی فراوانی:

مفسرین و مورخین فرماتے ہیں:

---

[۱] قصص الانبیاء، للحافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، ص: ۲۵۹

[۲] النبوۃ والانبیاء، للامام ابی عثمان اسماعیل بن عبد الرحمٰن الصابونی، ص: ۲۷۶

[۳] سیرت الانبیاء، للمفتی محمد قاسم العطاری، ص: ۴۷۷

حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس تمام انواع و اقسام کے کثیر اموال تھے، جن میں غلام، مویشی، دیگر جانور اور وسیع و عریض زمینیں داخل ہیں۔ اسی طرح انھیں کثیر اولاد سے بھی نوازا گیا تھا۔[۱]

دورِ آزمائش:

اللہ ربُّ العزت نے حضرت ایوب علیہ السلام پر بے شمار انعامات و احسانات فرمائے تھے۔ آپ ان پر اللہ عزوجل کا شکر ادا فرماتے، مسکینوں پر رحم کرتے، یتیموں کی کفالت فرماتے، بیواؤں کی مدد کرتے، مہمانوں کی عزت کرتے، ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے اور مسافروں کی خیر خواہی فرماتے تھے۔ غرض یہ کہ حقوق اللہ بھی ادا کرتے اور حقوق العباد بھی بجالاتے۔ پھر جب اللہ عزوجل نے ان کے درجات مزید بلند کرنے چاہے تو انھیں آزمائش میں مبتلا فرمایا۔

قرآنِ مقدس میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۚۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝ [۲]

ترجمہ: اور ایوب کو یاد کیجیے! جب انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی، تو ان کو جو تکلیف تھی اس کو ہم نے دور کر دیا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے

---

[۱] قصص الانبیاء، للعلامہ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، قصۃ ایوب علیہ السلام، ص: ۳۳۶

[۲] سورۃ الانبیاء، رقم الآیۃ: ۸۳/ ۸۴

(پہلے سے) دو گنے اہل وعیال عطا فرمائے اور یہ عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔

جب دورِ آزمائش شروع ہوا، تو یہ ساری نعمتیں ان سے سلب کر لی گئیں اور انھیں طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر دیا گیا، یہاں تک کہ ان کے دل اور زبان کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ سلامت نہ رہا۔ اللہ عزوجل کے یہ عظیم الشان پیغمبر صبر کرتے رہے اور صبح وشام خدائے تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرتے رہے۔ ان کے مرض نے اس قدر طول کھینچا کہ ان کے دوست واحباب بھی ان سے اکتا گئے اور ان کو شہر سے نکال کر کچرے کی جگہ میں ڈال کر چلے گئے۔ ان کی نیک بیوی کے سوا سارے لوگ ان سے جدا ہو گئے۔ ان کی زوجۂ صالحہ نے ان کی شفقت ومحبت اور ان کے احسان کو فراموش نہ کیا؛ بلکہ ان کے پاس آتیں اور ضروریات کا سامان فراہم کرتی رہیں۔

جب ان کا سارا مال ختم ہو گیا تو لوگوں کے گھروں میں کام کرنے لگیں اور اس سے جو اجرت حاصل ہوتی اس سے حضرت ایوب علیہ السلام کی حاجتیں پوری کرتیں۔ [۱]

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ ربُّ العزت کی بارگاہِ اقدس میں شفایابی کی دعا کرتے رہے، بالآخر رحیم وکریم رب نے اپنے عظیم پیغمبر کی دعا قبول کی اور ان کی تکلیف اس طرح دور فرمائی کہ ان سے کہا:

زمین پر پاؤں مارو! انھوں نے پاؤں مارا تو ایک چشمہ ظاہر ہوا۔ پھر حکم دیا کہ اس سے غسل کرو! انھوں نے غسل کیا، اس کے سبب بدن کے ظاہری حصے کی تمام بیماریاں دور ہو گئیں۔ پھر آپ چالیس قدم چلے تو دوبارہ زمین پر پاؤں مارنے کا حکم دیا۔

---

[۱] قصص الانبیاء، للحافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، ص: ۲۶۰

آپ نے پاؤں مارا، قدموں کی برکت سے ایک اور چشمہ جاری ہوا، جس کا پانی بہت ٹھنڈا تھا۔ اللہ رب العزت کے حکم سے آپ نے یہ پانی پیا تو اس سے بدن کے اندر کی تمام بیماریاں دور ہو گئیں اور آپ کو اعلیٰ درجے کی صحت وتندرستی حاصل ہو گئی۔[۱]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝ [۲]

ترجمہ: (تو ہم نے انھیں حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا۔

شفایابی کے بعد بیوی سے مکالمہ:

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں:

شفایابی کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو جنتی لباس پہنایا، اس کے بعد آپ ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ جب آپ کی زوجۂ محترمہ آئیں تو انھیں پہچان نہ سکیں اور کہنے لگیں:

اے بندۂ خدا! یہاں جو بیمار تھا وہ کہاں گیا؟ کہیں اسے بھیڑیے تو اٹھا کر نہیں لے گئے؟ انھوں نے گھبراہٹ میں اس طرح کی کئی باتیں کہہ دیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

تیرا بھلا ہو! میں ہی ایوب ہوں۔

انھوں نے عرض کی:

---

[۱] لباب التاویل فی معانی التنزیل، المعروف بتفسیر الخازن، للامام علاء الدین بن علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن، سورۃ الانبیاء، تحت الآیت: ۸۴، ج: ۳، ص: ۲۹۱

[۲] سورۃ ص، رقم الآیۃ: ۴۲

آپ کیوں مجھ سے مذاق کر رہے ہیں؟

آپ نے کہا: یرا بھلا ہو! میں ہی ایوب ہوں۔ اللہ عزوجل نے مجھے دوبارہ صحت وتندرستی سے نوازا ہے۔ [۱]

حضرتِ ایوب علیہ السلام کی بیماری کی کیفیت:

حضرت ایوب علیہ السلام کسی سخت بیماری میں مبتلا کیے گئے تھے؛ لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جو باعثِ نفرت وحقارت ہو؛ کیوں کہ اللہ رب العزت نے حضراتِ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو ایسی چیزوں سے محفوظ فرمایا ہے جن سے لوگ نفرت کریں اور گھن محسوس کریں۔

یوں ہی بعض کتابوں میں جو یہ واقعہ مذکور ہے کہ

بیماری کے دوران معاذ اللہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پیدا ہو گئے تھے، جو آپ کے جسمِ اقدس کو کھاتے تھے۔

تو یہ واقعہ بالکل موضوع اور من گھڑت ہے؛ کیوں کہ جسم میں کیڑے پڑ جانا انبیاے کرام علیہم السلام کی شان سے بہت بعید ہے، اس لیے کہ اس طرح کی بیماری لوگوں کی نفرت وحقارت کا باعث ہوتی ہے؛ لہٰذا خطبا ومقررین کو چاہیے کہ جوشِ خطابت میں حضرتِ ایوب علیہ السلام کی بیماری کا نقشہ اس طرح نہ کھینچیں کہ سننے والوں کو گھن محسوس ہونے لگے۔ یہ ہرگز جائز نہیں ہے، اس سے احتراز ضروری ہے۔ جن حضرات نے آپ کے جسم میں کیڑے

---

[۱] قصص الانبیاء، للعلامہ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، قصۃ ایوب علیہ السلام، ص: ۳۳۹۔ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، للامام الحافظ ابی نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی، ج: ۳، ص: ۳۶۷۔ والمستدرک علی الصحیحین، للامام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشابوری، ج: ۲، ص: ۵۸۲

پڑ جانے کا ذکر کیا ہے اور اسے بڑے بے ڈھنگے پن سے بیان کیا ہے، انھوں نے یقیناً اُن اسرائیلی روایتوں کا سہارا لیا ہے، جو محققین کے نزدیک ثابت نہیں ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں ان کی آل و اولاد کے مر جانے، جانوروں کے ہلاک ہو جانے اور مال و دولت کے ختم ہو جانے کا ذکر ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل کسی حدیثِ صحیح میں نہیں ملتی، لہٰذا کسی بھی نبی کی جانب کوئی ایسی بات منسوب نہ کی جائے جو منصبِ نبوت کے تقاضوں کے خلاف ہو۔

ماضی قریب کے عظیم محقق و سیرت نگار حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ معاذ اللہ آپ کو کوڑھ کی بیماری ہو گئی تھی، چناں چہ بعض غیر معتبر کتابوں میں آپ کے کوڑھ کے بارے میں بہت سی غیر معتبر داستانیں بھی تحریر ہیں، مگر یاد رکھو کہ یہ سب باتیں سرتاپا غلط ہیں اور ہرگز ہرگز آپ یا کوئی بھی نبی، کبھی کوڑھ یا جذام کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا، اس لیے یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ انبیاے کرام علیہم السلام کا ان تمام بیماریوں سے محفوظ رہنا ضروری ہے جو عوام کے نزدیک باعثِ نفرت و حقارت ہیں؛ کیوں کہ انبیاے کرام علیہم السلام کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ وہ تبلیغ و ہدایت کرتے رہیں، تو ظاہر ہے کہ جب عوام ان کی بیماریوں سے نفرت کر کے ان سے دور بھاگیں گے تو بھلا تبلیغ کا فریضہ کیوں کر ادا ہو سکے گا؟

الغرض حضرت ایوب علیہ السلام ہرگز کبھی کوڑھ اور جذام کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوئے، بلکہ آپ کے بدن پر کچھ آبلے اور پھوڑے پھنسیاں نکل آئی تھیں جن سے

آپ برسوں تکلیف اور مشقت جھیلتے رہے اور برابر صابر وشاکر رہے۔ [۱]

نقصان کی تلافی :

عظیم صحابیِ رسول حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اکثر مفسرین کرام فرماتے ہیں:

اللہ رب العزت نے آپ کی تمام اولاد کو زندہ فرمادیا اور آپ کو اتنی ہی اولاد اور عنایت کی۔

اور حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت یوں ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ کو دوبارہ جوانی عنایت کی اور ان کے ہاں کثیر اولاد ہوئیں۔ (سیرت الانبیاء، للعلامہ المفتی محمد قاسم، ص: ۴۸۱/ ۴۸۲)

قرآنِ مقدس میں اللہ رب العزت فرماتا ہے:

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ۝ [۲]

ترجمہ: اور ہم نے انھیں ان کے گھر والے عطا فرمادیے اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ، ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کی نصیحت کے لیے۔

اِس شعر میں حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حضرتِ ایوب علیہ السلام کے مصائب وآلام رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ وبارک وسلم ہی کے طفیل دور ہوئے، اُن کا دورِ آزمائش حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ علیٰ وآلہٖ و صحبہٖ وبارک وسلم ہی کے صدقے میں ختم ہوا اور مال ودولت اور آل واولاد جیسی نعمتیں بھی انھیں

---

[۱] عجائب القرآن مع غرائب القرآن، للعلامہ عبد المصطفیٰ الاعظمی، حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان، ص: ۱۸۱/ ۱۸۲

[۲] سورۃ ص، رقم الآیۃ: ۴۳

دوبارہ اسی وقت ملیں جب انھوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے وسیلے سے اللہ رب العزت سے فریاد کی۔

(۱۲)

وَبِكَ الْمَسِيحُ أَتَى بَشِيرًا مُخْبِرًا	بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَادِحًا بِعُلَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! حضرتِ عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام آپ کی (آمد کی) بشارت دیتے، آپ کے صفاتِ حسن و جمال کی خبر دیتے اور آپ کی رفعت وبلندی کی ثناخوانی کرتے ہوئے تشریف لائے۔

حلِّ لغات:

- بَشِيْر: خوش خبری دینے والا، جمع بُشَرَآء۔
- مُخْبِر: اسمِ فاعل از بابِ اِفعال، خبر دینے والا۔
- صِفَات: واحد، صفت، اوصاف وکمالات۔
- مَادِح: اسمِ فاعل از بابِ فتح، تعریف کرنے والا۔
- عَلَا: اسم، بمعنیٰ بلندی، شرافت۔

تشریح:

اِس شعر میں اللہ عزوجل کے عظیم پیغمبر حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکرِ جمیل ہے، اِس لیے پہلے ان کی حیاتِ طیبہ کے چند اہم گوشے پیش کیے جائیں گے، پھر شعر کی شرح کی جائے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ونسب:

آپ کا مقدس نام عیسیٰ ہے اور آپ کا نسب پاک حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام سے جاملتا ہے۔[۱]

کنیت اور لقب :

آپ کی کنیت ابن مریم ہے اور آپ کے تین القاب ہیں۔

(۱) روح اللہ (۲) مسیح (۳) کلمۃ اللہ

اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے :

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ز [۲]

اس آیتِ کریمہ میں تینوں القاب **مسیح**، **کلمۃ اللہ**، روح اللہ اور لقب **ابن مریم** کے ساتھ آپ کی نبوت ورسالت کا اعلان کیا گیا ہے۔

مسیح کے معنی ہیں چھونے والا، چوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیماروں کو چھو کر شفا دیتے تھے، اس لیے ان کو مسیح کہا گیا۔

کلمۃ اللہ کے معنی ہیں **اللہ کا کلمہ**۔ چوں کہ ان کے جسم اقدس کی پیدائش کلمہَ کُن سے ہوئی، والدین کے نطفے سے نہ ہوئی، اس لیے ان کو **کلمۃ اللہ** کہا گیا۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

---

[۱] تاریخ مدینۃ دمشق الشہیر بتاریخ ابن عساکر للعلامۃ ابی القاسم علی بن حسن الشافعی المعروف بابن عساکر، مریم بنت عمران، ۷۰/۷۵

[۲] سورۃ النسآء، رقم الآیۃ: ۱۷۱ [۳] سورۃ آل عمران، رقم الآیۃ: ۵۹

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

ترجمہ: بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے، اس کو مٹی سے بنایا، پھر اس سے فرمایا: ہوجا سو وہ ہوگیا۔

اور روح اللہ کے معنی ہیں اللہ کی طرف سے خاص روح۔ چوں کہ اللہ رب العزت نے ان کو اپنی طرف سے ایک خاص روح قرار دیا ہے، اسی لیے انھیں روح اللہ کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

اللہ رب العزت نے ان کو، اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعے، حضرت سیدتنا مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ پہلے آپ کی والدۂ محترمہ کو حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام کے ذریعے عظیم المرتبہ فرزند کی بشارت دی گئی، جس پر انھوں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

اے میرے رب! میرے یہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔[۱]

اللہ عزوجل کے حکم سے حضرت جبریلِ امین علیہ السلام نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

اللہ یوں ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اسے صرف اتنا فرماتا ہے: ہوجا! تو وہ کام فوراً ہوجاتا ہے۔[۲]

---

[۱] سورۃ آلِ عمران، رقم الآیۃ: ۴۷

[۲] (سورۃ آلِ عمران، رقم الآیۃ: ۴۷)

ایک دن حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر، مشرق کی جانب تنہائی میں تشریف لے گئیں اور خلوت میں عبادت کرنے کے لیے گھر والوں کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا، تبھی اللہ رب العزت نے ان کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام کو ایک خوب صورت، بے ریش نوجوان کی صورت میں بھیجا۔[۱]

جب حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے پاس تنہائی میں ایک پیچ دار بالوں والے خوب صورت مرد کو دیکھا تو خوف زدہ ہو کر اس سے اللہ عزوجل کی پناہ مانگنے لگیں۔[۲]

حضرت جبریل علیہ السلام نے انھیں خوف زدہ دیکھ کر ان سے فرمایا:

گھبرائیں نہیں! میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں؛ تا کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔[۳]

جب حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اطمینان ہو گیا اور ان کی گھبراہٹ جاتی رہی تو حضرتِ جبریل علیہ السلام نے ان کے گریبان یا آستین میں، یا دامن یا پھر منہ میں دَم کیا اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت سے اُسی وقت حاملہ ہو گئیں۔[۴]

جب حمل کے ظاہری آثار نمودار ہوئے تو اللہ رب العزت نے انھیں الہام کیا کہ وہ اپنی قوم کا علاقہ چھوڑ کہیں دور چلی جائیں۔[۵]

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب آیا، تو درد کی شدت کے سبب حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھجور کے ایک سوکھے درخت کے نیچے آکر بیٹھ گئیں۔ اس وقت وہ انتہائی بے قرار تھیں، ایک طرف دردِ زہ کی شدت، دوسری جانب مستقبل کے معاملات، کہ اپنی قوم کو کیا جواب دوں گی؟

---

[۱] سورۃ مریم، رقم الآیۃ:۱۶؍۱۷ [۲] سورۃ مریم، رقم الآیۃ:۱۸ [۳] سورۃ مریم، رقم الآیۃ:۱۹

[۴] لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بتفسیر خازن، للامام علاء الدین علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن، سورۃ مریم، تحت الآیۃ ۲۱؍۲۲ [۵] سورۃ مریم، رقم الآیۃ:۲۲

بحکمِ الٰہی حضرت جبریلِ امین علیہ السلام نازل ہوئے ، انھوں نے تسلی دیتے ہوئے وادی کے نشیبی حصے سے پکار کر ان سے فرمایا:

غم نہ کھا، بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر بنا دی ہے۔ اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تو تمھارے اوپر تر و تازہ پکی کھجوریں گریں گی۔ تو کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ، پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو (اشارے سے) کہہ دینا کہ میں نے آج رحمٰن کے لیے روزہ کی نذر مانی ہے تو ہرگز میں کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی۔[۱]

حضرت جبریل علیہ السلام کے تسلی بخش کلمات سے انھیں تسلی حاصل ہوگئی اور تھوڑی ہی دیر بعد روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوگئی۔ حضرت مریم رضی اللہ تعالی عنہا انھیں گود میں لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں، قوم نے دیکھتے ہی شدتِ غم سے رونا شروع کر دیا اور کہنے لگے:

اے مریم! بے شک تو بڑی عجیب چیز لائی ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا، نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔[۲]

حضرتِ مریم نے اشارے سے کہا: جو پوچھنا ہے اس سے پوچھو! یہ بچہ جواب دے گا۔

انھوں نے کہا:

ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی اپنی ماں کی گود میں بچہ ہے۔[۳]

---

[۱] سورۃ مریم، رقم الآیۃ: ۲۴ تا ۲۶

[۲] سورۃ مریم، رقم الآیۃ: ۲۷/ ۲۸

[۳] سورۃ مریم، رقم الآیۃ: ۲۵

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پی رہے تھے، یہ سن کر انھوں نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور سیدھے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۪ۖ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۝ وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ۝ [۱]

ترجمہ: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے، خواہ میں کہیں بھی ہوں اور میں جب تک زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکات کی تاکید کی ہے۔ اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور مجھے متکبر اور بدبخت نہیں بنایا ہے۔ اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا کیا گیا اور جس دن میری وفات ہوگی اور جس دن میں (دوبارہ) زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

بعثت اور معجزات:

جب حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام بڑے ہو گئے تو اللہ عزوجل نے انھیں بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور اس زمانے کے حالات کے مطابق، ان کو عظیم الشان معجزات سے سرفراز فرمایا۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر ان کی بعثت اور معجزات کا ذکر ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۬ۙ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ

---

[۱] سورۂ مریم، رقم الآیۃ: ۳۰ تا ۳۳

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ
وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝[1]

ترجمہ: اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا، (یہ کہتا ہوا) کہ میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں، میں تمھارے لیے پرندے کی طرح ایک صورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے والی ہوجاتی ہے، اور میں اللہ کے اِذن سے مادرزاد اندھے اور برص زدہ کو شفا دیتا ہوں اور اللہ کے اذن سے مردے کو زندہ کرتا ہوں اور میں تمھیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، اگر تم مومن ہو تو بے شک ان سب چیزوں میں تمھارے لیے قوی نشانی ہے۔

اِس آیتِ کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درج ذیل پانچ معجزات بیان کیے گئے ہیں:

(۱) مٹی سے بنے پرندے کو پھونک مار کر حقیقی پرندہ بنا دینا۔

(۲) پیدائشی اندھوں کو آنکھوں کا نور عطا کرنا۔

(۳) کوڑھیوں کو شفایاب کرنا۔

(۴) مُردوں کو زندہ کرنا۔

(۵) غیب کی خبریں دینا۔

---

[۱] سورۃ آلِ عمران، رقم الآیۃ: ۴۹

ان سب کی تفصیل کے لیے کتب تفاسیر کی جانب رجوع کرنا چاہیے، یہاں اس کا موقع نہیں۔

حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی بشارت:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قصیدے کے اِس شعر میں اُس آیتِ کریمہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے، جس میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے حضور خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی **تشریف آوری** کی بشارت دی ہے۔ یہ اُن کی بعثت و رسالت کے بنیادی مقاصد میں سے تھا کہ وہ آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی **تشریف آوری کی خوش خبری** سنائیں؛ کیوں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ عزوجل کے آخری پیغمبر ہیں، حضور کا زمانہ تمام نبیوں کے زمانوں کے بعد ہے اور ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آسکتا۔ وہ آیتِ کریمہ یہ ہے:

وَاِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ [۱]

ترجمہ: اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس **عظیم** رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے۔

یہ بشارت دو باتوں کو متضمن ہے:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک

---

[۱] سورۃ الصف، رقم الآیۃ: ۶

وسلم کی آمد کی تبلیغ کا حکم دیا؛ تا کہ جب آپ تشریف لے آئیں تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ قرار پائے۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خبر صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہنچائی ہو اور اپنی امت کو اس کی تبلیغ کا حکم نہ دیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کے صفاتی نام بہت ہیں۔ جن میں چار نام "حمد" سے مشتق ہیں۔ (۱) محمد (۲) احمد (۳) حامد (۴) محمود صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نامِ احمد سے بشارت اس لیے دی کہ حضور، اللہ تبارک وتعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں اور قیامت کے دن آپ اپنے رب کی حمد ایسے کلمات سے کریں گے جن سے کسی نے بھی اس کی حمد نہیں کی ہوگی۔

اس شعر میں "آتی" "وُلِدَ" کے معنیٰ میں ہے۔ اس سے ان نصرانیوں کا رد ہو گیا جو حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہیں؛ کیوں کہ جو پیدا ہوا اور مخلوق ہو وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے؟

رہ گیا ان کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے فرزند ہیں۔ (معاذ اللہ) تو اس کے رد پر ناقابلِ تردید دلائل قائم ہیں، چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ کے اولاد سے پاک ہونے پر دلائل :

ماضی قریب کے محقق بے نظیر حضرت علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اور اولاد سے اپنی براءت پر یہ دلیل قائم فرمائی ہے کہ

اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔وہ پاک ہے۔اللہ کے ولد سے پاک ہونے پر علمانے جو (عقلی) دلائل قائم فرمائے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا بیٹا ہوتو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ بیٹا ازلی اور قدیم ہوگا یا حادث اور ممکن ہوگا۔اگر وہ ازلی اور قدیم ہوتو یہ دو وجہ سے باطل ہے۔ایک وجہ یہ ہے کہ بیٹا باپ سے مؤخر (بعد میں) ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا بیٹا ازلی اور قدیم کیسے ہوسکتا ہے؟ ثانیاً اللہ تبارک وتعالیٰ بھی قدیم ہو اور اس کا بیٹا بھی قدیم ہو تو اس سے تعدُّدِ قدماء اور تعدُّدِ وُجباء لازم آئے گا اور یہ باطل ہے۔اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا بیٹا ہو اور وہ حادث و ممکن ہو تو یہ بھی دو وجہ سے باطل ہے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ جب وہ حادث اور ممکن ہوگا تو پھر خدا نہیں ہوگا اور فرض یہ کیا ہے کہ وہ خدا ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے۔تو جب اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے تو اس کا جو بیٹا فرض کیا گیا ہے وہ بھی واجب اور قدیم ہونا چاہیے اور جب بیٹے کو حادث اور ممکن فرض کیا تو وہ باپ کی جنس سے نہ رہا (کیونکہ وہ ازلی قدیم ہے اور جب اس کی جنس سے نہ ہوا تو اس کا بیٹا بھی نہ ہوا)

(۲) دوسری دلیل لوگوں کے عام عرف اور عادت کے لحاظ سے ہے کہ جس کا بیٹا ہوتا ہے اس کی بیوی ہوتی ہے اور پھر کم وبیش نو ماہ کے بعد بیوی کے بطن سے بیٹا پیدا ہوتا ہے۔ تو اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کا بیٹا وجود میں آتا، جب کہ اللہ رب العزت کی شان یہ ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے اس کے وجود میں آنے میں دیر نہیں لگتی وہ اس چیز کے متعلق فرماتا ہے: ہوجا! اور وہ ہوجاتی ہے۔(ثابت ہوا کہ اللہ ولد سے پاک ہے)

(۳) کائنات کی ہر چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی مملوک ہے۔اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا بیٹا ہوتا

تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا مملوک ہوتا، حالاں کہ بیٹا باپ کا مملوک اور غلام نہیں ہوتا (لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں بیٹے نہیں)۔[۱]

نصرانیوں کے عقیدۂ فاسد کی بنیاد اور اس کا رد:

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عام عادت اور معمول کے خلاف باپ کے بغیر پیدا ہو گئے۔ اللہ ربُّ العزت نے ان کے اس عقیدۂ باطل کی بنیاد ہی منہدم کر دی اور بڑے ہی نفیس انداز میں ان کا رد فرمایا۔ سورۂ آلِ عمران میں فرماتا ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ ۔[۲]

ترجمہ: بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے، اس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا۔

یعنی اگر تمھیں اس بات پر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے بلہٰذا وہ عبادت کے مستحق ٹھہرے۔ تو حضرتِ آدم علیہ السلام کی پیدائش اس بھی زیادہ غیر معمولی طریقے پر ہوئی ہے؛ کیوں کہ حضرت آدم علیہ السلام ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے اور دونوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ دونوں اللہ کے کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے۔ اور جب حضرت آدم علیہ السلام کلمہ کن سے پیدا ہونے کے باوجود ابن اللہ (اللہ کے بیٹے) نہیں ہیں تو حضرت عیسیٰ

---

[۱] تبیان القرآن، للعلامہ غلام رسول السعیدی، ج: ۷، ص: ۲۷۶

[۲] سورۃ آل عمران، رقم الآیۃ: ۵۹

علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ابن اللہ کیسے ہوسکتے ہیں؟[۱]

یہ، ایسی زبردست اور مستحکم دلیل ہے کہ آج تک نصرانیوں سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ یہ احمق آج بھی اگر حق کا چشمہ لگا کر دیکھیں تو انھیں حق نظر آہی جائے گا اور عیسائیت سے توبہ کر کے دامنِ اسلام سے وابستہ ہوجائیں گے۔

مگر تعصب، عناد اور ہٹ دھرمی ایسی بیماریاں ہیں جن کا کوئی علاج نہیں۔ موت سے گلے لگنے کے بعد ہی ان سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔ قرآنِ مقدس نے عیسائیت و یہودیت کے کس طرح پرخچے اڑائے ہیں، اگر کلام پاک کی مندرجہ ذیل آیاتِ کریمہ کا ترجمہ مع تفسیر مطالعہ فرمالیں! تو ان شاء اللہ دماغ روشن ہوگا اور کفار و مشرکین کا کفر و شرک پارہ پارہ ہوتا نظر آئے گا۔[۲]

(۱۳)

وَ کَذَاکَ مُوسیٰ لَمْ یَزَلْ مُتَوَسِّلًا	بِکَ فِی الْقِیَامَةِ یَحْتَمِیْ بِحِمَاکَا

ترجمہ: یوں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام (دنیا میں) آپ علیک الصلاۃ والسلام سے توسل کرتے رہے اور بروزِ قیامت آپ ہی کی پناہ گاہ میں پناہ تلاش کریں گے۔

حلِّ لغات:

❁ لَمْ یَزَلْ: نفی جحد بلم صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ سمع، یہ کسی کام کے مسلسل

---

[۱] المصدر السابق۔ [۲] ''سورۂ مریم، آیت نمبر ۸۸ تا ۹۵، سورۂ انعام، آیت نمبر ۱۰۰ تا ۱۰۳، سورۂ نساء، آیت نمبر از ۱۷۱ تا ۱۷۳، سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۱۶ / ۱۱۷، سورۂ توبہ، آیت نمبر ۳۰، سورۂ صافات، آیت نمبر ۱۴۹ تا ۱۶۰، سورۂ انبیاء، آیت نمبر ۲۶ تا ۲۹، سورۂ یونس، آیت نمبر ۶۸ تا ۷۰، سورۂ کہف، آیت نمبر ۱ تا ۵، سورۂ مائدۃ، آیت نمبر ۷۲ تا ۷۵، سورۂ زمر آیت نمبر ۴/۵'' ۔

ہونے پر دلالت کرتا ہے، ہمیشہ کرتے رہے۔

❁ مُتَوَسِّلاً: تَوَسُّلْ بابِ تفعّل سے اسمِ فاعل، تقرب حاصل کرنا۔

❁ حمیٰ: چراگاہ، پناہ گاہ، ہر وہ چیز جس کی حفاظت کی جائے۔

تشریح:

صاحبِ قصیدہ حضرت سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، قصیدے کے اس شعر میں اللہ عزوجل کے عظیم الشان اولوالعزم پیغمبر حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے، اس لیے اُن کی سوانحِ حیات کے چند گوشے پیش کیے جا رہے ہیں۔

حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کا نام ولقب:

ان کا مقدس نام موسیٰ، لقب کلیم اللہ اور صفی اللہ ہے۔ کلیم اللہ کا لقب اس لیے ہوا کہ اللہ عزوجل براہِ راست ان سے ہم کلام ہوا، اور صفی اللہ کا لقب حدیثِ پاک میں مذکور ہوا ہے مستدرکِ حاکم میں مروی ہے کہ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام "صَفِيُّ الله" ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے منتخب ترین بندے ہیں۔ [۱]

نسب نامہ:

حافظ ابن کثیر ان کا نسب نامہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

---

[۱] المستدرک علی الصحیحین، للامام ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم، کتاب تواریخ المتقدمین، ذکر موسیٰ وہارون علیہما السلام، رقم الحدیث: ۴۱۵۳

حضرت موسیٰ بن عمران بن قاہث بن عازر بن لاوی بن حضرت یعقوب بن
حضرت اسحاق بن حضرتِ ابراہیم علیہم السلام۔[۱]

اس نسب نامے سے واضح ہوا کہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسلِ مبارک سے ہیں۔

ولادتِ مبارک:

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کی وفات کے چار سو برس اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی وفات کے سات سو برس بعد پیدا ہوئے۔[۲]

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے واقعات بڑے حیرت انگیز اور محیر العقول ہیں، جنھیں محدثین و مفسرین نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کا نہایت مختصر بیان یہ ہے:

اس وقت کے انتہائی ظالم و سرکش بادشاہ "**فرعون**" نے ایک دن خواب دیکھا کہ **بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ آئی اور اس نے مصر کو گھیر کر تمام قبطیوں کو جلا ڈالا، جب کہ بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔**

اُس نے خوف زدہ ہو کر، درباری کاہنوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ انھوں نے کہا:
ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری ہلاکت اور تیری سلطنت کے زوال کا سبب بنے گا۔

یہ سن کر اُس مردود نے فرمان جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل کے یہاں جتنے بچے پیدا ہوں انھیں قتل کر دیا جائے۔ فرعونی فرمان جاری ہوتے ہی بچوں کو قتل کیا جانے لگا، اس کام کے لیے ایک شعبہ قائم کیا گیا، جو بھی بچے پیدا ہوتے، **فرعونی انھیں موت کے**

---

[۱] قصص الانبیاء، للحافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر ص: ۲۸۹

[۲] سیرت الانبیاء، للعلامۃ المفتی محمد قاسم العطاری، ص: ۵۲۸

گھاٹ اتار دیتے۔ یہ سلسلہ ایک زمانے تک جاری رہا۔ ہزاروں بچوں کو تہِ تیغ کر دیا گیا۔ جب ان درندوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کے بوڑھے انتقال کر رہے ہیں اور بچے مارے جا رہے ہیں تو انھوں نے فرعون سے کہا:

اگر قتل و غارت کا یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو ہمیں غلام اور خدمت گار کیسے میسر آئیں گے۔؟

یہ معقول بات سن کر فرعون نے دوسرا حکم جاری کیا کہ ایک سال بچوں کو مارا جائے اور دوسرے سال چھوڑ دیا جائے۔ چناں چہ حضرتِ ہارون علیہ السلام چھوڑے جانے کے سال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل کیے جانے کے سال پیدا ہوئے۔[۱]

اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام فرمایا:

اِسے دودھ پلا، پھر جب تجھے اس پر (قتل کیے جانے کا) خوف ہو تو اسے (نیل نامی) دریا میں ڈال دے اور خوف نہ کھا اور غم نہ کر، بے شک ہم اسے تیری طرف دوبارہ لائیں گے اور اسے رسولوں میں سے بنائیں گے۔[۲]

چناں چہ حضرت کی والدۂ محترمہ چند روز تک انھیں دودھ پلاتی رہیں، ان کی بہن مریم کے علاوہ کسی کو بھی اس کی اطلاع نہ تھی۔ جب والدۂ محترمہ کو فرعون کی جانب سے اندیشہ ہوا تو انھوں نے ایک صندوق بنایا، اس میں روئی بچھائی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس میں رکھ کر صندوق بند کر دیا اور اس کی درازیں روغنِ قیر سے بند کر دیں اور اُسے

---

[۱] سیرت الانبیاء، للعلامۃ المفتی محمد قاسم العطاری، ص: ۵۳۵/۵۳۶، ملتقطاً

[۲] سورۃ القصص، رقم الآیۃ: ۷

دریائے نیل میں بہادیا۔[۱]

اُن کی بہن مریم صندوق کی نگرانی کرتی رہیں۔ اس دریا سے ایک بڑی نہر نکل کر فرعون کے محل میں سے گزرتی تھی، اس وقت فرعون اپنی بیوی آسیہ کے ساتھ محل کے کنارے بیٹھا ہوا تھا، اس نے صندوق دیکھ کر اپنے غلاموں کو اسے نکالنے کا حکم دیا۔ انھوں نے صندوق نکال کر فرعون کے سامنے پیش کر دیا، اس نے جب اسے کھولا تو دیکھا کہ ایک فرزند ہے، جس کی پیشانی سے وجاہت اور اقبال کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں، **فرعون کے دل میں اسے دیکھتے ہی محبت پیدا ہوگئی۔**[۲]

فرعون کی قوم نے ورغلاتے ہوئے اس سے کہا:

کہیں یہ وہی بچہ نہ ہو جو تیری تباہی کا سبب بنے گا۔

یہ سن کر فرعون نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

یہ دیکھ کر اس کی بیوی حضرتِ آسیہ نے کہا:

اسے قتل نہ کرو! ہوسکتا ہے کہ ہمیں اس سے فائدہ حاصل ہو، یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں! انھوں نے یہ بھی کہا کہ یہ بچہ سال بھر سے زیادہ عمر کا معلوم ہو رہا ہے اور تو نے تو یہ حکم دیا ہے کہ جو بچہ اس سال پیدا ہوا سے قتل کیا جائے، پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بچہ ہمارے علاقے کا نہ ہو؛ بلکہ کہیں اور سے بہہ کر آیا ہو، اور جو بچہ زوالِ حکومت کا باعث ہوگا وہ تو اِسی ملک کے بنی اسرائیل کے خاندان میں سے ہوگا، لہذا اسے قتل نہ کرو!

---

[۱] لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بتفسیر الخازن، للامام علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی الخازن، سورۂ طٰہٰ، تحت الآیۃ: ۳۹، ج ۳، ص: ۲۰۲۔ [۲] المصدر السابق۔

اُن کی باتیں سننے کے بعد فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے باز رہا۔[۱]

جب حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی والدۂ محترمہ کو معلوم ہوا کہ ان کا نورِ نظر فرعون کے پاس پہنچ گیا ہے تو وہ نہایت خوف زدہ اور بے قرار ہو گئیں اور قریب تھا کہ وہ یہ ظاہر کر دیتیں کہ یہ **میرا بیٹا ہے**؛ لیکن اللہ عزوجل نے یہ الہام کر کے ان کے دل کو مضبوط کیا کہ وہ یقین رکھیں کہ ان کا بیٹا سلامت رہے گا اور پلٹ کر انھی کے پاس آئے گا۔ قرآنِ مجید میں اسی کو یوں بیان کیا گیا ہے:

وَ اَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰی فٰرِغًا ؕ اِنۡ كَادَتۡ لَتُبۡدِیۡ بِهٖ لَوۡ لَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰی قَلۡبِهَا لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰﴾ [۲]

ترجمہ: اور موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا۔ اگر ہم نے ان کے دل کو دھارس نہ دی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز فاش کر دیتیں۔ (ہم نے اس لیے ڈھارس باندھی) تاکہ وہ (اللہ کے وعدے پر) اعتماد کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

اللہ عزوجل نے اپنی قدرتِ کاملہ سے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ پینے سے روک دیا۔ انھیں دودھ پلانے کے لیے فرعون نے جتنی بھی دائیوں کو بلایا، انھوں نے ان میں کسی کی بھی چھاتی اپنے منہ میں نہ لی۔ یہ دیکھ کر فرعون کو فکر ہوئی اور اس نے اعلان کیا کہ ایسی دائی لائی جائے، یہ بچہ جس کا دودھ پی لے! دائیوں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ بھی موجود تھیں، یہ صورتِ حال دیکھ کر انھوں نے فرعونیوں سے کہا: میں تمھیں

---

[۱] لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بتفسیر الخازن، للامام علاء الدین علی بن محمد البغدادی الخازن سورۃ القصص، تحت الآیۃ: ۹، ج ۳، ص: ۳۵۸

[۲] سورۃ القصص، رقم الآیۃ: ۱۰

ایسی خاتون کے بارے میں بتا سکتی ہوں جو ان کی تمام ذمے داریاں بحسن وخوبی نبھائے گی اور یہ شہزادے اس کا دودھ بھی خوشی خوشی پی لیں گے۔

فرعونیوں نے منظوری دے دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن حضرت مریم فوراً اپنی والدہ کو بلانے چلی گئیں۔ جب والدۂ محترمہ آئیں اور حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کی خوش بو محسوس کی تو انھیں فوراً اقرار آ گیا اور ان کا دودھ نوش فرمانا شروع کر دیا۔

یہ دیکھ کر فرعون کو شک ہوا، اس نے پوچھا: تم اس کی کیا لگتی ہو، کہ اس نے تمھارے سوا کسی بھی خاتون کا دودھ نہیں پیا؟ انھوں نے کہا: بات در اصل یہ ہے کہ میرا دودھ خوش گوار ہے اور میں ایک پاک وصاف رہنے والی خاتون ہوں، میں فطری طور پر نفاست پسند ہوں۔ اس لیے انھوں نے فوراً میری چھاتی اپنے منہ میں لے لی۔

یہ سن کر فرعون نے بچہ ان کے حوالے کر دیا اور اجرت مقرر کر کے انھیں بچے کو اپنے ساتھ گھر لے جانے کی اجازت دی دے۔ اس طرح سے انھیں سکونِ کامل نصیب ہوا اور اس یقین میں مزید پختگی پیدا ہوئی کہ ان کا فرزند ضرور نبی بنے گا۔[۱]

اللہ رب العزت نے سورۂ قصص میں فرمایا:

وَ حَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ۝۱۲ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۝۱۳ [۲]

---

[۱] لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بتفسیر الخازن، للامام علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی الخازن سورۃ القصص، تحت الآیۃ: ۹، ج ۳، ص: ۳۵۸، ملتقطاً

[۲] سورۃ القصص، رقم الآیۃ: ۱۲ / ۱۳

ترجمہ: اور ہم نے اس (کے پہنچنے) سے پہلے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا، تو وہ کہنے لگی: کیا میں تمھیں ایسا گھرانا بتاؤں جو تمھارے اس بچے کی پرورش کرے اور وہ اس کے لیے خیر خواہ ہوں۔ تو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا؛ تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور وہ یقین کر لے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے ؛لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام دودھ پینے کے زمانے تک اپنی والدۂ محترمہ کے پاس رہے، اس دوران فرعون بطورِ اجرت روز ایک اشرفی دیتا تھا۔ مدتِ رضاعت کے ختم ہونے کے بعد والدۂ محترمہ ان کو فرعون کے پاس لے آئیں اور آپ وہیں پرورش پاتے رہے۔[۱]

غرض یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مقدس میں متعدد مقامات پر حضرت سیدنا موسی علیہ السلام کا ذکرِ جمیل فرمایا ہے۔ جگہ جگہ ان کے قصے بیان فرمائے ہیں۔ کہیں بسط وتفصیل کے ساتھ، کہیں اختصار وایجاز کے ساتھ۔

رب تبارک وتعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو بے شمار انعامات واکرامات، معجزات وخرقِ عادات اور اوصاف وکمالات سے سرفراز فرمایا۔ یہاں ان کی تفصیلات کا موقع نہیں ہے۔ اہلِ ذوق کتبِ تفاسیر کا مطالعہ فرمائیں؛ البتہ آپ کے سب سے عظیم معجزہ، سب سے بڑے کمال اور آپ پر اللہ عز وجل کی سب سے بڑی نعمت کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، جس کا ذکر رب تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ

[۱] تفسیر الجلالین، جلال الدین محمد المحلی الشافعی، سورۃ القصص، تحت الآیۃ: ۱۳

يٰمُوْسٰى ﴿١١﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾
وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿١٣﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ
اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿١٤﴾ [۱]

ترجمہ: کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟ جب انھوں نے آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا: ٹھہرو! بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں اس سے تمھارے پاس کوئی انگارہ لاؤں یا میں آگ سے راستے کی کوئی نشانی پاؤں۔ جب وہ آگ کے پاس پہنچے، تو انھیں پکارا گیا: اے موسیٰ! بے شک میں ہی آپ کا رب ہوں سو آپ اپنے جوتے اتار دیجیے! بے شک آپ مقدس میدان طویٰ میں ہیں۔ اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے، پس جو وحی کی جائے اس کو بغور سنیے! بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو آپ میری عبادت کیجیے اور میری یاد کے لیے نماز قائم کیجیے!

ان آیات میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہم کلامی کے شرف سے نوازا۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنی والدۂ محترمہ سے ملاقات کرنے کے لیے مدین سے مصر کی جانب روانہ ہوئے، تو ان کے ساتھ ان کے اہل بیت بھی تھے۔ اس وقت آپ کی زوجۂ محترمہ حمل سے تھیں اور بادشاہانِ شام کے اندیشے سے انھوں نے جنگل کا راستہ اختیار فرمایا تھا۔

چلتے چلتے طور کی غربی جانب پہنچے، یہاں رات کے وقت بیوی صاحبہ کو دردِزہ

[۱] سورۂ طٰہٰ، رقم الآیۃ: ۹ تا ۱۴

شروع ہوا، رات کافی تاریک تھی، برف باری بھی ہو رہی تھی، سردی کی شدت شباب پر تھی، حضرت کو دور سے آگ معلوم ہوئی، آپ نے بیوی سے فرمایا:

تم یہیں ٹھہرو! میں جا کر آگ لے آتا ہوں۔

جب آپ آگ کے پاس تشریف لائے تو وہاں ایک سرسبز وشاداب درخت دیکھا جو اوپر سے نیچے تک روشن تھا، جتنا اس کے قریب جاتے وہ دور ہوتا اور جب ٹھہر جاتے وہ قریب ہو جاتا تھا۔ اس وقت آپ نے فرشتوں کی تسبیحات کو سنا اور آپ پر سکینہ نازل ہوا، نیز آپ کو اللہ تعالیٰ نے **بغیر کسی واسطے کے شرفِ ہم کلامی سے نوازا۔** یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بدن کے ہر ہر جز سے سنا اور **قوتِ سامعہ ایسی ہوگئی کہ پورا جسمِ اقدس کان بن گیا۔**[۱]

چوں کہ اس شعر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسمِ گرامی مذکور ہے، اس لیے ان کی سیرتِ پاک کے چند گوشے پیش کر دیے گئے۔ شعرِ مذکور میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! آپ کی شانِ اقدس یہ ہے کہ اولوالعزم پیغمبر حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بھی تا دمِ حیات آپ سے توسل کرتے رہے اور قیامت کے دن جب رب تبارک وتعالیٰ صفتِ جلال کے ساتھ جلوہ گر ہوگا، اس کے غضب کی چنگاریاں برس رہی ہوں گی، ہیبتِ الٰہی سے انبیا و رسل بھی خوف زدہ ہوں گے، ہر شخص مصیبت و پریشانی میں گرفتار ہوگا، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا، سب نفسی نفسی کہہ رہے

---

[۱] لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بتفسیر الخازن، للامام علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی الخازن، سورۂ طٰہٰ، تحت ھٰذہ الآیات، ج ۳، ص: ۲۰۱۔ ملتقطاً

ہوں گے۔ ان دشوار گزار لمحات میں صرف آپ مدد فرمائیں گے اور تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آپ ہی کی پناہ چاہیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت:

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام حضور سرورِ انبیا علیہ الصلاۃ والسلام سے بڑی محبت فرماتے تھے، یہاں تک کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کا اشتیاق تھا، اسی لیے بار بار دعا مانگتے:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ [۱]

ترجمہ: میرے رب! مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا امتی بنا دے!

غلبۂ محبت کا عالم یہ تھا کہ محافل وعظ و مجالسِ ذکر میں انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے اور اپنی امت کو آپ کی اطاعت کی تاکید فرماتے۔

تفسیر ثعلبی میں ہے:

جب اللہ عزوجل نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف کی تختیاں عطا کیں تو انھوں نے ملاحظہ کرنے کے بعد عرض کی: اے میرے رب! تو نے مجھے ایسی عزت سے نوازا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کے حصے میں نہیں آئی۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے موسیٰ! یقیناً میں نے تمھیں تمام لوگوں میں اپنے کلام اور پیغام کے ساتھ چن لیا ہے، تو جو کچھ میں نے تمھیں دیا اُسے پوری مضبوطی کے ساتھ لے لو، اس کی حفاظت کرو، شکر گزار بندوں میں شامل رہو اور تا دمِ حیات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کرتے رہو!

---

[۱] السلوک فی طبقات العلماء والملوک، للعلامۃ بہاء الدین الجندی، ج: ۲، ص: ۴۴۸

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اُحْمَدْ کون ہیں؟

ارشاد فرمایا: یہ میرے نبی "احمد" ہیں، جن کا اسمِ گرامی میں نے آسمانوں کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل اپنے عرش پر ثبت فرما دیا ہے۔ وہ میرے پیغمبر، محبوب، منتخَب اور مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ وہ میرے نزدیک تمام مخلوق اور فرشتوں سے زیادہ محبوب ہیں۔

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

الٰہی! اگر حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلاۃ والسلام تیرے نزدیک کُل مخلوق سے افضل ہیں تو کیا تیرے نزدیک اُن کی امت بھی میری امت سے افضل و بہتر ہے؟

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ! میرے محبوب محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی امت تمام مخلوق میں ایسے ہی بہتر ہے جس طرح مجھے کُل مخلوق پر فوقیت و برتری حاصل ہے۔

انھوں نے عرض کی: اے میرے رب! کاش کہ مجھے حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی امت کا دیدار نصیب ہو جاتا!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! تم ہرگز ان کی امت کو دیکھ نہیں سکتے۔ ہاں اگر تم ان کا کلام سننا چاہو تو مَیں سنوا دوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: پروردگار! میں ضرور امتِ محمد کا کلام سننا چاہوں گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور سرورِ عالَم علیہ الصلاۃ والسلام کی امت سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے امتِ محمد!

راوی کہتے ہیں: پس ہم سب نے اپنے والد کی صلب اور اپنی ماں کے رحم سے جواب دیتے ہوئے کہا:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ. اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ. لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

اے امتِ محمد! بے شک میری رحمت میرے غضب سے پہلے اور میری مغفرت میرے حساب پر مقدم ہے۔ میں نے تمھیں عطا کیا قبل اس کے کہ تم مجھ سے سوال کرو۔ میں نے تمھاری دعا قبول کرلی قبل اس کے کہ تم مجھ سے مانگو۔ میں نے تمھیں معاف کردیا قبل اس کے کہ تم معصیت کا ارتکاب کرو۔

اے امتِ محمد! تم میں سے جو شخص بروز قیامت یہ گواہی دیتے ہوئے میرے پاس آئے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد میرے بندے اور رسول ہیں وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا، اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں۔[۱]

(۱۴)

وَالْاَنْبِیَآءُ وَکُلُّ خَلْقٍ فِی الْوَرٰی	وَالرُّسُلُ وَالْاَمْلَاکُ تَحْتَ لِوَاکَا

ترجمہ: انبیاے کرام، مرسلینِ عظام علیہم الصلاۃ والسلام، بادشاہانِ جہاں اور کائنات کی ہر مخلوق (بروز قیامت) آپ علیک الصلاۃ والسلام ہی کے پرچم تلے ہوگی۔

حلِّ لغات:

❁ اَنْبِیَآء: نبی کی جمع۔ نبی اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے پاس وحی یعنی خدا کا پیغام آیا ہو، تاکہ وہ لوگوں کو خدا کا راستہ بتائے، چاہے یہ پیغام نبی کے پاس فرشتہ لے

[۱] الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، للامام احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، ج:۴، ص:۲۸۰

کر آیا ہو یا خود نبی کو اللہ عزوجل کی طرف سے اس کا علم ہوا ہو۔

- وَرٰی: مخلوق۔
- رَسُوْل: جمع رُسُلْ۔ رسول کے معنی ہیں خدا کے یہاں سے بندوں کے پاس خدا کا پیغام لانے والا اور اصطلاحِ شرع میں رسول اس انسان کو کہتے ہیں جس کے پاس شریعت ہو اور اس پر کتاب نازل کی گئی ہو یا اس کے لیے پہلی شریعت کا کچھ حصہ منسوخ کیا گیا ہو۔
- أَمْلَاك: مَلِك کی جمع بمعنٰی بادشاہ۔
- لِوَاء: جھنڈا، پرچم، جمع اَلْوِيَةٌ

تشریح:

اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن اپنے حبیب حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو ایک عظیم الشان پرچم عطا فرمائے گا۔ جملہ انبیا ومرسلین علیہم السلام اور قیامت تک ہونے والے تمام مومنین ومومنات اور مسلمین ومسلمات سب اس پرچم تلے جمع ہوں گے اور وہ سب حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی حمد وثنا بیان کریں گے۔

اس پرچم کو "لِوَاءُ الْحَمْد" کہتے ہیں۔ قرآنِ مقدس میں بھی اس کا ذکر ہے، چناں چہ آیتِ کریمہ:

وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ [۱]

ترجمہ: اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز پڑھیں جو خصوصًا آپ کے لیے

---

[۱] سورۃ بنی اسرائیل، رقم الآیۃ: ۷۹

زیادہ ہے، عن قریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔

اس کی ایک تفسیر یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس آیت میں "مقامِ محمود" سے "لواء الحمد" مراد ہے۔[۱]

اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں، قارئینِ کرام کے قلوب واذہان کو معطر کرنے کے لیے چند احادیثِ کریمہ پیش کی جا رہی ہیں:

بروزِ محشر سب حضور علیہ السلام کے پرچم تلے ہونگے:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَاَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا يَئِسُوْا. لِوَآءُ الْحَمْدِ بِيَدِيْ وَاَنَا اَكْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ عَلٰى رَبِّيْ وَلَا فَخْرَ.[۲]

ترجمہ: جب لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو سب سے پہلے میں باہر آؤں گا اور جب لوگ خدا عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو ان کے بارے میں مَیں ہی خدائے تعالیٰ سے کلام کروں گا اور جب لوگ نا امید ہوں گے تو میں ہی انھیں بشارت سے شادکام کروں گا اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا اور خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں مجھے سارے انسانوں سے زیادہ عزت وکرامت حاصل ہوگی؛ لیکن اس پر مجھے فخر نہیں ہے۔

(۲) حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[۱] الجامع لأحکام القرآن المعروف بتفسیر القرطبی، للامام ابی عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی، سورۃ بنی اسرائیل، تحت ھذہ الآیۃ

[۲] الجامع للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ رقم الحدیث: ۳۶۱۰

أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ. بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ. وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔[۱]

ترجمہ: میں قیامت میں بھی اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، اس پر مجھے فخر نہیں ہے، حمد کا پرچم میرے ہی ہاتھ میں ہوگا، اس پر بھی مجھے فخر نہیں ہے اور بغیر فخر کے کہتا ہوں کہ اس دن سارے انبیا و مرسلین علیہم السلام میرے ہی پرچم تلے ہوں گے اور بروزِ قیامت سب سے پہلے میں ہی زمین سے باہر تشریف لاؤں گا۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بایں الفاظ ہے:

أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ. وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ۔[۲]

ترجمہ: میں تمام انسانوں کا سردار ہوں، مجھے اس پر فخر نہیں ہے اور قیامت میں سب سے پہلے میرے لیے زمین شق (چاک) ہوگی، میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور قیامت میں **لواء الحمد میرے ہی ہاتھ میں ہوگا اور اس پر بھی مجھے فخر نہیں ہے۔**

آقائے نعمت سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ انھی احادیثِ کریمہ کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جس کے زیرِ لوا آدم و من سِوا　　اس سزائے سیادت پہ لاکھوں سلام

اور اپنی مشہورِ زمانہ نعت ''زمین و زماں تمھارے لیے'' کے مقطع میں، حضورِ اقدس

---

[۱] الجامع للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۳۱۴۸

[۲] السنن للامام محمد بن یزید ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر الشفاعۃ، رقم الحدیث: ۴۳۰۸

علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے، رضا کی زباں تمھارے لیے

(۱۵)

لَكَ مُعْجِزَاتٌ أَعْجَزَتْ كُلَّ الْوَرٰى	وَفَضَائِلٌ جَلَّتْ فَلَيْسَ تُحَاكٰى

ترجمہ: یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ کو ایسے معجزات ملے جنھوں نے ساری مخلوق کو عاجز کر دیا اور آپ کے حصے میں ایسے فضائل وکمالات آئے جن کی برابری نہیں کی جاسکتی۔ (یا جن کی مشابہت اختیار نہیں کی جاسکتی)

حلِّ لغات:

- مُعْجِزَاتٌ: مُعْجِزَةٌ کی جمع۔
- أَعْجَزَتْ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مؤنث غائب، از بابِ إفعال، عاجز کرنا، تھکا دینا۔
- فَضَائِلُ: فضیلۃ کی جمع، کمالات، اوصاف، خوبیاں۔
- جَلَّتْ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مؤنث غائب از جَلَّ يَجِلُّ جَلَالًا وَجَلَالَةً، بابِ ضرب، عظیم المرتبت ہونا، بڑے مرتبے والا ہونا۔
- تُحَاكٰى: فعل مضارع مجہول، صیغۂ واحد مؤنث غائب از بابِ مفاعلۃ، مصدر مُحَاكَات، قول یا فعل یا کسی اور صفت میں مشابہ ہونا۔

تشریح:

مُعجِزَہ اس خلافِ عادت کام کو کہتے ہیں جو منکرین کے انکار کے وقت نبی و رسول سے ظاہر ہوا ہو اور مخالفین اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہے ہوں۔

خوارقِ عادت کی قسمیں:

خوارقِ عادت (جو کام عادت کے خلاف ہو جاتے ہیں، ان) کی آٹھ قسمیں ہیں۔ جن کی تفصیل استاذِ گرامی ادیب شہیر حضرت علامہ و مولانا **نفیس احمد قادری** مصباحی مدظلہ العالی نے کشفِ بردہ شرح قصیدہ بردہ میں بڑے ہی نفیس انداز میں کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں :

(۱) اِرہاص: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی نبی سے قبلِ بعثت ظاہر ہو۔ جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ولادتِ طیبہ کے وقت رونما ہونے والے خلافِ عادت امور، مثلاً نوشیرواں کے محل میں زبردست زلزلہ آنا اور چودہ کنگروں کا گر جانا، ہزار برس سے مسلسل جلنے والے آتش کدہ فارس کا دفعۃً سرد پڑ جانا، بحیرہ ساوہ کا خشک ہو جانا وغیرہ۔

(۲) معجزہ : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی نبی کے ہاتھوں بعدِ بعثت ظہور میں آئے، جیسے درختوں کا سجدہ کرتے ہوئے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو جانا، مقامِ صہبا میں ایک انگلی کے اشارے سے ڈوبے ہوئے سورج کا پلٹ آنا وغیرہ۔

(۳) کرامت: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی ولی سے رونما ہو۔

(۴) مَعُونت: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی عام مومنِ صالح سے ظہور میں آئے۔

(۵) اِستدراج: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی مومنِ فاسق سے ظاہر ہو۔

(۶) سحر: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی کافر یا فاسق سے رونما ہو اور اس میں تعلیم و تعلم اور

سیکھنے سکھانے کا عمل دخل ہو۔

(۷) اِبتلا: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی کافر یا فاسق کے ہاتھوں رونما ہو اور اس میں سیکھنے سکھانے کا دخل نہ ہو۔

(۸) اِہانت: وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں بلا تعلیم وتعلم ظاہر ہو اور اس کے مقصد کے خلاف ہو۔ جیسے مسیلمہ کذاب سے رونما ہونے والا خلافِ عادت واقعہ کہ اس نے ایک بھینگے کی آنکھ صحیح ہونے کی دعا کی تو اس کی دوسری آنکھ بھی بھینگی ہوگئی۔ [۱]

حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزات:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جملہ انبیاے کرام ومرسلینِ عظام علیہم الصلاۃ والسلام کو جو بھی معجزات وکمالات عطا فرمائے وہ یا ان جیسے یا ان سے افضل معجزات رسولِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو بھی عطا فرمائے۔ شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ حضرتِ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی پھونک کی تاثیر اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جیسا روشن ہاتھ رکھتے ہیں۔ آپ تمام انبیاے کرام علیہم السلام کے **معجزات وکمالات کے جامع ہیں۔**

پھر اُس نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو ایسے معجزات وفضائل سے بھی سرفراز فرمایا، جو کسی نبی کو دیے گئے نہ کسی رسول کے حصے میں آئے۔ **معجزۂ قرآنِ مجید ہی کو لے لیجیے!** یہ رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و

---

[۱] کشفِ بردہ شرح قصیدۂ بردہ، للادیب الشہیر العلامہ نفیس احمد المصباحی، ص ۳۰۱/۳۰۲

بارک وسلم کا ایسا دائمی اور سرمدی معجزہ ہے جو صبحِ قیامت تک باقی رہے گا اور انسانیت کے لیے ہدایت ورہنمائی کا سامان کرتا رہے گا۔ لہٰذا یہی ایک معجزہ تمام انبیاے کرام علیہم السلام کے معجزات پر فوقیت رکھتا ہے؛ کیوں کہ ان کے معجزات ظاہر تو ہوئے، ان سے اس زمانے کے انسان مستنیر بھی ہوئے؛ لیکن وہ باقی نہ رہے۔ اُن کے اِس دارِ فانی سے پردہ فرمانے کے بعد، ان کے معجزات کے اثرات بھی جاتے رہے۔

پھر معجزات کی کثرتِ تعداد میں بھی ہمارے آقا مدنی تاج دار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم تمام نبیوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ قرآنِ مجید کی کسی چھوٹی سی چھوٹی آیتِ مبارکہ کے مثل لانا، اس میں کمی کرنا اور اس میں کسی طرح کا اضافہ کرنا ممکن نہیں۔ اس حوالے سے خود قرآنِ عزیز نے متعدد چیلنجز پیش کیے ہیں، جن کا جواب آج تک دشمنانِ خدا اور سول نہیں دے سکے۔ نہ قیامت تک دے سکتے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں چھ ہزار سے زیادہ آیاتِ کریمہ ہیں۔ ہر آیت میں حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے تین معجزات ہیں۔ لہٰذا صرف قرآن مجید میں ہمارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے تقریباً بیس ہزار معجزات موجود ہیں، جو آج بھی اقوامِ عالم کو چیلنج کر رہے ہیں اور جن کا جواب دینے سے آج کا ترقی یافتہ انسان ویسے ہی قاصر ہے جس طرح قرونِ اولیٰ کے انسان تھے۔

اسی لیے تو سیّدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! اللہ عزوجل نے آپ کو ایسے معجزات وکمالات سے نوازا ہے جن کی برابری نہیں کی جا سکتی۔ سبحان اللہ۔

(۱۶)

نَطَقَ الذِّرَاعُ بِسَمِّہٖ لَكَ مُعْلِنًا	وَالضَّبُّ قَدْ لَبَّاكَ حِيْنَ اَتَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ! علیک الصلاۃ والسلام! بکری کے شانے نے آپ کو اپنے زہر آلود ہونے سے باخبر کردیا اور گوہ نے آپ کے پاس آکر (آپ کی) رسالت کی گواہی دی۔

حلِّ لغات:

- نَطَقَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ ضرب. بولنا، واضح بیان کرنا۔
- ذِرَاع: کہنی سے بیچ کی انگلی تک کا حصّہ، بازو، جمع: ذُرعان، أذرُع، یہاں پر بکری کا دست مراد ہے۔
- سَمّ: سین کی تینوں حرکتوں کے ساتھ مستعمل ہے، زہر آلود ہونا، جمع: سُمُوْم۔
- ضَبّ: گوہ، جمع أَضُبٌّ، ضُبَّانٌ، ضِبَابٌ۔
- لَبّٰی: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ تفعیل، لبیک کہنا، حاضر ہونا۔

تشریح:

اس سے پہلے والے شعر میں صاحبِ قصیدہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے معجزات کا ذکر کیا تھا۔ اب یہاں سے چند معجزات کو صراحتاً بیان فرما رہے ہیں۔ اس شعر میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے دو معجزوں کی جانب اشارہ ہے۔ احادیثِ کریمہ کی روشنی میں ان تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

بکری کا بھنا ہوا دست بول پڑا :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم جنگِ بدر سے، مشرکین سے قتال کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے ۔راستے میں ایک یہودیہ خاتون ملی، جو سر پر کھانے کا ایک برتن اٹھائے ہوئے تھی۔ اس برتن میں بکری کا بھنا ہوا گوشت تھا۔ اس وقت رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم شدت سے بھوک کا احساس فرما رہے تھے۔ اس عورت نے کہا: الحمد للہ اے محمد! میں نے اللہ عزوجل کی نذر مانی تھی کہ اگر آپ بخیر وعافیت واپس آگئے تو میں یہ بکری قربان کروں گی اور اس کا گوشت بھون کر آپ کو کھلاؤں گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بکری کے اس گوشت کو قوتِ گویائی عطا کی اور اس نے بلند آواز سے کہا :

اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم) آپ مجھے تناول نہ فرمائیں! میں زہر آلود ہوں۔ [۱]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ خیبر کی زینب نامی ایک یہودی عورت نے حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی خدمت میں ایک زہر آلود بکری بطورِ ہدیہ پیش کی۔ آپ نے اس میں سے کچھ تناول فرما لیا اور آپ کے بعض صحابہ نے بھی کچھ کھا لیا۔ پھر حضورِ اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنے ہاتھ کھانے سے کھینچ لو!

---

[۱] حجۃ اللہ علی العالمین، للامام یوسف بن اسماعیل النبہانی ج:۱، ص:۸۱۷

اس کے بعد اس یہودی عورت کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا، جب وہ آ گئی تو اس سے دریافت فرمایا:

تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟

اس نے کہا:

آپ کو کس نے بتایا ہے؟

آپ نے دست کے اس ٹکڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

اس نے مجھے بتایا ہے جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔

یہ سن کر وہ بولی:

جی ہاں! میں نے خیال کیا تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کو یہ زہر ضرر نہ دے گا اور اگر نبی نہیں ہیں تو آپ سے جان چھوٹ جائے گی۔

حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اس یہودی خاتون کو معاف فرما دیا اور کوئی سزا نہ دی۔ آپ کے جن صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے وہ گوشت کھا لیا تھا ان کا انتقال ہو گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اس زہر آلود گوشت کے اثر کی وجہ سے ہمیشہ اپنے شانوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے۔[۱]

گوہ نے توحید ورسالت کی گواہی دی:

گوہ کی شہادت کا واقعہ بھی حدیث کی متعدد کتابوں میں مذکور ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ بنوسلیم کا ایک بدو

[۱] المصدر السابق، ص: ۱۹۷۔ الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی ج:۱، ص:۶۰۷

گوہ کا شکار کر کے لایا۔ اس نے کہا:

لات و عُزّٰی کی قسم! میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ یہ گوہ آپ پر ایمان نہیں لاتی۔

حضورِ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

اے ضب! (گواہی دے) تو اس ضب (گوہ) نے صاف عربی زبان میں، کہ جسے تمام حاضرین سمجھ رہے تھے یہ جواب دیا۔

لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا رَسُوْلَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!

اے رب العالمین کے رسول! میں آپ کی بارگاہِ اقدس میں بار بار حاضر ہوں!

آپ نے فرمایا:

مَنْ تَعْبُدُ؟ تو کس کی عبادت کرتی ہے؟

اس نے کہا:

اَلَّذِیْ فِی السَّمَاۤءِ عَرْشُهٗ وَفِی الْاَرْضِ سُلْطَانُهٗ وَفِی الْبَحْرِ سَبِیْلُهٗ وَفِی الْجَنَّةِ رَحْمَتُهٗ وَفِی النَّارِ عَذَابُهٗ.

ترجمہ: میں اس ذات کی عبادت کرتی ہوں جس کا عرش آسمان میں ہے، جس کی حکومت زمین میں ہے، جس کا راستہ سمندر میں ہے، جس کی رحمت جنت میں ہے اور جس کا عذاب جہنم میں ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: فَمَنْ اَنَا؟ بھلا یہ تو بتا کہ میں کون ہوں؟

اس نے جواب دیا: اَنْتَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ صَدَّقَكَ وَقَدْ خَابَ مَنْ كَذَّبَكَ۔

ترجمہ: آپ رب العالمین کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے تکذیب کی وہ گھاٹے میں رہا۔

یہ سن کر وہ بدّو ایمان لے آیا۔[۱]

یہ ایک طویل حدیثِ پاک کا حصہ ہے، جسے موقع کی مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے ”حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ج:۱، ص: ۴۳۷“ کا مطالعہ کرنا چاہیے!

(۱۷)

وَالذِّئْبُ جَاءَكَ وَالْغَزَالَةُ قَدْ أَتَتْ	بِكَ تَسْتَجِيْرُ وَتَحْتَمِيْ بِحِمَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! بھیڑیا آپ کے پاس آیا اور ہرنی فریاد رسی چاہنے اور آپ کی پناہ لینے کے لیے حاضر ہوئی۔

حلِّ لغات:

- ذِئْب: بھیڑیا، جمع ذِئَاب۔
- غَزَالَة: ہرنی جمع غَزَالَات۔
- تَسْتَجِيْرُ: فعلِ مضارع معروف، صیغۂ واحد مؤنث غائب از بابِ اِستفعال، مصدر اِسْتِجَارَۃ پناہ لینا، فریاد رسی چاہنا۔

تشریح:

کائنات کی ہر چیز رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی مطیع وفرما

[۱] الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱، ص:۵۵۵

ل دار ہے؛ کیوں کہ حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سب کے آقا و مولیٰ ہیں۔ جس طرح جن وانس اپنی پریشانیوں اور مشقتوں میں آپ کی پناہ چاہتے ہیں، اسی طرح دیگر حیوانات بھی مصائب وآلام کے وقت آپ ہی کی طرف رجوع کرتے اور اپنی دشواریوں سے نجات پاتے ہیں۔ اس شعر میں سیدی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح کے دو واقعات بیان فرمائے ہیں۔ ان کا ثبوت احادیثِ کریمہ سے ملاحظہ فرمائیں!

بھیڑیوں کی حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں فریاد:

حضرت شمر بن عَطِیَّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قبیلۂ مُزَینہ یا جُہَینہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں:

صَلّٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْفَجْرَ فَإِذَا هُوَ بِقَرِيْبٍ مِّنْ مِّائَةِ ذِئْبٍ قَدْ أَقْعَيْنَ وُفُوْدَ الذِّئَابِ. فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ تَرْضَخُوْا لَهُمْ شَيْئًا مِّنْ طَعَامِكُمْ وَ تَأْمَنُوْنَ عَلٰى مَا سِوٰى ذٰلِكَ. فَشَكَوْا إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ الْحَاجَةَ. قَالَ: فَآذِنُوْهُنَّ قَالَ: فَآذِنُوْهُنَّ. فَخَرَجْنَ وَلَهُنَّ عُوَاءٌ۔[۱]

ترجمہ: حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فجر کی نماز ادا فرمائی، اچانک تقریباً سو بھیڑیے پچھلی ٹانگوں کو زمین پر پھیلا کر، اگلی ٹانگوں کو اٹھائے ہوئے اپنی سرینوں کے بل بیٹھے ہوئے باقی بھیڑیوں کے قاصد بن کر حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہوئے۔ حضور سرورِ کائنات

[۱] المسند، للامام عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی ج:۱ ص:۱۷۱

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اپنے صحابۂ کرام سے فرمایا :

تم اپنی کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ حصہ ان کے لیے بھی نکالا کرو اور باقی ماندہ کھانے کو (ان بھیڑیوں سے) محفوظ کرلیا کرو۔

اس کے بعد ان بھیڑیوں نے حضور مختارِ کل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے اپنی حاجت پیش کی۔

آپ نے فرمایا : انھیں (جانے کی) اجازت دے دو!

راوی کہتے ہیں:

پھر انھوں نے ان کو اجازت دے دی، تھوڑی دیر بعد وہ بھیڑیے اپنی مخصوص آواز نکالتے ہوئے چلے گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

جَآءَ الذِّئْبُ فَأَقْعٰى بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ جَعَلَ يُبَصْبِصُ بِذَنَبِهٖ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: هٰذَا الذِّئْبُ وَهُوَ وَافِدُ الذِّئَابِ. فَهَلْ أَنْ تَجْعَلُوْا لَهٗ مِنْ أَمْوَالِكُمْ شَيْئًا؟ قَالَ: فَقَالُوْا: لَا وَاللهِ مَا نَجْعَلُ لَهٗ شَيْئًا. قَالَ: وَأَخَذَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ حَجَرًا فَرَمَاهُ فَأَدْبَرَ الذِّئْبُ وَلَهٗ عُوَاءٌ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَلذِّئْبُ وَمَا الذِّئْبُ۔[۱]

ترجمہ : ایک بھیڑیا آیا اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے سامنے بیٹھ کر دم ہلانے لگا۔ حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے حاضرین سے ارشاد فرمایا :

---

[۱] دلائل النبوۃ، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی ، ج:۶،ص:۴۰۔ البدایۃ والنہایۃ ، للعلامۃ عماد الدین اسماعیل بن عمر ج:۶،ص:۱۶۱۔ المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ ، للامام ابی الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ، ج:۱۰،ص:۵۶۱

یہ بھیڑیا دوسرے بھیڑیوں کا نمائندہ بن کر آیا ہے، کیا تم اس کے لیے اپنے مال (مویشیوں میں) سے کچھ حصہ مقرر کرتے ہو؟

انھوں نے بیک زبان کہا: بخدا! ہم ایسا نہیں کریں گے۔

ایک شخص نے پتھر اٹھا کر اُس بھیڑیے کو مارا، بھیڑیا مڑا اور غرّاتا ہوا بھاگ گیا۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

واہ کیا بھیڑیا تھا، واہ کیا بھیڑیا تھا۔

ایک دوسری روایت اس طرح ہے:

انھوں نے عرض کی:

یارسول اللہ! علیک الصلاۃ والسلام آپ کی رائے گرامی کیا ہے؟

ارشاد فرمایا:

ہر ریوڑ میں سے سالانہ ایک بکری۔

انھوں نے عرض کی: حضور! یہ تو بہت زیادہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھیڑیے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ان سے اُچک لینا! اس کے بعد بھیڑیا چلا گیا۔[۱]

ہرنی نے توحید و رسالت کی گواہی دی:

ام المومنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

---

[۱] حجۃ اللہ علی العالمین، للامام یوسف بن اسماعیل النبہانی، ج:۱، ص:۳۶۷۔ مدارج النبوۃ، للشیخ الامام عبد الحق المحدث الدہلوی، ج:۱، ص:۹۳۔ ج:۲، ص:۱۰۷

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الصَّحْرَاءِ فَإِذَا مُنَادٍ يُّنَادِيْهِ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! فَالْتَفَتَ فَلَمْ يَرَ اَحَدًا ۔ ثُمَّ الْتَفَتَ فَإِذَا ظَبْيَةٌ مُوْثَّقَةٌ فَقَالَتْ :اُدْنُ مِنِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! فَدَنَا مِنْهَا فَقَالَ :مَا حَاجَتُكِ ؟ قَالَتْ :إِنَّ لِيْ خَشْفَيْنِ فِيْ ذٰلِكَ الْجَبَلِ فَحُلَّنِيْ حَتّٰى أَذْهَبَ فَأُرْضِعَهُمَا ثُمَّ اَرْجِعَ إِلَيْكَ ۔ قَالَ :وَتَفْعَلِيْنَ ؟ قَالَتْ :عَذَّبَنِيَ اللّٰهُ بِعَذَابِ الْعِشَارِ إِنْ لَّمْ أَفْعَلْ ۔ فَأَطْلَقَهَا فَذَهَبَتْ فَأَرْضَعَتْ خَشْفَيْهَا ثُمَّ رَجَعَتْ فَأَوْثَقَهَا ۔ وَانْتَبَهَ الأَعْرَابِيُّ فَقَالَ :لَكَ حَاجَةٌ ؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَالَ :نَعَمْ ۔ تُطْلِقُ هٰذِهٖ فَأَطْلَقَهَا فَخَرَجَتْ تَعْدُوْ وَهِيَ تَقُوْلُ :أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔[۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم صحرا میں تھے۔ اچانک کسی نے پکارا: یارسول اللہ! حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے متوجہ ہو کر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ پھر دوسری طرف التفات فرمایا تو بندھی ہوئی ایک ہرنی نظر آئی۔ اس نے عرض کی:

یارسول اللہ! میرے قریب تشریف لائیے !

نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے قریب جا کر پوچھا:

تیری کیا حاجت ہے؟

ہرنی بولی: اس پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں، آپ مجھے کھول دیجیے! میں ان دونوں کو دودھ پلا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

کیا تو واقعی ایسا کرے گی؟

---

[۱] المعجم الکبیر، للامام سلیمان بن احمد الطبرانی، ج: ۲۳، ص ۳۳۱۔ الخصائص الکبریٰ، للامام جلال الدین السیوطی، ج: ۲، ص ۱۰۱۔ مجمع الزوائد، للامام نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، ج: ۸، ص: ۲۹۵

ہرنی نے کہا: اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھے اللہ تعالیٰ عشار کے عذاب میں گرفتار کرے (عشار دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں جو بوجھ کی وجہ سے فریاد کرتی ہے)۔

نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اسے کھول دیا تو وہ چلی گئی اور اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ گئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اسے پھر باندھ دیا۔

اسی دوران وہ بدو کہ جس نے ہرنی کو پکڑ رکھا تھا بیدار ہو گیا، اس نے یہ منظر دیکھ کر کہا:

یا رسول اللہ! آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟

ارشاد فرمایا: ہاں اس ہرنی کو رہا کر دو!

اس بدو نے ہرنی کو فوراً رہا کر دیا۔ وہ ہرنی چوکڑیاں بھرتی ہوئی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ۔ (میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں)

ان واقعات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ کائنات کی کوئی زبان ایسی نہیں جسے پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نہ جانتے ہوں، جمادات وحیوانات بھی آپ کو پہچانتے اور آپ سے ہم کلام ہونا باعثِ فخر جانتے تھے۔ آپ ان کی بولیاں سمجھتے اور داد رسی فرماتے اور ان کے مسائل حل کر کے انھیں مشکلات سے نجات دلاتے تھے۔

رسول اللہ نے اردو زبان علمائے دیوبند سے سیکھی!

محترم قارئین! اندازہ لگائیے! کہ کتنا بد بخت اور گستاخ ہے وہ شخص جو بکواس کرتے ہوئے یہ کہتا ہے:

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اردو زبان اس وقت آئی جب ان کا رابطہ علمائے دیوبند سے ہوا۔ (لعن اللہ قائلہ و قابلہ و ناشرہ)

جی ہاں! علمائے دیوبند کا یہ دعویٰ ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اردو زبان علمائے دیوبند سے سیکھی۔ اور یہ دعویٰ کسی چھوٹے دیوبندی مولوی کا نہیں؛ بلکہ اس عالم کا ہے جسے دیوبندی پارٹی میں سب سے بڑے علما میں شمار کیا جاتا ہے، جسے آج سبھی دیوبندی اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتے ہیں۔ یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، دونوں مشترکہ طور پر "البراهين القاطعة فى ظلام الانوار الساطعة" میں دار العلوم دیوبند کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"مدرسۂ دیوبند کی عظمت حق تعالیٰ کی درگاہِ پاک میں بہت ہے، کہ صدہا عالم یہاں سے پڑھ کر گئے اور خلقِ کثیر کو ظلماتِ ضلالت سے نکالا۔ یہی سبب ہے کہ ایک صالح فخرِ عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں بات کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آ گئی؟ آپ تو عربی ہیں۔ فرمایا کہ جب سے علمائے مدرسۂ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آ گئی۔ سبحان اللہ! اس سے رتبہ اس مدرسے کا معلوم ہوا"۔ [۱]

اِس ناپاک عبارت کو پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ دیوبندیوں کے ان سلوف نے مدرسۂ دیوبند کی تعریف کرتے ہوئے اپنے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی عظمت و حرمت کا بھی پاس ولحاظ نہیں رکھا اور ان بدبختوں نے معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اپنے مدرسے کے فارغین کا شاگرد تک کہہ دیا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[۱] البراہین القاطعہ، از خلیل احمد سہارن پوری، بحکم مولانا رشید احمد گنگوہی، ص: ۲۶

جو شخص یہ کہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو دیوبندی مولویوں سے رابطے میں آنے کے بعد اردو زبان آئی اس نے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی توہین کی۔ اور مصطفیٰ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی شانِ اقدس میں بے ادبی کرنے والے کا ٹھکانا کیا ہے، بتانے کی چنداں حاجت نہیں۔

(۱۸)

وَكَذَا الْوُحُوْشُ اَتَتْ اِلَيْكَ وَسَلَّمَتْ	وَشَكَا الْبَعِيْرُ اِلَيْكَ حِيْنَ رَاٰكَا

ترجمہ: اسی طرح وحشی جانوروں نے آپ (علیک الصلاۃ والسلام) کی بارگاہ میں آ کر صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا اور جب اونٹ نے آپ علیک الصلاۃ والسلام کا دیدار کیا تو آپ کی بارگاہ میں اپنے مالک (کے ظلم) کی شکایت کی۔

حلِّ لغات:

- وُحُوْش: وَحْشٌ کی جمع، جنگلی جانور۔
- سَلَّمَتْ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مؤنث غائب از بابِ تفعیل، سلام کرنا۔
- شَكَا: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ نصر، شکایت کرنا۔
- أَتَت: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مؤنث غائب از بابِ ضرب۔
- بَعِيْر: جمع: بُعْرَان، أَبْعِرَة جمع الجمع: أَبَاعِر، شتر، اونٹ۔

تشریح:

گزشتہ شعر کی تشریح میں گزرا کہ جانور بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے مطیع وفرماں بردار بنائے گئے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے جملہ حیوانات کو بطورِ

معجزات وخرقِ عادات رسولِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا اطاعت گزار بنایا ہے۔ اسی بنا پر اہلِ سنت کہتے ہیں:

حضورِ اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے حلقۂ رسالت میں جملہ حیوانات، نباتات، جمادات؛ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ساری مخلوق داخل ہے۔

معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ متعدد جانوروں مثلاً اونٹ، خچر، گھوڑا، گدھا، بکری، ہرنی، گوہ، بھیڑیا، چڑیا، شیر وغیرہ نے آپ کی بارگاہِ عالی میں آکر صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا اور اطاعت گزاری کا اقرار کیا۔ ہم یہاں چند روایتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اونٹ کی بارگاہِ رسالت میں فریاد:

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، جس کے آخر میں ہے:

فَدَخَلَ حَائِطًا لِّرَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا جَمَلٌ. فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ ﷺ حَنَّ وَ ذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ فَقَالَ: مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًى مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ: لِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَقَالَ أَفَلَا تَتَّقِي اللهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِيْ مَلَّكَكَ اللهُ إِيَّاهَا. فَإِنَّهُ شَكَا إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيْعُهُ وَ تُدْئِبُهُ. [۱]

ترجمہ: حضور رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ایک انصاری

---

[۱] السنن، للامام أبی داود سلیمان بن اشعث، کتاب الجہاد، باب ما یؤمر بہ من القیام علی الدواب والبہائم ص: ۳۴۵، فیصل پبلیکیشنز دیوبند۔ والمسند، للامام احمد بن حنبل ج: ۱، ص: ۲۰۴/۲۰۵

شخص کے باغ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک اونٹ کو دیکھا، اُس اونٹ نے جیسے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا دیدار کیا رونے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضور انیسِ بے کساں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے قریب جا کر اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

اِس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ اونٹ کس کا ہے؟

ایک انصاری نوجوان آئے اور عرض گزار ہوئے:

حضور! یہ میرا اونٹ ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

کیا تم اس بے زبان جانور کے بارے میں اللہ عزوجل سے نہیں ڈرتے، جس نے تمھیں اس کا مالک بنایا ہے؟ سنو! اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس سے بہت زیادہ کام لیتے ہو۔

اسی لیے امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں　　اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جس کے جلوے سے مرجھائی کلیاں کھلیں　　اس گلِ پاک منبت پہ لاکھوں سلام

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے:

ایک شتر (اونٹ) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے اونٹوں کی آواز میں فریاد

کی۔تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اس کے سر کے پاس کھڑے ہو گئے ا
وراس کے مالک سے کہا :

اسے میرے ہاتھ پر بیچ دو!

اس نے کہا: حضور! (یہ بلاعوض) آپ کی خدمت میں حاضر ہے؛ لیکن یہ اونٹ میرے گھر والوں کے لیے ہے، اس کے سوا ان کے لیے کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

یہ اونٹ کثرتِ عمل (زیادہ کام) اور قلتِ خوراک (کم کھانے) کا گلہ (شکایت) کرتا ہے۔اس کے ساتھ تم نرم برتاؤ کرو اور اس کے حق کا خیال رکھو۔[۱]

بکریوں کا سجدۂ تعظیمی :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ حَآئِطًا لِّلْاَنْصَارِ وَ مَعَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ رِجَالٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ. قَالَ: وَفِي الْحَائِطِ غَنَمٌ فَسَجَدَتْ لَهٗ. قَالَ: اَبُوْ بَكْرٍ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّا نَحْنُ أَحَقُّ بِالسُّجُوْدِ لَكَ مِنْ هٰذِهِ الْغَنَمِ. فَقَالَ: اِنَّكَ لَا يَنْبَغِيْ أَنْ يَّسْجُدَ أَحَدٌ لِأَحَدٍ وَلَوْ كَانَ يَنْبَغِيْ أَنْ يَّسْجُدَ أَحَدٌ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔[۲]

---

[۱] مدارج النبوۃ، للشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی، مترجم، ج: ۱، ص: ۲۹۲۔ والمستدرک علی الصحیحین، للامام ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشابوری ج: ۲، ص: ۶۶۸۔

[۲] دلائل النبوۃ، للامام ابی نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی، ج: ۲، ص: ۳۷۹۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج ۱ ص: ۵۹۹۔ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، للامام محمد بن عبد الباقی الزرقانی، ج: ۶، ص: ۵۴۴۔

ترجمہ: ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم (یارِ غار حضرت سیدنا) ابوبکر صدیق، (حضرت سیدنا) عمر فاروقِ اعظم اور چند انصاری صحابہ کے ہمراہ انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

باغ میں چند بکریاں تھیں۔ انھوں نے (جیسے ہی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا دیدار کیا فوراً) آپ کے سامنے سجدہ ریز ہوگئیں۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

حضور! اِن بکریوں سے زیادہ ہمارا حق ہے کہ آپ کو سجدہ کریں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

کسی بشر کے لیے جائز نہیں کہ کسی مخلوق کو سجدہ کرے، اگر کسی انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

گھوڑے کی اطاعت:

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں:

حضور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ایک سفر میں نماز کے لیے گھوڑے سے نیچے تشریف لائے تو اپنے گھوڑے سے فرمایا (جسے آپ نے کھلا چھوڑ دیا تھا):

جب تک ہم نماز سے فارغ نہیں ہوتے حرکت نہ کرنا! اللہ عزوجل تجھے برکت عطا فرمائے!

پھر آپ نے نماز ادا فرمائی تو اتنی دیر تک گھوڑے نے کسی عضو کو حرکت تک نہ دی۔ [۱]

اس روایت میں نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اس معجزہ کا ذکر ہے کہ جانور نے حضور کا کلام سمجھا اور حکم کی تعمیل کی۔

---

[۱] الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱، ص: ۵۹۴

چڑیا کی فریاد:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَمَرَرْنَا بِشَجَرَةٍ فِيهَا فَرْخَا حُمَّرَةٍ فَأَخَذْنَاهُمَا، قَالَ: فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهِيَ تَفْرِشُ فَقَالَ: مَنْ فَجَعَ هٰذِهِ بِفَرْخَيْهَا؟ قَالَ: قُلْنَا: نَحْنُ. قَالَ: رُدُّوهُمَا! قَالَ: فَرَدَدْنَاهُمَا إِلَى مَوْضِعِهِمَا۔ [۱]

ترجمہ: ایک سفر میں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم ایک درخت کے قریب سے گزرے جس میں ایک چڑیا کے دو بچے تھے۔ تو ہم نے اس کے بچے پکڑ لیے۔ وہ چڑیا بار بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اوپر آ کر اڑتی اور (اپنی زبان میں) فریاد کرتی۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

کس نے اس کے دونوں بچوں کو پکڑ کر اسے تکلیف پہنچائی ہے؟

ہم نے عرض کی:

حضور! ہم نے اس کے بچے پکڑے ہیں۔

ارشاد فرمایا:

انھیں (ان کے گھونسلے میں) لوٹا دو! تو ہم نے انھیں وہیں رکھ دیا جہاں سے پکڑا تھا۔

(۱۹)

وَسَعَتْ إِلَيْكَ مُجِيبَةً لِنِدَاكَا	وَدَعَوْتَ أَشْجَارًا أَتَتْكَ مُطِيعَةً

[۱] دلائل النبوۃ، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی ج:۱،ص:۳۲۱۔ المستدرک علی الصحیحین، للامام ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشابوری، ج:۴،ص:۲۶۸

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ نے درختوں کو طلب فرمایا تو وہ فرماں برداری کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور آپ کی ندا پر لَبَّیْکَ کہتے ہوئے آپ کی طرف دوڑ پڑے۔

حلِّ لغات:

- دَعَوْتَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ نصر، آپ نے بلایا۔
- اَشْجَار: شَجَرٌ کی جمع، درخت۔
- مُطِیْعَۃ: اطاعۃ بابِ اِفعال سے اسمِ فاعل مؤنث، اطاعت کرتے ہوئے۔
- سَعَتْ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مؤنث غائب از بابِ فتح، دوڑ پڑے۔
- مُجِیْبَۃ: اسمِ فاعل مؤنث از بابِ افعال، جواب دیتے ہوئے، لبیک کہتے ہوئے۔

تشریح:

اِس شعر میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ حیوانات و بہائم کی طرح تمام نباتات (پیڑ پودے) بھی ہمارے آقا و مولا حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے فرماں بردار ہیں۔ چناں چہ درختوں نے حضور سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا، بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر سلامِ محبت پیش کیا، رسالت کی گواہی دی اور حضور کے حکم پر اپنا سرِ نیاز خم کیا۔ اس سلسلے کی چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

درختوں کا جذبۂ اطاعت میں چل پڑنا:

حضرتِ یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا:

سَافَرْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ . فَرَأَيْتُ مِنْهُ شَيْئًا عَجَبًا . نَزَلْنَا مَنْزِلًا فَقَالَ: اِنْطَلِقْ اِلٰى هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ! فَقُلْ: اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ يَقُوْلُ لَكُمَا اَنْ تَجْتَمِعَا . فَانْطَلَقْتُ فَقُلْتُ لَهُمَا ذٰلِكَ: فَانْتَزَعَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا مِنْ اَصْلِهِمَا فَمَرَّتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ اِلٰى صَاحِبَتِهَا فَالْتَقَيَا جَمِيْعًا . فَقَضٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَاجَتَهُ مِنْ وَّرَائِهِمَا . ثُمَّ قَالَ: اِنْطَلِقْ فَقُلْ لَّهُمَا لِتَعُوْدَ كُلُّ وَاحِدَةٍ اِلٰى مَكَانِهِمَا . فَاَتَيْتُهُمَا فَقُلْتُ ذٰلِكَ لَهُمَا فَعَادَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ اِلٰى مَكَانِهَا . [۱]

ترجمہ: حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ساتھ سفر کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اس سفر میں میں نے ایک بڑی تعجب خیز چیز دیکھی۔ ہم ایک منزل پر اترے تو رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے مجھ سے فرمایا:

ان دونوں درختوں کے پاس جا کر ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم تم دونوں کو جمع ہونے کا حکم دیتے ہیں۔

میں نے جا کر ان سے کہا: انھوں نے جیسے ہی (حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا اسم گرامی) سنا اپنی اپنی جڑیں اکھاڑ کر ایک دوسرے کے پاس جا کر مل گئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ان کی آڑ میں قضائے حاجت فرمائی۔ پھر مجھ سے فرمایا:

ان سے جا کر کہہ دو کہ اپنی اپنی جگہ واپس چلے جائیں۔

میں نے جا کر کہہ دیا، چناں چہ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ جا کر کھڑے ہو گئے۔

---

[۱] الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱، ص:۵۸۵۔ المستدرک، للامام ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشابوری، ج:۲، ص:۶۷۴

درخت کا حاضرِ خدمت ہو کر سلام پیش کرنا:

حضرت یعلی بن مرّہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

ثُمَّ سِرْنَا فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فَنَامَ النَّبِیُّ ﷺ فَجَاءَتْ شَجَرَةٌ تَشُقُّ الْاَرْضَ حَتّٰی غَشِیَتْهُ. ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰی مَكَانِهَا. فَلَمَّا اسْتَیْقَظَ ذُكِرَتْ لَهٗ. فَقَالَ: هِیَ شَجَرَةٌ اِسْتَأْذَنَتْ رَبَّهَا عَزَّ وَجَلَّ اَنْ تُسَلِّمَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَذِنَ لَهَا.[1]

ترجمہ: پھر ہم روانہ ہوئے اور ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ وہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم محوِ استراحت ہو گئے۔ اتنے میں ایک درخت زمین چیرتا ہوا آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پر سایہ فگن ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ جب حضورِ اکرم علیہ الصلاۃ والسلام بیدار ہوئے تو آپ سے اس درخت کا قصہ بیان کیا گیا۔ اس درخت کے بارے میں سنتے ہی حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

اس درخت نے اللہ عزوجل سے رسول اللہ کی بارگاہ میں آ کر سلام کا نذرانہ پیش کرنے کی اجازت چاہی تھی تو اللہ ربُّ العزت نے اسے اجازت دے دی۔ (اسی لیے وہ میری بارگاہ میں سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا تھا)

درخت کی حاضری اور سلامی کا ایک اور واقعہ:

امام ابوبکر احمد بن عمرو بزار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت بریدہ بن خصیب رضی اللہ

[۱] المسند، للامام احمد بن حنبل ج: ۴، ص: ۱۷۲۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للامام ابی الحسن نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، ج: ۹، ص: ۶۔ شرح السنۃ، للامام ابی محمد حسین بن مسعود البغوی، ج: ۱۳، ص: ۲۹۶۔ جامع المسانید والسنن، للعلامہ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، ج: ۸، ص: ۴۷۳

تعالیٰ عنہ سے روایت کیا:

ایک اَعرابی (دیہاتی) نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے، آپ کی رسالت کو بتانے والی کوئی نشانی طلب کی۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اس اعرابی سے فرمایا:

اس درخت سے جا کر کہو:

اے درخت! تجھے اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم بلارہے ہیں۔

اس نے جا کر درخت سے کہہ دیا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی وہ درخت دائیں بائیں اور آگے پیچھے جھکا، جس سے اس کی جڑیں اکھڑ گئیں۔ پھر اپنی غبار آلود جڑیں کھینچتا ہوا نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے آگے آکر، ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور عرض کرنے لگا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ!

اس اَعرابی نے عرض کی: حضور! اسے حکم دیجیے کہ اپنی جگہ پر لوٹ جائے۔

حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے حکم دیا تو وہ واپس لوٹ گیا۔

یہ معجزہ دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔ ایمان لانے کے بعد اس نے عرض کی:

یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کو سجدہ کروں!

آپ نے ارشاد فرمایا:

اگر میں کسی کو کسی مخلوق کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(جب اسے معلوم ہو گیا کہ دینِ اسلام میں اللہ عزوجل کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں، تو) اس نے کہا: **اچھا مجھے اپنے مقدس ہاتھ چومنے کی اجازت دیجیے!** تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اس کو اپنا ہاتھ چومنے کی اجازت عطا فرمائی۔[۱]

درختوں کی اطاعت شعاری پر کتب احادیث میں کثرت کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں۔ اختصار کے پیشِ نظر صرف چند روایتوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

حضرت امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان معجزات کی منظر کشی کچھ اس انداز سے کی ہے۔

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً تَمْشِيْ اِلَيْهِ عَلٰى سَاقٍ بِلَا قَدَمِ

كَاَنَّمَا سَطَرَتْ سَطْرًا لِمَا كَتَبَتْ فُرُوْعُهَا مِنْ بَدِيْعِ الْخَطِّ فِي اللَّقَمِ

ترجمہ: آپ کے بلانے پر درخت سجدہ کرتے ہوئے بغیر پاؤں کے اپنے تنوں پر چلتے ہوئے سیدھے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ ان درختوں نے آتے ہوئے ایک سطر کھینچ دی؛ کیوں کہ ان کی شاخوں نے راہ میں ایک انوکھی تحریر ثبت کر دی۔

مشائخ کے ہاتھ پیر چومنے کا جواز اور وہابیوں کی گل کاریاں:

وہابی فرقے کی کمالِ حماقت سے سبھی اہلِ علم و دانش واقف ہیں۔ یہ لوگ اپنی طبیعت کو حدیثوں سے نہیں بدلتے؛ بلکہ حدیثوں کو اپنی طبیعت سے بدلنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ جو حدیث ان کے باطل مسلک کے موافق ہوتی ہے اسے بے چون و چرا قبول کر لیتے

[۱] الشفا بتعریفِ حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱، ص: ۵۷۳۔ حجۃ اللہ علی العالمین، للامام یوسف بن اسماعیل النبہانی، ج:۱، ص: ۴۰۶

ہیں اور جوان کے خلاف جاتی ہے، یہ اُسے ضعیف یا موضوع کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔

اعرابی والی حدیثِ مذکور سے صراحتاً یہ واضح ہو رہا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بسا اوقات اپنے آقا و مولا حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے دستِ انور کا بوسہ لیا کرتے تھے؛ بلکہ پائے اقدس بھی چوما کرتے تھے، جیسا کہ دیگر روایتوں سے ثابت ہے۔ اِسی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے ہاتھ کا بوسہ لینا جائز و درست ہے؛ کیوں کہ اگر کسی کا ہاتھ چومنا ناجائز وحرام ہوتا تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اُن دیہاتی صحابی کو ہرگز اس کی اجازت نہ دیتے؛ بلکہ ڈانٹ کر منع فرما دیتے۔ جس طرح حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے انھیں اپنے لیے سجدہ کرنے کی اجازت نہ دیتے ہوئے صاف فرما دیا تھا کہ کسی مخلوق کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

دیگر احادیثِ کریمہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم میں حاضری دیتے تو آپ کے دستِ مبارک اور قدمِ ناز کو بوسہ دیتے۔

چناں چہ حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں :

عَنْ زَارِعٍ وَكَانَ فِي وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ عَنْ رَوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَرِجْلَهُ۔ [۱]

ترجمہ: حضرتِ زارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ”جو کہ وفدِ عبد القیس میں شامل تھے“ مروی ہے۔ یہ کہتے ہیں:

---

[۱] السنن، للامام أبي داؤد سليمان بن الاشعث السجستانی، ج: ۲، باب قبلۃ الرجل ص: ۷۰۹۔ مشکاۃ المصابیح، للامام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی، باب المصافحۃ ص: ۴۰۲

جب ہم لوگ مدینۂ منورہ آئے تو ہم ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے (حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ اقدس میں جلد پہنچنے کے شوق میں) اپنی سواریوں سے تیزی کے ساتھ اترنے لگے اور رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے مبارک **ہاتھوں اور پیروں کو چومنے لگے۔**

اس حدیثِ پاک سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اپنے آقا و مولا حضور تاج دارِ عرب وعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بے انتہا تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے اور آپ کے دست و پا کو چومنا اپنے لیے باعثِ صد افتخار سمجھتے تھے۔ اسی لیے ہم اہل سنت وجماعت کہتے ہیں:

اگر کوئی مومن عقیدت واحترام میں کسی ولی/عالم/شیخ/استاذ یا اپنے والدین کے ہاتھ اور پیر کا بوسہ لے لے تو یہ جائز و درست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور شرک وکفر سے تو اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

لیکن ابلیس کے چیلے وہابیہ کہتے ہیں:

کسی **مُعَظَّم** کے ہاتھ پیر چومنا جائز نہیں ہے، یہ فعل شرک، بدعت اور خلافِ شرع ہے۔

اب جب کہ انھوں نے اپنی طبیعت سے یہ مسئلہ گھڑ لیا اور اسے اپنے مسلک میں شامل کر لیا تو اب اس کے خلاف احادیث کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟ ماضی قریب کے وہابی عالم جناب **ناصر الدین البانی** اپنے فرقے کے نزدیک بہت بڑے محدث وامام تسلیم کیے جاتے ہیں، سعودی حکومت نے حدیث کی متعدد کتابیں ان کی تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع کی ہیں۔ البانی صاحب کے ایک سے بڑھ کر ایک سیاہ کارنامے ہیں۔ ان کا ایک بڑا

سیاہ کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے جس کتاب کی بھی تحقیق وتخریج کی ہے، اس سے اپنے مسلک کے خلاف تمام حدیثوں کو کسی نہ کسی بہانے سے، ناقابلِ اعتبار قرار دے کر خارج کردیا ہے۔ (یعنی تخریج کے نام پر اخراج کیا ہے)۔

یہ دیکھیے! انھوں نے امام المحدثین حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی نہیں بخشا اور ان کی بھی تصحیح کر ڈالی۔

حضرتِ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "اَلْأَدَبُ الْمُفْرَد" میں ہاتھ پاؤں چومنے کے تعلق سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں؛ بلکہ اس کے تعلق سے عنوانِ باب بھی قائم فرمایا ہے۔ راقم الحروف کے پاس "اَلْأَدَبُ الْمُفْرَد" کا جو نسخہ موجود ہے اس کے ص:۲۶۱، پر امام بخاری نے باب باندھا ہے "۴۴۴ بَابُ تَقْبِيلِ الْيَدِ" (ہاتھ چومنے کا باب)۔

اس باب کے تحت تین احادیثِ مبارکہ درج کی ہیں۔ موقع کی مناسبت سے یہاں تینوں حدیثیں درج کی جارہی ہیں؛ تاکہ معزز قارئین جان سکیں کہ اپنے باطل مسلک کے فروغ کے لیے ان کور باطنوں نے اسلافِ کرام کی کتابوں کے ساتھ کیسا ناروا سلوک کیا ہے اور کیسی کیسی علمی خیانتیں کی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حَدَّثَنَا مُوسٰى قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُوعَوَانَةَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِي زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي لَيْلٰى عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: "كُنَّا فِي غَزْوَةٍ فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً. قُلْنَا: كَيْفَ نَلْقَى النَّبِيَّ ﷺ وَقَدْ فَرَرْنَا؛ فَنَزَلَتْ "اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ" [۱]

فَقُلْنَا لَا نَقْدَمُ الْمَدِيْنَةَ فَلَا يَرَانَا اَحَدٌ. فَقُلْنَا: لَوْ قَدِمْنَا. فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ. قُلْنَا: نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ قَالَ: اَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ،

[۱] سورۃ الانفال، رقم الآیۃ:۱۶

فَقَبَّلْنَا يَدَهٗ. قَالَ: أَنَا فِئَتُكُمْ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں:

ہم غزوہ (احد) میں تھے۔ کچھ لوگوں نے اس غزوے سے راہِ فرار اختیار کی۔ ہم نے سوچا: ہم کس منہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں جائیں گے، جب کہ ہم غزوہ سے بھاگ جانے والوں میں ہیں؟ تو آیتِ کریمہ "إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ" (مگر لڑائی کے داؤں پیچ کی خاطر) نازل ہوئی۔

ہم نے (شرمندگی کے باعث) آپس میں کہا:

ہم مدینۂ طیبہ نہیں جائیں گے کہ کہیں ہمیں کوئی دیکھ نہ لے۔

(پھر) ہم نے (فیصلہ کیا اور آپس میں) کہا:

ہم ضرور جائیں گے۔

(جب ہم مدینۂ طیبہ آئے) تو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نمازِ فجر پڑھا کر باہر تشریف لائے۔ ہم نے عرض کی:

حضور! ہم تو بھاگ جانے والوں میں ہیں، (ہم بہت شرمندہ ہیں)۔

رؤوف و رحیم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم تو واپس آکر دوبارہ حملہ کرنے والے ہو (بھاگ جانے والے نہیں ہو)، یہ بشارت سن کر ہم نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے دستِ اقدس کا بوسہ لیا۔

آپ نے (ازراہِ شفقت) فرمایا: میں تمہارا ساتھی ہوں۔

(۲) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَطَّافُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ رَزِينٍ قَالَ: "مَرَرْنَا بِالرَّبَذَةِ. فَقِيلَ لَنَا: هٰهُنَا سَلَمَةُ بْنُ

الْاَكْوَعِ . فَأَتَيْتُهُ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَأَخْرَجَ يَدَيْهِ فَقَالَ: بَايَعْتُ بِهَاتَيْنِ نَبِيَّ اللهِ ﷺ فَأَخْرَجَ كَفًّا لَهُ ضَخْمَةً كَأَنَّهَا كَفُّ بَعِيرٍ . فَقُمْنَا إِلَيْهَا فَقَبَّلْنَاهَا .

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن رزین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم ربذہ سے گزرے۔ تو ہمیں بتایا گیا کہ یہاں صحابیِ رسول حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں۔ ہم نے ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سلام پیش کیا۔ انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کیے اور ہمیں بتایا کہ ہم نے انھی ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے دستِ اقدس پر بیعت کی تھی۔ آپ نے اپنی **بھاری بھر کم ہتھیلی** آگے کی، ایسا لگتا تھا کہ وہ اونٹ کا اگلا پاؤں ہے۔ چناں چہ ہم نے آگے بڑھ کر اسے **بوسہ دیا۔**

(۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُدْعَانَ، قَالَ ثَابِتٌ لِأَنَسٍ: أَمَسِسْتَ النَّبِيَّ بِيَدِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ فَقَبَّلَهَا .

ترجمہ: حضرت ابن جدعان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خادمِ رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

کیا آپ نے اپنے ہاتھوں سے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو **چھونے کی سعادت حاصل کی ہے؟**

انھوں نے اِثبات میں جواب دیا۔

یہ جواب سننے کے بعد حضرت ابن جدعان علیہ الرحمہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے **مبارک ہاتھ کو بوسہ دیا۔**

اس کے بعد حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "۴۴۵ بَابُ تَقْبِيلِ الرِّجْلِ" (پیر چومنے کا باب) کے عنوان سے باب باندھ کر اس کے تحت دو حدیثیں درج کی ہیں۔ انھیں بھی

ملاحظہ فرمالیں:

(۱) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْنَقِ قَالَ: حَدَّثَتْنِي امْرَأَةٌ مِنْ صُبَاحِ عَبْدِ الْقَيْسِ يُقَالُ لَهَا أُمُّ أَبَانَ ابْنَةُ الْوَازِعِ عَنْ جَدِّهَا أَنَّ جَدَّهَا الْوَازِعَ بْنَ عَامِرٍ. قَالَ: قَدِمْنَا. فَقِيلَ: ذَاكَ رَسُولُ اللهِ. فَأَخَذْنَا بِيَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ نُقَبِّلُهَا۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی حضرتِ موسیٰ بن اسماعیل نے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حضرت مطر بن عبدالرحمٰن اعنق نے بیان کیا، انھوں نے کہا: مجھ سے صباحِ عبدالقیس کی ام ابان نامی ایک خاتون نے اپنے دادا سے روایت کرتے ہوئے کہا: میرے دادا حضرتِ وازع بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ہم حضور رحمتِ عالم جانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں آئے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ہیں۔ تو (فرطِ عقیدت میں) **ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگے۔**

(۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ حَبِيبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا يُقَبِّلُ يَدَ الْعَبَّاسِ وَرِجْلَيْهِ۔

ترجمہ: ہم سے حضرتِ عبدالرحمٰن بن مبارک نے حدیث بیان کی، انھوں نے کہا: ہم سے حضرتِ سفیان بن حبیب نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہم سے حضرتِ عمرو نے بیان کیا، وہ حضرتِ ذکوان سے اور وہ حضرتِ صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا:

میں نے حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو (اپنے چچا) حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اور ان کے پیروں کا بوسہ دیتے ہوئے دیکھا۔[۱]

ان روایتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ''دست و پا'' (ہاتھ اور پیر) چومنے کے جواز کے قائل تھے؛ لیکن جب وہابی محقق **شیخ البانی** نے اس کتاب کی تحقیق کی تو ان تمام حدیثوں کو مع باب کے خارج کر دیا اور کتاب کا نام رکھا ''**صحیح الأدب المفرد**''۔ گویا کہ ۱۲۰۰ سال قبل حضرتِ امام بخاری علیہ الرحمہ جن حدیثوں کے ضعف کو ثابت نہیں کر سکے تھے، شیخ البانی نے چودھویں صدی کے اس دورِ پرفتن میں ثابت کر دیا اور اس طرح سے جلیل القدر امام و محدث؛ بلکہ اپنے زمانے کے مسلم الثبوت امیر المومنین فی الحدیث کی اصلاح کر دی۔

اب جب کہ غیر مقلدین وہابیہ نے حضرتِ امام بخاری علیہ الرحمہ کا پایۂ اعتبار ہی ساقط کر دیا تو یہ احمق کس منہ سے امام بخاری کی روایت کردہ حدیثوں کا مطالبہ کرتے اور ان کی عقیدت کا دم بھرتے ہیں؟ معاذ اللہ رب العالمین عن ھذا الفعل الشنیع اللائق بعقلہ السخیف۔

ایسی حماقتوں سے پناہ چاہتے ہیں ہم — کتنا ہیں زیرِ آب یہ، پہچانتے ہیں ہم
اسلاف کی روش سے جو ہوتے ہیں منحرف — ایسوں کو، ایسے علم کو دھتکارتے ہیں ہم

(۲۰)

وَالْمَاءُ فَاضَ بِرَاحَتَیْکَ وَسَبَّحَتْ	صُمُّ الْحَصٰی بِالْفَضْلِ فِیْ یُمْنَاکَا

ترجمہ: یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ کی مقدس ہتھیلیوں سے پانی اُبل

[۱] الادب المفرد، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، ص: ۲۶۱ / ۲۶۲ _ مطبوعہ دار الغد الجدید

پڑا اور آپ کے دستِ یمین (داہنے ہاتھ) میں بفضلِ الٰہی گونگی (بے زبان) کنکریوں نے تسبیح خوانی کی۔

حلِّ لغات:

- فَاض: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ ضرب، بھرنا، چھلکنا، بہنا، سیلاب آنا۔
- رَاحَۃ: کفِ دست۔ ہتھیلی، جمع رَاحَات۔
- سَبَّحَت: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مؤنث غائب از بابِ تفعیل، تسبیح کرنا، سبحان اللہ پڑھنا، حمد و ثنا بیان کرنا۔
- صُمٌّ: أَصَمّ کی جمع، بہرے۔
- حَصا: حَصَاۃ کا اسمِ جمع، سنگریزے، کنکریاں۔
- یُمْنٰی: داہنا ہاتھ، جمع: یُمْنَیَات۔

تشریح:

اس شعر میں رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ان معجزوں کا بیان ہے جو آپ سے کئی بار صادر ہوئے۔ ذیل میں چند روایتیں درج کی جاتی ہیں۔

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں:

حضور جانِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے مشہور معجزات میں سے ایک معجزہ انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری کرنا بھی ہے۔ یہ معجزہ متعدد بار مختلف مقامات پر بڑے

اِجتماع کے روبرو ظاہر ہوا۔ یہ ایسی کثیر سندوں سے مروی ہے جو تواترِ معنوی کی حد کو پہنچتی ہیں، جن سے کسی شے کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے۔ کسی دوسرے پیغمبر سے ایسا واقعہ سننے میں نہیں آیا۔

حضرت امامِ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ يَدَيْهِ رِكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا ثُمَّ أَقْبَلَ النَّاسُ نَحْوَهُ. قَالُوا: لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ بِهِ وَنَشْرَبُ إِلَّا مَا فِي رِكْوَتِكَ. فَوَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهُ فِي الرِّكْوَةِ. فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُورُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ كَأَمْثَالِ الْعُيُونِ. قَالَ: فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا. قِيلَ لِجَابِرٍ: كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ: لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا. كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً۔[۱]

ترجمہ: صحابیِ رسول حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حدیبیہ کے دن ہم لوگ پیاسے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے سامنے ایک برتن تھا۔ آپ نے اُس سے وضو فرمالیا۔ پھر لوگوں نے آپ کی بارگاہ میں آ کر عرض کی:

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم! ہمارے وضو کرنے اور پینے کے لیے اتنا ہی پانی تھا جو آپ کے اس برتن میں تھا۔ (اب وہ بھی ختم ہو گیا)۔

آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے (یہ نہیں فرمایا کہ مَیں کیا کروں؟ میں تو بندہ محتاج ہوں، جاؤ! اللہ عزوجل کی بارگاہ میں گڑگڑاؤ، دعائیں مانگو! مَیں تمہاری مدد نہیں کرسکتا؛ بلکہ حضور علیہ السلام

---

[۱] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم الحدیث: ۳۵۷۶، وکتاب المغازی، باب غزوۃ احد، رقم الحدیث: ۴۱۵۲۔ المسند، للامام احمد بن حنبل، مسند جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج: ۲۲، ص: ۳۹۸، رقم الحدیث: ۱۴۵۲۲

نے اپنی شانِ اختیار دکھاتے ہوئے) اپنا دستِ اقدس اُس برتن میں ڈالا۔ تو فوراً آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح (انتہائی صاف وشفاف اور نہایت خوش گوار) پانی جاری ہو گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

اس (عظیم الشان پانی) سے ہم نے پیاس بھی بجھائی اور وضو بھی کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا:

آپ لوگوں کی تعداد کتنی تھی؟

فرمایا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی وہ پانی ہمارے لیے کافی ہوتا؛ مگر ہم لوگ صرف پندرہ سو (۱۵۰۰) تھے۔

حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو دیکھا جب کہ نمازِ عصر کا وقت آ گیا تھا اور ہر طرف لوگ پانی کی تلاش میں سرگرداں تھے؛ لیکن پانی انھیں دست یاب نہیں ہو سکا تھا۔

حضور سرورِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے پاس کچھ پانی لایا گیا۔ آپ نے اپنا دستِ اقدس اُس پانی کے برتن میں رکھا اور حکم دیا کہ سب لوگ اس پانی سے وضو کریں!

راویِ حدیث کہتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی ابل رہا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ انگلیوں اور پوروں سے پانی نکلتا تھا۔ تو پوری

جماعت نے وضو کرلیا۔لوگوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کتنے آدمی تھے؟ تو فرمایا: ہم سب تین سو تھے۔[۱]

حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا:

میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی معیت میں دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا؛ لیکن بچے ہوئے معمولی پانی کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ وہ پانی ایک برتن میں جمع کر کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی خدمتِ عالیہ میں پیش کر دیا گیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ اس میں ڈال دیا اور انگلیاں پھیلا دیں اور ارشاد فرمایا:

وضو کرنے والے آئیں اور اللہ کی برکت سے فائدہ اٹھائیں!

حضرتِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ تو لوگوں نے (اس مبارک و مقدس پانی سے) وضو کیا اور اسے نوش بھی کیا۔ اور میں نے بھی اپنا پیٹ بھرنے میں کوئی کوتاہی نہیں برتی، خوب شکم سیر ہو کر پیا؛ کیوں کہ میرے عقیدے میں وہ پانی برکت والا تھا۔

راویِ حدیث کہتے ہیں کہ میں نے حضرتِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اس

---

[۱] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم الحدیث: ۳۵۷۲۔ صحیح الامام مسلم بن حجاج القشیری، کتاب الفضائل، باب فی معجزات النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۲۲۷۹۔ الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۳۶۳۳

وقت کتنے لوگ تھے؟ ارشاد فرمایا: چودہ سَو صحابہ تھے۔[۱]

اسی لیے مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مشہور نعتیہ دیوان حدائقِ بخشش میں فرماتے ہیں:

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندیاں پنجِ آبِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

قرآنِ کریم کی آیاتِ مقدسہ سے ثابت ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام پتھر پر اپنا عصائے مبارک مارتے تو اس سے پانی کے چشمے جاری ہو جاتے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو وہ شانِ اختیار عطا فرمائی کہ جب چاہتے انگشتِ مبارک سے آبِ شیریں کی ندیاں جاری فرما دیتے۔ سبحان اللہ!

پتھروں سے پانی جاری کر دینا زیادہ تعجب خیز نہیں؛ کیوں کہ اُن سے چشمے اُبلتے اور ندیاں جاری ہوتی رہتی ہیں۔ حضرتِ کلیم اللہ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ پتھروں پر لاٹھی مار کے، اپنی مرضی کے مطابق ان سے پانی جاری فرما دیتے تھے؛ لیکن انگلیوں سے پانی جاری کر دینا اس سے بہت زیادہ تعجب خیز ہے، کیوں کہ کائنات میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

لہٰذا رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اس معجزہ کو حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے اُس معجزہ پر بدرجہا فضیلت حاصل ہے، اس لیے کہ انگلیوں سے پانی بہنا پتھر کی بنسبت زیادہ بلیغ ہے۔ پتھر سے پانی نکلنا تو معمول ہے، جب کہ اس کے برعکس گوشت، پوست اور ہڈیوں سے پانی نکلنا بہت بڑا خرقِ عادت اور غیر معمولی کام ہے۔

---

[۱] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، ج: ۲، کتاب الاطعمۃ، باب شرب البرکۃ والماء المبارک، ص: ۸۴۲

حضور علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں میں کنکریوں نے کلمہ پڑھا:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

قَدِمَ وَفْدُ الْيَمَنِ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالُوْا: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! إِنَّا قَدْ خَبَأْنَا لَكَ خَبِيْئًا. فَقَالَ: سُبْحَانَ اللهِ! إِنَّمَا يُفْعَلُ هٰذَا بِالْكَاهِنِ وَالْكَاهِنُ وَالْمُتَكَهِّنُ وَالْكِهَانَةُ فِي النَّارِ. فَقَالَ لَهُ أَحَدُهُمْ: فَمَنْ يَشْهَدُ لَكَ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ؟ قَالَ: فَضَرَبَ بِيَدِهٖ إِلٰى حَفْنَةٍ حَصْبَاءَ فَأَخَذَهَا فَقَالَ: هٰذَا يَشْهَدُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ. قَالَ: فَسَبَّحْنَ فِيْ يَدِهٖ وَقُلْنَ: نَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ. [۱]

ترجمہ: یمن کا ایک وفد حضورِ انور علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہوا اور یوں عرض گزار ہوا:

اے ابو القاسم! ہم نے آپ (کی آزمائش) کے لیے ایک چیز چھپا رکھی ہے۔ (اگر آپ نبی ہیں تو بتائیں! وہ کیا ہے؟)

یہ سن کر حضور فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

سبحان اللہ! (تعجب ہے) ایسا تو کاہنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور کاہن (اٹکل سے باتیں بتانے والا) متکہن (اپنے آپ کو کاہن بتانے والا) اور کہانت سب دوزخ میں جائیں گے۔

ان میں سے کسی نے کہا:

پھر اس بات پر کون گواہی دے گا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں؟

راوی کہتے ہیں: پھر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے

---

[۱] دلائل النبوۃ للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی ج: ۲، ص: ۱۵۴۔ نوادر الاصول فی احادیث الرسول، للامام الحکیم الترمذی، ج: ۲، ص: ۲۱۷۔ موسوعۃ التفسیر الماثور، لمجموعۃ من المؤلفین، ج: ۱۳، ص: ۳۲۷

کنکریوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر انھیں اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا:

یہ کنکریاں گواہی دیں گی کہ میں اللہ عزوجل کا رسولِ برحق ہوں۔

راویِ حدیث کہتے ہیں کہ کنکریوں نے تسبیح خوانی کی اور پکار اٹھیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول ہیں۔ سبحان اللہ۔

امام ابوبکر احمد بن عمرو بزار، امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، امام ابونعیم عبداللہ بن احمد اصفہانی اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

حضور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم تنہا تشریف فرما تھے، میں بھی حضور کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آ کر بیٹھ گئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے سامنے سات کنکریاں پڑی تھیں۔ آپ نے ان کنکریوں کو ہاتھ میں لیا تو وہ تسبیح پڑھنے لگیں، (یعنی سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے لگیں) میں نے ان کی آواز سنی، وہ مکھیوں کی بھن بھناہٹ کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔ پھر آپ نے انھیں نیچے رکھا تو وہ خاموش ہو گئیں۔

اس کے بعد آپ نے ان کنکریوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر رکھا تو انھوں نے تسبیح کہی اور شہد کی مکھیوں کی طرح مجھے ان کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے ان کنکریوں کو نیچے ڈال دیا تو وہ چپ ہو گئیں۔ پھر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں میں بھی ان کنکریوں نے تسبیح خوانی کی اور نیچے رکھنے پر وہ خاموش ہو گئیں۔ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ خلافتِ نبوت ہے۔ امام ابوالقاسم علی بن حسن ابن عساکر علیہ الرحمہ نے اسے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[۱]

اس روایت سے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی عظمت کے ساتھ ساتھ حضراتِ خلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شان بھی معلوم ہوئی کہ حضور سیدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی صحبتِ بابرکت میں رہنے کے بعد وہ حضرات اتنے کامل ہو گئے تھے کہ بے جان پتھروں کو ہاتھ لگاتے تو ان میں **قوتِ گویائی** پیدا ہو جاتی اور ان سے **اللہ، اللہ، کی صدائیں آنے لگتیں**۔ سبحان اللہ۔

کتبِ احادیث میں ایسی حدیثیں کثرت کے ساتھ مروی ہیں، جو یہ شہادت دے رہی ہیں کہ جمادات ونباتات نے بارہا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں آکر عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا اور درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کیں۔

حضرتِ امام محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِمَكَّةَ. فَخَرَجْنَا فِي بَعْضِ نَوَاحِيهَا. فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ إِلَّا هُوَ يَقُولُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ!

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ساتھ مکۂ مکرمہ میں تھا۔ ایک مرتبہ آپ مکہ شریف کے کسی علاقے میں تشریف لے گئے تو آپ کے سامنے جو بھی درخت یا پہاڑ آتا آپ کو دیکھ لینے کے بعد پکار اٹھتا: **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ!**[۲]

---

[۱] حجۃ اللہ علی العالمین، للامام یوسف بن اسماعیل النبہانی، ج:۱، ص: ۱۴۷/۱۵۷

[۲] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی ص: ۲۰۳۔ المستدرک علی الصحیحین، للامام ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشابوری، ج:۲، ص: ۶۲۰۔ الشفا بتعریفِ حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱، ص: ۵۸۹

(۲۱)

وَعَلَيْكَ ظَلَّلَتِ الْغَمَامَةُ فِي الْوَرٰى	وَالْجِذْعُ حَنَّ اِلٰى كَرِيْمِ لِقَاكَا

ترجمہ: یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! مخلوق میں بادل کا ٹکڑا آپ ہی پر سایہ فگن ہوا اور کھجور کا تنا آپ کی کریمانہ ملاقات کا مشتاق ہوا۔

حلِّ لغات:

- ظَلَّلَتْ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مونث غائب از بابِ تفعیل، سایہ فگن ہونا، سایہ ڈالنا۔
- غَمَامَة: بادل کا ٹکڑا، جمع: غَمَائِم۔
- جِذْع: درخت کا تنا، جمع: جُذُوْع، اَجْذَاع۔
- حَنَّ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از باب ضرب، غم یا خوشی سے آواز نکالنا، مشتاق ہونا۔

تشریح:

قصیدۂ مبارکہ کے پندرہویں شعر کی تشریح میں گذرا کہ اِرہاص اُس خرقِ عادت چیز کو کہتے ہیں جو نبیِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم سے قبلِ بعثت ظاہر ہوا ہو۔ حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے اِرہاصات میں سے یہ بھی ہے کہ بعثت سے پہلے بادل کا ایک ٹکڑا آپ پر سایہ فگن رہتا تھا۔

بادلوں نے بھی شرفِ خدمت حاصل کیا:

جب نبیِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کی عمر مبارک ۱۲ رسال کے

قریب پہنچی تو آپ تجارتی مقاصد کے لیے اپنے چچا کے ساتھ ملکِ شام تشریف لے گئے۔ جب قافلہ مقامِ بُصْرٰی میں پہنچا تو ایک راہب (عیسائی عالم) کی خانقاہ کے قریب خیمہ زَن ہوا۔ وہاں عرصۂ دراز سے وہ راہب سکونت پذیر تھا، اس کا نام بَحِیْرٰی تھا۔

قریش کے تجارتی قافلے اکثر و بیشتر اسی راستے سے گزرتے تھے؛ لیکن اس نے کبھی توجہ نہ دی تھی، نہ گفتگو کرنے کا روادار ہوا تھا۔ مگر اس مرتبہ جب قافلہ اس کی وادی میں داخل ہوا تو اس نے اپنی خانقاہ سے دیکھا:

ایک نوخیز بچے پر ایک بادل کا ٹکڑا سایہ فگن ہے، وہ بچہ جدھر جاتا ہے بادل کا ٹکڑا ساتھ جاتا ہے۔

پھر اس نے یہ بھی دیکھا کہ قافلہ ایک درخت کے سایہ میں اترا، اہلِ قافلہ اس کے سایہ میں بیٹھ گئے، جب وہ بچہ وہاں پہنچا تو درخت کے سایہ میں کوئی جگہ باقی نہ رہی تھی، اس لیے اس بچے کو مجمع سے باہر ہی دھوپ میں بیٹھنا پڑا، تو درخت نے فوراً جھک کر اپنا سایہ اس بچہ پر ڈال دیا۔

اس راہب نے سوچا کہ کہیں یہ وہی نبی آخر الزماں تو نہیں ہیں، جن کا ذکر ہم کتبِ سابقہ میں پڑھتے چلے آئے ہیں۔ مزید علامتیں جاننے کے لیے اس نے خلافِ معمول پورے قافلے کی دعوت کی اور جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اس کی دعوت میں شریک ہوئے تو اس نے آپ سے چند سوالات کیے، جن کے جوابات آپ نے مرحمت فرمائے۔

جب آپ کے حالات و کوائف اس پر واضح ہو گئے اور اس نے جان لیا کہ آپ ہی خَاتَمُ النَّبِیِّیْن (آخری نبی) ہیں، تو اس نے آپ کی پشتِ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور

بے ساختہ جھک کر ختمِ نبوت کو بوسہ دیا اور آپ کے چچا ابو طالب سے صاف صاف کہہ دیا:

هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ. هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. هٰذَا يُبْعَثُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ.

ترجمہ: یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں۔ یہ ربُّ العالمین کے رسول ہیں۔ انھیں اللہ تبارک وتعالیٰ رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔

یہ سن کر چچا ابو طالب آپ کو لے کر تیزی کے ساتھ ملکِ شام پہنچے، اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر آپ کو لے کر مکہ مکرمہ واپس آگئے۔[۱]

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "الخصائص الکبریٰ" میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

كَانَتْ حَلِيْمَةُ لَا تَدَعُهُ اَنْ يَّذْهَبَ مَكَانًا بَعِيْدًا فَغَفَلَتْ عَنْهُ فَخَرَجَ مَعَ أُخْتِهِ الشَّيْمَاءِ فِي الظَّهِيْرَةِ إِلَى الْبَهْمِ فَخَرَجَتْ حَلِيْمَةُ تَطْلُبُهُ حَتّٰى تَجِدَهُ مَعَ أُخْتِهِ فَقَالَتْ: فِي هٰذَا الْحَرِّ؟ فَقَالَتْ أُخْتُهُ: يَا أُمَّهْ! مَا وَجَدَ أَخِيْ حَرًّا. رَأَيْتُ غَمَامَةً تُظِلُّ عَلَيْهِ، إِذَا وَقَفَ وَقَفَتْ وَإِذَا سَارَ سَارَتْ حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى هٰذَا الْمَوْضِعِ. قَالَتْ: أَحَقًّا يَا بُنَيَّةُ؟ إِيْ وَاللهِ۔[۲]

ترجمہ: حضرت سیدتنا حلیمہ سعدیہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک

---

[۱] ضیاء النبی، للعلامہ کرم شاہ الازہری، ج ۲ ص: ۱۰۵

[۲] الخصائص الکبریٰ، للامام جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی، ج: ۱، ص: ۵۸۔ البدایۃ والنہایۃ، للعلامہ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، ج: ۳، ص: ۴۱۳۔ الطبقات الکبریٰ، للامام محمد بن سعد، ج: ۱، ص: ۱۲۷۔ المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، للامام ابی العباس احمد بن محمد القسطلانی، ج: ۱، ص: ۹۴

وسلم (کا غایت درجہ خیال رکھتی تھیں اور ان) کو دور نہیں جانے دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ قدرے غافل ہوگئیں تو حضور دوپہر کے وقت اپنی رضاعی بہن حضرتِ شیما کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ میں چلے گئے۔ حضرت حلیمہ (بے قرار ہوکر) ان کی تلاش میں نکل پڑیں۔ جب انھیں اپنی بہن شیما کے ساتھ دیکھا تو انھیں قرار نصیب ہوا۔

حضرت حلیمہ نے (ناراض ہوکر) کہا: اتنی سخت گرمی میں انھیں یہاں کیوں لائی؟

شیما نے جواب دیا:

امی جان! میرے بھائی کو گرمی بالکل محسوس نہیں ہوئی؛ کیوں کہ میں نے دیکھا کہ ایک بادل مسلسل ان پر سایہ فگن رہا۔ یہ ٹھہرتے تھے تو وہ بھی ٹھہر جاتا تھا، یہ چلتے تھے تو وہ بھی چلنے لگ جاتا تھا، یہاں تک کہ ہم یہاں پہنچ گئے۔

حضرتِ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (فرحت وخوشی میں ڈوب کر) کہا:

کیا یہ سچ ہے میری بیٹی؟

شیما نے کہا:

ہاں امی جان! بخدا یہ بالکل سچ ہے۔

حضرت امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور زمانہ قصیدہ ”قصیدۂ بردہ شریف“ میں اس واقعے کو یوں نظم کیا ہے۔

مِثْلَ الْغَمَامَةِ اَنّٰى سَارَ سَائِرَةً   تَقِيهِ حَرَّ وَطِيسٍ لِلْهَجِيرِ حَمِي

ترجمہ: جس طرح آپ جہاں تشریف لے جاتے بادل کا ٹکڑا آپ کے ساتھ جاتا اور دوپہر کی سخت گرمی سے آپ کو بچاتا۔

کھجور کے تنے کی والہانہ محبت:

استنِ حنّانہ (کھجور کے رونے والے ستون) کا واقعہ متعدد احادیثِ کریمہ میں مذکور ہے۔ دس سے زیادہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اسے بیان کیا ہے۔ بڑے بڑے محدثین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن حبان اور ابن خزیمہ وغیرہ نے اسے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ لہذا اس واقعے کے تعلق سے حدیثیں فی نفسہا مشہور ہیں اور معنًی تواتر کے درجے تک پہنچی ہوئی ہیں۔

حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللهِ: كَانَ الْمَسْجِدُ مَسْقُوْفًا عَلٰى جُذُوْعٍ مِّنْ نَّخْلٍ. فَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خَطَبَ يَقُوْمُ إِلٰى جِذْعٍ مِّنْهَا. فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ وَكَانَ عَلَيْهِ سَمِعْنَا لِذٰلِكَ الْجِذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعِشَارِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: حَتّٰى ارْتَجَّ الْمَسْجِدُ بِخُوَارِهٖ وَفِيْ رِوَايَةِ سَهْلٍ وَكَثُرَ بُكَاءُ النَّاسِ لِمَا رَأَوْا بِهٖ وَفِيْ رِوَايَةِ الْمُطَّلِبِ وَأُبَيٍّ حَتّٰى تَصَدَّعَ وَانْشَقَّ حَتّٰى جَاءَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَيْهِ فَسَكَتَتْ. ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ لَمْ أَلْتَزِمْهُ لَمْ يَزَلْ هٰذَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحَزُّنًا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَأَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَدُفِنَ تَحْتَ الْمِنْبَرِ.[۱]

---

[۱] الصحیح للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم الحدیث: ۳۵۸۵۔ الاعتقاد، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی، ج: ۳، ص: ۲۷۱۔ الرقۃ والبکاء، للامام عبد اللہ بن محمد القرشی الشہیر بابن ابی الدنیا، ج: ۱، ص: ۹۰۔ شرح مشکل الآثار، للامام ابی جعفر احمد بن محمد الطحاوی، ج: ۱۰، ص: ۳۷۸۔ الصحیح، للامام ابی بکر محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ، ج: ۳، ص: ۱۴۰۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج: ۱، ص: ۵۸۳

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

مسجدِ نبوی کی چھت کھجور کے تنوں پر مشتمل تھی۔ جب حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تو ایک تنے پر ٹیک لگا لیتے۔ جب آپ کے لیے منبر بنا دیا گیا اور آپ اس پر جلوہ افروز ہو کر خطبہ دینے لگے، تو ہم نے اس تنے سے **اونٹنی کی طرح رونے کی آواز سنی۔**

ایک روایت میں ہے کہ اس کی پرسوز آواز سے مسجد شریف گونج اٹھی۔ حضرت سہل کی روایت میں ہے کہ اس کا رونا دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی خوب گریہ وزاری کی۔ مطلب اورائی کی روایت میں یہ ہے کہ وہ ستون روتے روتے **پھٹ گیا** اور پارہ پارہ ہو گیا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اس کے قریب آ کر اس پر اپنا دستِ شفقت پھیرا تو خاموش اور پرسکون ہو گیا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

ستون کے رونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کے ذکر سے دور ہو گیا ہے۔ دیگر ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر میں اسے سینے سے نہ لگاتا تو یہ رسول اللہ کی جدائی کے غم میں صبح قیامت تک روتا رہتا۔

پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے حکم کے بعد اسے منبر کے نیچے دفن کر دیا گیا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ آیا ہے کہ حضور رحمتِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اس تنے سے فرمایا:

اگر تو چاہے تو تجھے اسی باغ میں بو دیں جہاں سے تو آیا ہوا ہے، تیری جڑ وغیرہ مکمل کر دی جائیں اور تر و تازہ شاخیں بھی بنا دی جائیں اور تمھارے اوپر پھل بھی ظاہر ہو جائیں۔ اور اگر تمھاری خواہش ہو تو تم کو جنّت میں لگا دیا جائے؛ تا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نیک بندے تمھارے پھل سے لطف اندوز ہوں۔ پھر حضور سیدِ عالَم علیہ الصلاۃ والسلام نے اَپنے کانوں کا رخ اس کی طرف کیا؛ تا کہ سنیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

ستون کہہ رہا ہے کہ اسے جنّت میں لگا دیا جائے؛ تا کہ وہ اللہ عزوجل کے محبوب بندوں کو اپنا پھل کھلائے۔ اور کہہ رہا ہے کہ اس جگہ پر، میں پرانا اور قدیم ہوں گا اور میرے لیے فنا بھی نہ ہوگی۔ یہ باتیں ہر قریب آنے والے نے سنیں۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: میں یہی کچھ کروں گا۔ آپ نے اس سے کہا: اے ستون! تو نے دارِ بقا کو دارِ فنا کے مقابلہ میں پسند کیا۔[۱]

(۲۲)

وَكَذَاكَ لَا أَثَرٌ لِمَشْيِكَ فِي الثَّرٰى		وَالصَّخْرُ قَدْ غَاصَتْ بِهٖ قَدَمَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! اسی طرح نرم زمین پر آپ کے چلنے کا اثر ظاہر نہ ہوا، جب کہ پتھر میں آپ کے دونوں پاؤں کا نشان پڑ گیا۔

حلِّ لغات:

- مَشْي: مَشٰی یَمْشِيْ از بابِ ضرب کا مصدر، چلنا۔

---

[۱] إتحاف الزائر و إطراف المقیم للسائر، للامام ابی الیمن عبد الصمد بن عبد الوہاب ابن عساکر، ج:۱، ص:۸۲۔ مدارج النبوۃ، للشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی، مترجم ج:۱، ص:۳۰۱

- ثَرٰی: نمناک مٹی، جمع أَثْرَاء۔
- صَخْر: واحد صَخْرَۃ ٹھوس بڑا پتھر، چٹان۔
- غَاصَت: فعلِ ماضی معروف، صیغہ واحد مؤنث غائب از بابِ نصر، غوطہ لگانا، اترنا، داخل ہونا۔

تشریح:

اس شعر میں صاحبِ قصیدہ نے حضور سیدِ عالَم علیہ الصلاۃ والسلام کے ایسے دو معجزات کا تذکرہ فرمایا ہے، جنھیں سیرت نگاروں نے بیان کر کے شہرتِ دوام بخش دی ہے۔ ذیل میں ان کی کچھ تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔

زمین پر حضور علیہ السلام کے نقشِ کفِ پا ظاہر نہ ہوئے:

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زمین بالخصوص نمناک مٹی پر قدموں کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں جب کہ چٹانوں پر پیروں کے نشان نہیں بنتے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب حضور سرورِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو بے شمار معجزات کے ساتھ یہ معجزہ بھی عطا فرمایا کہ جب ہجرت کے وقت حضور علیہ الصلاۃ والسلام پیادہ پا حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نکلے تو زمین پر آپ کے **نقشِ قدم ظاہر نہ ہوئے**، کفار و مشرکین نے بہت تلاش کیا؛ لیکن کہیں بھی نشانِ قدم نہ پا سکے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام نرم اور گیلی زمین پر چلتے تو کبھی بطورِ معجزہ ایسا بھی ہوتا کہ چلنے کا اثر بالکل ظاہر نہ ہوتا۔

پتھروں نے نقشِ کفِ پا کو اپنے سینے میں اتارلیا:

یوں ہی جب آپ پتھریلی زمین یا کسی چٹان پر چلتے تو بار ہا ایسا ہوا کہ سخت پتھریلی زمین میں آپ کے مقدس قدم سما گئے اور اس نے آپ کے نقشِ کفِ پا کو اپنے سینے میں اتارلیا۔

یہ واقعہ متعدد بار رونما ہوا ہے؛ کیوں کہ دنیا کے مختلف حصوں میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے مبارک قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ مسلمان ان کی تعظیم کرتے، بوسہ دیتے، سینے سے لگاتے، سروں پر رکھتے، ان کے وسیلے سے دعائیں مانگتے اور بے شمار برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ یہ سارے امور جائز و مستحسن ہیں۔

جس پتھر پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نقشِ کفِ پا ثبت ہو گئے تو اسے "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" کے تمغے سے نواز دیا گیا اور وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز بن گیا، تو جن کے صدقے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت و رسالت سے نوازا گیا؛ بلکہ زیورِ تخلیق سے آراستہ کیا گیا اور بروزِ قیامت وہ جن کی پناہ میں آئیں گے، ان کے نقشِ کفِ پا کی عظمتوں کا عالم کیا ہوگا!

حضرت علامہ شہاب الدّین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ شرحِ شفا میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ معجزہ اقطارِ ارض میں مشہور و معروف ہے اور اسے شعرا نے فصیح اشعار میں نظم کیا ہے کہ حضور نبیِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم چلتے تو بعض اوقات ان کے قدموں کے نشان پتھروں پر پڑ جاتے۔ یہ نشان اب تک باقی ہیں، لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے اور ان کی زیارت و تعظیم کرتے ہیں، جیسا کہ قدس شریف میں معمول ہے۔

یہ نشانات قدس شریف سے مصر کے کئی مقامات پر منتقل کیے گئے، یہاں تک کہ روایت ہے کہ سلطان (الاشرف سیف الدین) قایتبائی نے انھیں بیس ہزار دینار میں خریدا اور وصیت کی کہ انھیں اس کی قبر کے پاس رکھا جائے اور وہ نشانات حسب وصیت اس کی قبر کے پاس آج بھی موجود ہیں۔[۱]

سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کی مشہور کتاب "اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّيَّةُ بِالْمِنَحِ الْمُحَمَّدِيَّة" میں ہے:

وَمِنْهَا: اَنَّهُ كَانَ اِذَا مَشٰى فِي الصَّخْرِ غَاصَتْ قَدَمَاهُ فِيْهِ وَاَثَّرَتْ فِيْهِ۔[۲]

ترجمہ: حضورِ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم جب پتھروں پر چلتے تو آپ کے پاؤں اقدس کے نیچے آ کر وہ نرم ہو جاتے اور ان میں قدم مبارک کے نشان اتر آتے۔

اِن دونوں معجزات کو ہر زمانے میں غیر معمولی شہرت حاصل رہی ہے، اس لیے سیرت نگاروں نے انھیں بلا سند بیان کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی محدث نے ان کی تخریج نہیں کی ہے؛ کیوں کہ تخریج کی بنیاد سندوں پر ہے۔ سند نہ ہونے ہی کی وجہ سے حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ وغیرہ نے ان کا انکار کیا ہے، اور یہ فرمایا ہے:

لم اقف له على اصل ولا سند ولا رأيتُ مَن خرَّجهُ في شيء مِن كتب الحديث۔[۳]

ترجمہ: نہ میں اس کی اصل وسند پر واقف ہو سکا ہوں اور نہ میں کسی ایسے محدث

---

[۱] حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، للامام یوسف بن اسماعیل النبہانی ج:۱،ص: ۲۰۷

[۲] المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، للامام ابی العباس احمد بن محمد القسطلانی، ج:۲،ص: ۳۴۰

[۳] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ، للامام محمد بن عبد الباقی الزرقانی، ج:۷،ص: ۱۹۴

کو جانتا ہوں جس نے حدیث کی کسی کتاب میں اس کی تخریج کی ہو۔

لیکن امام قسطلانی علیہ الرحمہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے خصائص کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

یہ معجزہ قدیم وجدید علما ومشائخ کی زبانوں پر مشہور ہے، شعرا وبلغا نے اپنے منثور ومنظوم کلاموں میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور پتھر میں حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مقدس قدموں کے نشانات کا پایا جانا بھی اِس کی تائید وتوثیق کر رہا ہے، جس کے بارے میں قرآنِ مجید نے کہا: فِيۡهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ۔ [۱]

پھر یہ بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت نے انبیاے سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کو جو بھی کمالات ومعجزات دیے، اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو، ان سے یا ان کے مثل سے یا ان سے بڑھ کر کمالات سے ضرور نوازا۔ لہذا واقعات کی شہرت ومقبولیت، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی عظمت ورفعت، سیرت نگاروں بالخصوص امام قسطلانی کی دلیل وحجت اور اہلِ قصائد بالخصوص سیدی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید وتقویت اس امر کا تقاضا کر رہی ہے کہ اسے بغیر کسی چوں وچرا کے قبول کیا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے قدم مبارک کو اس سے بڑھ کر عظمتیں عطا فرمائی ہیں۔

امام اہلِ سنت مجددِ دین وملت سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم　　　　اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

اور شیخ الاسلام مفسرِ قرآن حضرت علامہ محمد مدنی میاں مدظلہ العالی نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

---

[۱] المواہب اللدنیہ، للامام ابی العباس احمد بن محمد القسطلانی، ج:۲، ص:۴۴۰

عرشِ معلیٰ سر پہ اٹھائے طائرِ سدرہ آنکھ لگائے
پتھر بھی قسمت چمکائے تلوا ہی کچھ ایسا ہے

صاحبِ قصیدہ حضرت سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شعر میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

(۲۳)

وَ شَفَيْتَ ذَا الْعَاهَاتِ مِنْ اَمْرَاضِهٖ	وَمَلَأْتَ كُلَّ الْاَرْضِ مِنْ جَدْوَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ نے آفت رسیدہ اور مصیبت زدہ انسانوں کو بیماریوں سے نجات دی اور پوری روئے زمین کو اپنی عطاو بخشش سے لبریز کر دیا۔

حلِّ لغات:

- عَاهَة: آفت، مصیبت جمع عَاهَات . ذوالعاهات آفت رسیدہ شخص، مصیبت زدہ انسان۔
- شَفَيْتَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ ضرب، تندرست کرنا، صحت یاب کرنا۔
- جَدْوٰى: عطیہ، عطاو بخشش، جودوسخاوت۔

تشریح:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو ہر قسم کی خطرناک ولاعلاج اور اندوہناک بیماریوں کا معالج اور طبیب حاذق بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ نے لوگوں کو ہر قسم کی روحانی اور جسمانی بیماریوں سے نجات دی۔ جس طرح آپ نے

کفر و شرک، بغض و عناد، تکبر و غرور اور فتنہ و فساد کی گندگیوں سے انسانوں کے دلوں کو پاک و صاف فرما کر انھیں معرفتِ الٰہی کا گنجینہ بنا دیا، اسی طرح جو مریض بھی لا علاج بیماری لے کر بارگاہِ اقدس میں اپنے دکھ درد کی فریاد کرتے ہوئے آیا آپ کی ایک نگاہِ کرم نے اسے صحت و عافیت سے نواز دیا۔ سبحان اللہ۔ اس طرح کی روایتوں سے کتب احادیث مالا مال ہیں، چند روایتیں ملاحظہ ہوں:

پہلو دوبارہ جڑ گیا:

امام محمد بن اسحاق اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت حبیب بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دادا حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر میں زخمی ہو گئے اور ان کا ایک پہلو لٹک آیا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اس پر اپنا لعابِ دہن لگا کر اسے اس کی جگہ پر رکھا تو وہ جڑ کر پہلے کی طرح ہو گیا۔[۱]

سرکش جن بھاگ گیا:

امام ابوبکر احمد بن عمرو بزار، امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، امام ابونعیم عبداللہ بن احمد اصفہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے صحابیِ رسول حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں:

ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ہمراہ غزوۂ "ذات الرِّقاع" میں نکلے۔ جب حَرَّۃِ وَاقم کے مقام پر پہنچے تو ایک بدو عورت اپنا بچہ لے کر

[۱] حجۃ اللہ علی العالمین، للامام یوسف بن اسماعیل النبہانی، ج:۱، ص:۶۸۰

حاضرِ خدمت ہوئی اور عرض کی:

یارسول اللہ! میرے اس بچہ پر جنّ کا غلبہ ہے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اس کا منہ کھول کر اس میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور تین مرتبہ فرمایا:

اے دشمن خدا دور ہو! میں اللہ کا رسول ہوں۔

پھر ارشاد فرمایا:

اپنے بچے کو لے جاؤ اب وہ جن دوبارہ نہیں آئے گا۔

(راوی کہتے ہیں کہ) جب ہم جنگ سے لوٹے تو وہ عورت حاضر ہوئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اس سے اس کے بچے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ لعابِ دہن لگانے کے بعد وہ جنّ دوبارہ نہیں آیا۔[۱]

اس طرح کی ایک روایت امام حاکم علیہ الرحمہ کی "المستدرك" میں بھی ہے۔[۲]

آنکھیں بینا ہوگئیں:

وَذَكَرَ الْعُقَيْلِي عَنْ حَبِيْبِ بْنِ فُدَيْكٍ أَنَّ أَبَاهُ ابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ فَكَانَ لَا يُبْصِرُ بِهِمَا شَيْئًا فَنَفَثَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْ عَيْنَيْهِ فَأَبْصَرَ فَرَأَيْتُهُ يُدْخِلُ الْخَيْطَ فِي الْإِبْرَةِ وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِيْنَ۔ [۳]

---

[۱] المصدر السابق، ج:۱،ص:۶۸۱۔ الخصائص الکبریٰ، للامام جلال الدین السیوطی، ج:۱،ص:۳۷۳

[۲] المستدرک علی الصحیحین، للامام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشابوری، ج:۲،ص:۶۱۸

[۳] الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱،ص:۶۲۰۔ المصنف، للامام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبۃ، ج:۵،ص:۴۵۔ السیف المسلول علی من سب الرسول، للامام تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی، ج:۱،ص:۵۱۵۔ دلائل النبوۃ، للامام ابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی، ج:۱،ص:۶۱۴۔

ترجمہ: حضرتِ حبیب بن فدیک کہتے ہیں کہ ان کے والد کی آنکھیں سپید ہوگئی تھیں، کچھ نظر نہیں آتا تھا، تو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن ڈال دیا، فوراً ان کی آنکھیں بینا ہوگئیں اور حالت یہ ہوگئی کہ میں نے اسّی سال کی عمر میں بھی انھیں سوئی میں دھاگا ڈالتے دیکھا ہے۔ سبحان اللہ۔

شفائے اَمراض اور اِزالۂ عاہات کا یہ باب بہت وسیع ہے۔ حضور رحمتِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے دستِ مبارک سے چھوکر، پائے اقدس سے ٹھوکر مارکر، لعابِ دہن لگاکر، دعائیں دے کر اور نظرِ کرم فرماکر اتنے لوگوں کو شفا دی ہے جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔

شفائے اَمراض کے یہ واقعات اُن معجزات سے الگ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے دواؤں کی خصوصیات کے سلسلے میں ظاہر ہوئے۔ علمائے کرام نے ان کے بارے میں جداگانہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور انھیں "طِبِّ نَبَوِی" کا نام دیا گیا ہے۔

بہر حال اس شعر کی تشریح وتوضیح کے لیے صرف تین واقعات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ شفائے امراض کے کچھ واقعات حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگلے اشعار میں بیان فرمائے ہیں، ان کی تشریح وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام آج بھی شفا عطا فرماتے ہیں:

بد مذہب کہتے ہیں کہ حقیقی شافی اللہ عزوجل ہی ہے، البتہ اس نے اِس عالَمِ اَسباب میں شفایابی کے کچھ اسباب مہیا فرمائے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و

صحبہ وبارک وسلم اور دیگر انبیاء ومرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم؛ بلکہ صحابۂ کرام واہلِ بیتِ عظام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور دیگر صالحین کو بھی اس نے ان کی حیاتِ ظاہری میں شفا ونجات کا سبب وذریعہ بنایا تھا، اس لیے ان کی حیاتِ طیبہ میں انھیں شافی کہنا یا سمجھنا جائز تھا؛ لیکن وصال کے بعد چوں کہ اُن کی سببیت ختم ہوگئی؛ لہذا پیغمبرِ اسلام علیہ الصلاۃ والسلام اور دیگر اللہ والوں کو بعدِ وفات شافی کہنا، ان کی جانب شفا دینے کی نسبت کرنا یا جسمانی وروحانی بیماریوں سے نجات کے لیے اُن سے فریاد کرنا اور ان سے شفا کی درخواست کرنا صرف نا جائز ہی نہیں؛ بلکہ شرک ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے والے اور ابو جہل دونوں شرک میں برابر ہیں۔[۱]

ان احمقوں کا یہ عقیدہ بالکل باطل، من گھڑت اور قرآن وحدیث سے متصادم ہے۔ حضور سرورِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اور دیگر اہل اللہ، اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا سے بعدِ وصال بھی مدد کرتے اور مختلف بیماریوں سے شفا عطا فرماتے ہیں۔ اس حقیقت پر ایسے مضبوط دلائل قائم ہیں، جن سے کوئی بھی باشعور شخص انحراف نہیں کرسکتا۔ چوں کہ سیدی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شعر میں حضور سیدِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو شافی کہا ہے، اس لیے سرِ دست آپ علیک الصلاۃ والسلام کے شافیِ مطلق ہونے پر چند نا قابلِ انکار دلائل پیش کیے جا رہے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ

---

[۱] تقویۃ الایمان، لامام الوہابیۃ اسماعیل الدہلوی، ص: ۱۵۔ ملتقطاً

يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ [۱]

ترجمہ: اسی طرح ہم نے تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا ہے، جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتا ہے اور تمھاری باطنی اصلاح کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ [۲]

ترجمہ: بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا، جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا، جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

ان آیاتِ کریمہ میں رسول سے مراد حضور رحمتِ عالم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔ رب تبارک و تعالیٰ نے ان میں اپنے محبوب کی تین شانیں **"لوگوں کے سامنے قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا، ان کے باطن کو پاک وصاف کرنا اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دینا"** بیان فرمائی ہیں۔ رسولِ پاک علیہ الصلاۃ والتسلیم کی یہی تینوں صفات سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۲۹، اور سورۂ جمعہ آیت نمبر ۲ر ۳ اور ۴ میں بھی بیان کی گئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام

---

[۱] سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ: ۱۵۱

[۲] سورۃ آل عمران، رقم الآیۃ: ۱۶۴

نے اپنی حیاتِ طیبہ میں لوگوں کے باطن کو پاک وصاف کیا، جن کے دلوں میں برسہا برس سے بت پرستی کی محبت اور شرک کی الفت چڑھی ہوئی تھی، آپ کی نگاہِ کیمیا اثر نے ان کی کایہ پلٹ کرر کھ دی تھی اور آپ کی نظرِ کرم سے وہ توحید کے متوالے بن گئے تھے، جو لوگ لوٹ مار، قتل و غارت، بدکاری و زناکاری کے خوگر تھے، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی تربیت سے وہ رشکِ ملائکہ بن گئے تھے اور تقویٰ و پرہیز گاری کے بہت اونچے مقام پر فائز ہو گئے۔ یہ حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و تطہیر کے وہ جلوے تھے، جن سے ایک لاکھ سے زیادہ افراد مستفید و مستنیر ہوئے۔

وصالِ اقدس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی یہ **عظیم صفات سلب نہیں کر لی گئی تھیں؛** بلکہ بعد از وصال بھی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی نظرِ کرم سے لوگوں کے دل کفر و شرک اور فسق و فجور کی غلاظتوں سے پاک وصاف ہوتے رہے اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام اپنے روضۂ اطہر سے اپنے امتیوں کا تزکیہ فرماتے رہے اور **آج بھی فرما رہے ہیں**۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

چوں کہ اِن آیتوں میں آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی جانب مطلقاً تزکیہ کی نسبت کی گئی ہے، اس لیے اسے حضور کی حیاتِ ظاہری تک محدود نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ اس اطلاق کے بالکل واضح معنیٰ یہی ہوں گے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا عطا فرمانا اور لوگوں کو کفر و شرک اور دیگر گناہوں سے ستھرا کرنا صرف صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دَورِ مسعود کے ساتھ خاص نہ تھا؛ بلکہ قیامت تک کی تمام امت حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ان نعمتوں سے محظوظ اور اُن کی نظرِ رحمت سے ملحوظ ہے۔ اگر کسی مخالف کو انکار کی ضد ہو تو اگرچہ ضد کا کوئی علاج نہیں؛ مگر خاص اس ضد کا علاج

قرآنِ کریم ہی نے بتادیا ہے۔ سورۂ جمعہ، آیت نمبر ۳ میں ارشادِ ربانی ہے:

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝[۱]

ترجمہ: اور ان میں سے دوسروں کو بھی (پاک وصاف کرتے ہیں) جو ابھی ان پہلوں سے نہیں ملے اور وہ بہت غالب اور بے حد حکمت والا ہے۔

اس کی تفسیر فقط یہ ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے علاوہ قیامت تک کے تمام ذی استعداد مسلمانوں کے سامنے قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے اور ان کے باطن کو صاف فرماتے ہیں، نیز انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے یہ افعال **عظیم ترین نفع** اور **زبردست شفا پر مشتمل** ہیں۔ اِس کی تائید مندرجہ ذیل حوالہ جات سے ہوتی ہے:

امام قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وهو الذين جاءوا بعد الصحابة الى يوم الدين . فان دعوته و تعليمه يعمّ الجميع .[۲]

ترجمہ: وآخرین سے دورِ صحابہ کے بعد قیامت تک آنے والے تمام مسلمان مراد ہیں؛ کیوں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی دعوت وتعلیم سب کو عام ہے۔

امام نسفی علیہ الرحمہ کہتے ہیں:

أی لم يلحقوا بهم بعد . و سيلحقون بهم وهم الذين بعد الصحابة رضی الله تعالىٰ عنهم اجمعين و هم الذين يأتون من بعدهم الى

[۱] سورۃ الجمعۃ، رقم الآیۃ: ۳

[۲] انوار التنزیل واسرار التاویل الشہیر بتفسیر البیضاوی، للامام عبد اللہ بن عمر البیضاوی، سورۃ الجمعۃ، تحت الآیۃ: ۳

یوم الدین ۔[۱]

ترجمہ: آیتِ کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ جو مسلمان ابھی تک صحابہ سے لاحق نہ ہوئے؛ بلکہ بعد میں لاحق ہوں گے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے ہیں۔

تفسیرِ بغوی میں ہے:

وقال ابن زید: هم جميع من دخل فى الاسلام بعد النبى إلى يوم القيامة۔

ترجمہ: امام ابن زید نے کہا: **وآخرین منهم لما یلحقوا بهم** سے، حضورِ نبیِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے بعد قیامت تک اسلام میں داخل ہونے والے لوگ مراد ہیں۔

جب رسولِ پاک علیہ الصلاۃ والسلام وصالِ اقدس کے بعد بھی اپنے امتیوں کو علم و حکمت سے نوازتے اور انھیں طہارت و پاکیزگی سے سنوارتے ہیں تو بلاشبہہ اُن سے مدد مانگنا، انھیں حاجت و مصیبت کے وقت پکارنا اور "**شافی ونافع**" کہنا جائز ہوگا، ہرگز شرک نہیں ہوگا۔ وہابیوں کی اِس عجیب منطق کہ "**حضور علیہ السلام جب تک باحیات تھے اُن سے مانگ سکتے تھے؛ لیکن آج کی تاریخ میں ان سے مانگنا حرام وشرک ہے**" اور اس جیسی دیگر خرافات کا جواب دیتے ہوئے امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ والوں سے مدد مانگنے کی مخالفت کرنے والے بے چارے کم علم لوگوں کو اکثر دھوکہ دیتے ہیں، کہ یہ تو زندہ ہیں، فلاں عقیدہ یا معاملہ ان سے شرک نہیں، وہ مُردہ ہیں اُن

---

[۱] معالم التنزیل المشہیر بتفسیر البغوی، للامام محیی السنۃ ابی محمد حسین بن مسعود البغوی، سورۃ الجمعۃ، تحت الآیۃ: ۳

سے شرک ہے۔ یا یہ تو پاس بیٹھے ہیں ان سے شرک نہیں وہ دور ہیں اُن سے شرک ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسی باتیں کرنا سخت جہالت ہے۔ جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے شرک ہی رہے گا۔ ایک کے لیے شرک نہیں تو کسی کے لیے شرک نہیں۔ کیا اللہ پاک کے شریک مردے نہیں زندے ہوسکتے ہیں۔ دور والے نہیں پاس والے ہوسکتے ہیں۔ انبیا نہیں ہوسکتے، حکیم ہوسکتے ہیں۔ انسان نہیں ہوسکتے؛ مگر فرشتے ہوسکتے ہیں۔ حاشا للہ! اللہ تبارک وتعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔[۱]

جسے اِس مسئلے پر تحقیق درکار ہو وہ امام اہلِ سنت علیہ الرحمہ کی مایۂ ناز تصنیف " الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا " کا مطالعہ کرے۔ ان شاء اللہ دماغ کے سارے طبق روشن ہوجائیں گے۔

(۲۴)

وَ رَدَدْتَّ عَیْنَ قَتَادَۃٍ بَعْدَ الْعَمٰی	وَابْنَ الْحُصَیْنِ شَفَیْتَہٗ بِشِفَا کَا

ترجمہ : یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ نے نابینائی کے بعد (حضرت) قتادہ کی آنکھ واپس کردی اور (حضرت کلثوم) ابن حصین کو اپنی شفا سے نوازا۔

حلِّ لغات:

❁ رَدَدْتَّ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ نصر، لوٹا دینا، واپس کردینا۔

❁ عَیْنٌ : آنکھ، جمع: أَعْیُن۔

[۱] الفتاوی الرضویۃ، للامام احمد رضا خان القادری البریلوی، ج: ۲۱، ص: ۱۳۳، موضحاً و مسھلاً

عمٰی: مصدر از باب سمع یسمع ، اندھا ہونا ، دل کا اندھا ہونا اور جاہل ہونا، عن الشیء: ہدایت نہ پانا، علیہ: مشتبہ ہونا۔

تشریح:

قصیدے کے اس شعر میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شفائے اَمراض کے دو واقعات بیان فرمائے ہیں، تاریخ وحدیث کی کتابوں میں ان کی تفصیل ملتی ہے۔ راقم الحروف معتبر ومستند کتابوں کے حوالے سے، دونوں معجزات بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے؛ لیکن پہلے اس شعر میں مذکور دو عظیم الشان صحابہ کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمالیں:

حضرتِ قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر بدری صحابی ہیں۔ ان کی کنیت ابو عمر اور لقب ذوالعینین ہے۔ یہ قبیلۂ اوس کے خاندان "ظفر" کے چشم وچراغ ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے: قتادہ بن نعمان بن زید بن عامر بن سواد بن ظفر بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔ ان کی ماں کا نام "انیسہ بن قیس" تھا، جو کہ قبیلۂ نجار سے تھیں۔

انھیں بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ غزوۂ بدر واحد ودیگر غزوات میں نہ صرف یہ کہ شریک ہوئے؛ بلکہ غیر معمولی صبر واستقلال کا مظاہرہ کیا۔ ۲۳ یا ۲۴ھ میں امیر المومنین سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ مسعود میں، ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ خلیفۂ دوم نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ [۱]

---

[۱] الوافی بالوفیات، للعلامہ صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی، ج: ۲۴، ص: ۱۴۲۔

حضرتِ کلثوم بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

راجح قول کے مطابق ان کا پورا نام ابورُہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ ایک قول کے مطابق ان کے والد کا نام ''حصن بن عبید'' ہے۔ ان کے باپ اور دادا کے ناموں کے بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ حضرت کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عظیم الشان صحابی ہیں۔، ہجرتِ نبوی کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ سب سے پہلے غزوۂ احد میں شریک ہونے کا شرف ملا۔ بیعتِ رضوان، صلحِ حدیبیہ، غزوۂ خیبر اور غزوۂ تبوک میں بھی شریک ہوئے۔ چوں کہ ان کے سینے پر لگنے والے زخم پر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم نے اپنا لعابِ دہن لگایا تھا اس لیے انھیں ''مَنْحُوْر'' بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے شرف وکمال کو سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم نے انھیں دو مرتبہ مدینۂ منورہ پر اپنا جانشیں مقرر فرمایا تھا۔ ایک بار عمرۃ القضا کے دوران اور ایک بار فتحِ مکہ کے موقع پر۔ ان کی وفات کس سن میں ہوئی اس بارے میں کوئی روایت نہیں مل سکی۔[۱]

دستِ اقدس کی فیض رسانی:

امام ابو احمد عبد اللہ ابن عدی، امام ابو یعلی احمد بن علی اور امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

غزوۂ بدر میں ان کی آنکھ زخمی ہوگئی اور اس کا ڈھیلہ بہہ کر رخسار پر آ گیا۔ لوگوں نے اسے کاٹ کر الگ کرنا چاہا۔ انھوں نے اس سلسلے میں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و

---

[۱] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، للامام عز الدین ابن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری، ج:۵، ص:۱۱۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

صحبہ وبارک وسلم سے دریافت کیا تو حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا :

ایسا نہ کرو! پھر آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے کرم فرمایا اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر اپنی مبارک ہتھیلی سے ان کی آنکھ کا ڈھیلہ اس کی جگہ پر دبادیا، تو ان کی آنکھ ایسی شفایاب ہوئی کہ انھیں معلوم ہی نہیں پڑتا تھا کہ ان کی کس آنکھ میں زخم لگا تھا۔

حضرت امام بیہقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی یہ دعا بھی نقل کرتے ہیں :

اَللّٰھُمَّ اکْسُہٗ جَمَالًا

ترجمہ : اے اللہ! قتادہ کو خوب صورتی اور جمال عطا فرما۔

حضرت امام محمد بن سعد بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں ہے:

فَکَانَتْ أَحْسَنَ عَیْنَیْہِ

ترجمہ : تو وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوب صورت ہوگئی۔ [۱]

ایک اور روایت میں امام طبرانی اور امام بیہقی علیہما الرحمہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اِسی واقعہ کو نقل کیا ہے؛ مگر اس میں بدر کی بجائے اُحد کا ذکر ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

غزوۂ احد کے دن میں حضورِ نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے

---

[۱] سیر اعلام النبلاء، للامام شمس الدین الذھبی ، ج: ۲،ص: ۳۳۳۔ دلائل النبوۃ، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی ، ج: ۳،ص: ۲۵۲۔ السیرۃ الحلبیۃ، للامام نور الدین الحلبی ، ج: ۲،ص: ۳۲۲۔ مدارج النبوۃ، للشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی، ج: ۱،ص: ۳۰۵۔ حجۃ اللہ علی العالمین، للعلامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی ، ج: ۱،ص: ۶۸۰

سامنے کھڑے ہو کر، تیروں سے آپ کا دفاع کر رہا تھا کہ اچانک ایک تیر میری آنکھ میں آلگا جس سے میری آنکھ کا حلقہ باہر آ گیا۔ میں اسے ہاتھ میں لے کر اپنے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کی طرف بھاگا۔ جب حضور نے اسے میری ہتھیلی پر دیکھا تو اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضور علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں یوں دعا کی:

اے اللہ! قتادہ کو بچا جس طرح اس نے تیرے نبی کے چہرے کا دفاع کیا۔ اس کی آنکھ کو زیادہ خوب صورت اور تیز کر دے!

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کی دعا کا اثر یہ ہوا کہ وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ **خوب صورت اور تیز** ہو گئی۔ [۱]

کیا ہی خوب فرمایا ہے امامِ عشق و محبت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے:

جس طرف اٹھ گئی، دم میں دم آ گیا   اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
ہاتھ جس سمت اٹھا، غنی کر دیا   موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں   اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

اور امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدۂ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

كَمْ أَبْرَأَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُهُ   وَأَطْلَقَتْ أَرِبًا مِّنْ رِبْقَةِ اللَّمَمِ

ترجمہ: سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہاتھ لگا کر کتنے بیماروں کو اچھا کر دیا اور کتنے دیوانوں کو دیوانگی کی قید سے رہا کر دیا۔

---

[۱] حجۃ اللہ علی العالمین، للعلامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی، ج:۱، ص:۶۸۰

لعابِ دہن کی برکتیں:

احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کی بارگاہِ عالی میں جب کوئی مریض آتا تو حضور اپنا لعابِ دہن انگشتِ شہادت میں لے کر زمین پر ملتے اور اسے منجمد کر کے بیمار شخص کی تکلیف کی جگہ ملتے اور اللہ رب العزت سے اس کی شفایابی کی دعا فرماتے۔

اُمُّ المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

جب کسی انسان کو کوئی تکلیف ہوتی یا کوئی زخم لگتا تو حضورِ اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اپنا لعابِ دہن مٹی کے ساتھ ملا کر لگاتے اور اس کی شفایابی کے لیے یہ مبارک الفاظ دہراتے:

بِسْمِ اللهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا ۔[۱]

ترجمہ: اللہ عزوجل کے نام سے شفا طلب کر رہا ہوں، ہماری زمین کی مٹی ہم میں سے کسی کے لعاب کے ساتھ ہے؛ تاکہ اللہ عزوجل کے حکم سے ہمارے مریض کو شفا نصیب ہو۔

امام قاضی عیاض شفا شریف میں روایت کرتے ہیں:

رُمِيَ كُلْثُوْمُ بْنُ الْحُصَيْنِ يَوْمَ اُحُدٍ فِيْ نَحْرِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْهِ فَبَرَأَ ۔[۲]

ترجمہ: غزوۂ احد کے دن حضرت کلثوم بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گلے میں تیر گھس گیا تھا۔ جیسے ہی آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم نے اس

---

[۱] الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب السلام، باب استحباب الرقیۃ من العین والنملۃ والحمۃ والنظرۃ، رقم الحدیث: ۵۸۴۸

[۲] الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱، ص:۳۲۰۔ سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، للامام محمد بن یوسف الصالحی الشامی، ج:۴، ص:۲۳۲۔ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، للامام محمد بن عبد الباقی، ج:۲، ص:۴۳۳

پر اپنا لعابِ دہن لگایا وہ شفا پا گئے۔

اس برقی دور میں میڈیکل سائنس اپنے عروج پر ہے۔ آج جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے میڈیکل نے ایسے ایسے آلات ایجاد کر لیے ہیں کہ ماضی میں جن کا خیال بھی کسی کے ذہن میں نہ گزرا ہوگا؛ لیکن کیا کوئی بڑا سے بڑا سائنس داں اور ماہر سے ماہر ڈاکٹر بھی محض ہاتھ لگا کر کسی مریض کو ٹھیک کر سکتا ہے؟ اپنے تھوک سے کسی بیماری کا علاج کر سکتا ہے؟ ان نام نہاد ڈاکٹروں کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ جب تک مریض اپنا مرض نہ بتائے یہ دوا تجویز نہیں کر پاتے؛ بلکہ بعض اوقات بتانے کے باوجود بیماری کی تعیین سے قاصر رہتے ہیں۔

لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے **دستِ مبارک** (بابرکت ہاتھ) اور **لعابِ دہن** (منہ کے تھوک) میں وہ شفا رکھی ہے، کہ جسے بھی اُس مقدس ہاتھ کا لمس (چھونا) نصیب ہوگیا اُس کی بگڑی بن گئی اور جسے اُس لعابِ دہن کے چند ذرّے مل گئے اس کی زندگی سنور گئی۔

کتنے مبارک تھے وہ لوگ اور کتنی سعادت مند تھیں وہ ہستیاں! جنھیں حضور ساقیِ کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے دستِ اقدس کا لمس ملا اور جنھیں لعابِ اقدس کے چند ذرّے نصیب ہوئے۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہنے والے بدبخت:

کہاں ہیں وہ نادان اور احمق لوگ جو اپنے آقا و مولا حضور پیغمبرِ امن وسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے نہیں شرماتے اور بڑے بھائی کی سی تعظیم کرنے کا حکم دیتے ہیں؟

یہ بدنصیب نبی کی آنکھوں کی طرح اپنی دو آنکھیں تو دکھا دیں گے؛ لیکن ان میں وہ طاقت کہاں سے لائیں گے کہ اٹھ جائیں تو مردہ دلوں میں جان آجائے۔ دو ہاتھ تو دکھا دیں گے؛ لیکن ان میں یہ تاثیر کہاں سے لائیں گے کہ آنکھ کے نکلے ہوئے ڈھیلے کو اس کے مقام پر رکھ دیں تو وہ پہلے سے زیادہ روشن ہو جائے۔ لعابِ دہن تو ویسا دکھا دیں گے؛ لیکن اس میں وہ شفا کہاں سے لائیں گے کہ لگا دیں تو بڑی سے بڑی بیماریاں ایک لمحے میں دور ہو جائیں۔ ہوسکتا ہے کوئی **جاہل دیو بندی** اور **احمق وہابی** یہ کہے کہ اوصاف و کمالات کو الگ رکھیے! یہ دیکھیے کہ ظاہری اعضا و اجزا میں ہم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی طرح ہیں کہ نہیں؟

ایسے احمق و نادان شخص سے کہا جائے گا:

اپنی عقل کا علاج کریے! اگر اوصاف وخصوصیات اور کمالات و امتیازات کا اعتبار نہ کیا جائے تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ **آپ گدھے ہیں**، کیوں کہ آپ بھی گدھے کی طرح دو آنکھیں دو پیر اور دو کان رکھتے ہیں۔ آپ خنزیر ہیں؛ کیوں آپ بھی خنزیر جیسے اعضا رکھتے ہیں۔

حضرت جی! اوصاف وکمالات ہی کے ذریعے اشیا ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی ہیں۔ اگر ان کا لحاظ نہیں کریں گے تو بڑی پریشانیوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔

(۲۵)

وَ كَذَا خُبَيْبًا وَابْنَ عَفْرَا بَعْدَ مَا	جُرِحَا شَفَيْتَهُمَا بِلَمْسِ يَدٍ لَكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! اسی طرح آپ نے اپنا دستِ مبارک پھیر کر خبیب اور ابن عفرا کو زخمی کیے جانے کے بعد صحت یاب کر دیا۔

حلِّ لغات:

- جُرِحَا: فعلِ ماضی مجہول، صیغہ تثنیہ مذکر غائب از بابِ فتح، زخمی کرنا۔
- شَفَیْتَ: فعلِ ماضی، صیغہ واحد مذکر حاضر از بابِ ضرب، شفا دینا۔
- لَمْس: مصدر از بابِ نصر و ضرب، چھونا، ٹٹولنا، طلب کرنا۔

تشریح:

اس شعر میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کے اُن دو معجزوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کا تعلق دو عظیم صحابی حضرت خبیب بن یساف اور حضرت معوذ بن عفرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے۔ مؤرخین ومحدثین نے ان معجزات کو اپنی اپنی کتابوں میں مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ پہلے ان حضرات کی مختصر سوانح ملاحظہ فرمائیں، پھر واقعات کی تفصیل بیان کی جائے گی:

حضرت خبیب بن یساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت خبیب بن یساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری بدری صحابی ہیں۔ یہ بدر کے موقع پر مسلمان ہوئے، پھر تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا مشہور قول ''إنا لا نستعين بالمشركين'' (ہم مشرکوں سے مدد نہیں لیتے) انھی کے بارے میں ہے۔ اس کا مختصر قصہ یہ ہے جب ان کی قوم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی معیت میں غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئی تو انھوں نے اپنے ایک غیر مسلم ساتھی کے ساتھ حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں حیا آرہی ہے کہ ہماری قوم آپ کے ساتھ جہاد کے لیے روانہ ہو اور ہم نہ جائیں،

لہذا ہمیں بھی اجازت مرحمت فرمادیں۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے پوچھا:

تم دونوں مسلمان ہو؟

کہا: نہیں۔

ارشاد فرمایا: ہم (مشرکوں کے خلاف) مشرکوں سے مدد نہیں لیں گے۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اُسی وقت ہم نے اسلام قبول کیا اور غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔[۱]

حضرت معوذ بن عفرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت معوّذ بن عفرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ عظیم الشان صحابیِ رسول ہیں۔ انھیں معوذ بن حارث بھی کہا جاتا ہے۔ عفراء ان کی والدۂ ماجدہ کا نام ہے، جن کے سات بیٹے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ یہ قبیلۂ نجار کے چشم و چراغ ہیں۔ انھوں نے ہی میدانِ بدر میں اپنے بھائی حضرت معاذ بن عفرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر ابوجہل لعین پر تلوار سے حملہ کیا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

غزوۂ بدر کے دن، مَیں مجاہدین کی صف میں کھڑا تھا۔ تبھی میں نے اپنے دائیں بائیں دو کم سن انصاری بچے دیکھے۔ ان میں سے ایک نے آہستہ سے مجھ سے کہا: یاعم هل تعرف أبا جهل؟ محترم چچا! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں جانتا ہوں؛ لیکن تمھیں اس سے کیا کام ہے؟ انھوں نے کہا: ہم نے سنا ہے کہ وہ ہمارے

[۱] حلیۃ الاولیاو طبقات الاصفیاء، للامام ابی نعیم احمد بن عبد اللہ، ج:۱، ص: ۳۶۴

آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتا ہے، لہذا اگر ہم نے اسے دیکھ لیا تو اسے قتل کر دیں گے یا خود شہید ہو جائیں گے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

اچانک ابو جہل مجھے اپنے سپاہیوں کے درمیان نظر آ گیا۔ میں نے ان بچوں کو اشارے سے بتا دیا۔ وہ دونوں لڑکے اشارہ ملتے ہی تلوار لے کر اس کے قریب گئے اور پے در پے کئی حملے کر کے اُسے زخموں سے لت پت کر دیا۔ پھر وہ دونوں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! ہم نے ابو جہل کو اس کے انجام تک پہنچا دیا ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے پوچھا: کس نے اسے قتل کیا ہے؟ دونوں نے بیک زبان کہا: میں نے قتل کیا ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے دونوں کی خون آلود تلوار ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا: واقعی تم دونوں ہی نے اسے قتل کیا ہے۔[۱]

سردارِ قریش ابو جہل ملعون کو اگرچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا؛ لیکن چوں کہ اُن دونوں شہ زادوں نے اسے زخمی کر کے ادھ مَرا کیا تھا، جس کے سبب حضرت عبد اللہ کے لیے اسے قتل کرنا آسان ہو گیا تھا، اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے قتل کرنے کی نسبت ان ننھیں مجاہدوں کی جانب کر دی۔

---

[۱] الصحیح، للامام البخاری، ، باب قتل ابی جہل، رقم الحدیث: ۳۹۶۲۔ الصحیح، للامام مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب قتل ابی جہل، رقم الحدیث: ۴۶۶۸

کٹے ہوئے ہاتھ دوبارہ جڑ گئے:

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

إِنَّ خُبَيْبَ بْنَ يَسَافٍ أُصِيبَ يَوْمَ بَدْرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بِضَرْبَةٍ عَلَى عَاتِقِهِ حَتّٰى مَالَ شِقُّهُ. فَرَدَّهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَنَفَثَ عَلَيْهِ حَتّٰى صَحَّ. [۱]

ترجمہ: غزوہ بدر کے موقع پر حضرت خبیب بن یساف (بعض روایتوں میں خبیب کے بجائے "حبیب" ہے) رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ساتھ تھے۔ ان کے کاندھے پر حملہ کیا گیا جس سے ان کا پہلو لٹک آیا، تو رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے لعابِ دہن لگا کر اس کو واپس جوڑ دیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

پھر میں نے اس شخص کو قتل کر دیا جس نے مجھ پر وار کیا تھا، اور بعد میں اس کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ سبحان اللہ۔ [۲]

عروج و ارتقا کے اس دور میں کسی کا ہاتھ ٹوٹ جائے یا زخمی ہو جائے تو ڈاکٹر پلاسٹر چڑھاتے ہیں، پھر کام اور حرکت نہ کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ پھر کئی مہینوں کے بعد پلاسٹر کاٹا جاتا ہے، تب بھی اس میں پہلی جیسی قوت نہیں آپاتی؛ لیکن اگر کٹ کر لٹک جائے یا بالکل الگ ہو جائے تو اسے دوبارہ جوڑا نہیں جا سکتا۔

لیکن قربان جائیں ہمارے آقا و مولا حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و

---

[۱] الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱، ص:۶۲۲۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروف بالسیرۃ الحلبیۃ، للامام نورالدین الحلبی، ج:۳، ص:۳۹۶

[۲] نزہۃ الافکار فی شرح قوۃ الابصار، للعلامۃ عبدالقادر المجلسی، ج:۲، ص:۳۹۲۔

بارک وسلم کے لعاب دہن پر! کہ لگاتے ہی ہاتھ جڑ گیا اور صرف جڑا ہی نہیں؛ بلکہ اس میں اتنی طاقت وقوت بھی پیدا ہوگئی کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی جنگ میں حملہ کرنے والے دشمن کو قتل کر کے انجام تک پہنچا دیا۔

امام قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وَقَطَعَ اَبُوْ جَهْلٍ يَوْمَ بَدْرٍ يَدَ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَآءَ فَجَاءَ يَحْمِلُ يَدَهٗ فَبَصَقَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَاَلْصَقَهَا فَلَصِقَتْ رَوَاهُ ابْنُ وَهْبٍ۔ [۱]

ترجمہ: غزوۂ بدر کے دن ابوجہل ملعون نے حضرت معوّذ بن عفرا رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کاٹ دیا تھا۔ وہ **اپنا ہاتھ اٹھا** کر رسولِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے **اپنا پاکیزہ تھوک** لگا کر اسے چپکا دیا، تو **وہ ہاتھ اپنی جگہ پر چپک کر بالکل ٹھیک ہوگیا۔**

ایسی بے شمار روایتیں اور واقعات ہیں، جن سے حضور مختارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا صاحبِ اختیار ہونا ثابت ہوتا ہے، احادیث وسیر کی بڑی بڑی کتابیں ان سے مالا مال ہیں۔ دیوبندیوں کے باطل عقائد اور خبیث اقوال پڑھنے اور ان مبارک حدیثوں کی تلاوت کرنے کے بعد بے ساختہ یہ مصرع زبان پر جاری ہوجاتا ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ایک علمی لطیفہ:

خود کو اہلِ حدیث کہنے والے وہابی سیّدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عظمت و شان کم کرنے کے لیے رات دن کوششیں کرتے رہتے ہیں، طعن وتشنیع اور سبّ وشتم سے

[۱] الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱، ص:۳۲۲

جی نہیں بھرتا تو طرح طرح کے جاہلانہ اعتراضات کے ذریعے اپنی حماقت و نادانی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ یہ شعر نحوی قواعد کی روشنی میں صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ "یدا" تثنیہ اور "لمس" کا مضاف الیہ ہے۔ تثنیہ کا اعراب حالتِ جر میں "الف" نہیں؛ بلکہ "یاے ماقبل مفتوح" ہوتا ہے۔ لہذا "بلمس یدیك" ہونا چاہیے نہ کہ "یداك"۔ بھلا ایسا شخص قرآن و حدیث کی روح کو کیا سمجھے گا؟ جس سے جا بجا نحوی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لہذا امام اعظم نہ ہی مجتہد ہیں اور نہ ہی قابلِ اقتدا۔ معاذ اللہ۔

اس جاہلانہ سوال سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عناد رکھنے والے ان بے توفیقوں کی، علمِ نحو میں جہالت ثابت ہو رہی ہے اور ان کا لکیر کا فقیر ہونا بھی واضح ہو رہا ہے۔

چوں کہ ان احمقوں نے **نحو میر و ہدایۃ النحو** وغیرہ کتب نحو میں یہ پڑھ لیا کہ تثنیہ کا اعراب حالتِ رفعی میں **الف** اور حالتِ نصبی و جرّی میں **یاے ماقبل مفتوح** ہوتا ہے۔ ان کا مبلغِ علم اسی قدر ہے۔ ان کے مبلغ علم کی روشنی میں یہ شعر غلط ہے۔ ان نادانوں کو کیا پتہ کہ جس طرح اسماے ستہ مکبّرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ **تینوں حالتوں میں ان کا اعراب الف کے ساتھ ہوتا ہے** (جیسا کہ بخاری شریف میں بطریق محمد بن مثنّٰی ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابو جہل مردود کو قتل کرنے لگے تو اس سے فرمایا "انت أبا جھل"۔ اَبا جھل حالتِ رفعی میں ہونے کے باوجود الف کے ساتھ ہے) اسی طرح تثنیہ میں بھی ایک لغت یہ ہے کہ رفع و نصب و جر تینوں حالتوں میں **اس کا اعراب الف کے ساتھ ہوتا ہے۔**

یہ شعر اسی لغت پر ہے لہذا "بلمس یداکا" بالکل درست ہے۔ اس کو لے کر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر وہی جاہل اعتراض کرے گا جس کا علمِ نحو سے دور کا بھی تعلق نہ ہو۔

یہ لغت فصیح بھی ہے اور رائج بھی۔ چناں چہ ایک عربی شاعر کہتا ہے:

اِنَّ أَبَاهَا وَ أَبَا أَبَا هَا ۔۔۔ قَدْ بَلَغَا فِي الْمَجْدِ غَايَتَا هَا

ترجمہ: بے شک اس کے والد اور اس کے والد کے والد، دونوں مجد و شرافت میں انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔

اس شعر میں تیسرا "أبا" حالتِ جر میں ہونے کے باوجود الف کے ساتھ ہے۔ اسی طرح "غایتا"، تثنیہ اور حالتِ نصب میں ہونے کے باوجود الف کے ساتھ ہے اور یہ دونوں درست ہیں۔

(۲۶)

وَعَلِيٌّ مِنْ رَمَدٍ بِهٖ دَاوَيْتَهٗ	فِيْ خَيْبَرٍ فَشُفِيْ بِطِيْبِ لِمَا كَا

ترجمہ: اور یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ نے غزوۂ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آشوبِ چشم کا علاج کیا تو آپ کے پاکیزہ ہونٹوں کی خوشبو (لعابِ دہن) سے انھیں شفا نصیب ہو گئی۔

حلِّ لغات:

- رَمَد: آشوبِ چشم کا مریض ہونا، از بابِ سمع۔
- دَاوَيْتَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر حاضر از باب مُفَاعَلَتٌ، علاج کرنا۔
- لِمٰی: لام کی تینوں حرکتوں کے ساتھ، ہونٹ کے اندرونی حصے میں گندمی رنگت یا سیاہی۔ یہاں ہونٹ مراد ہیں۔

تشریح:

اس شعر میں سیدنا امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وبارک وسلم کے لعابِ دہن سے حاصل ہونے والی عظیم الشان برکتوں میں سے ایک برکت کا ذکر فرمایا ہے، جو مولائے کائنات سیدنا علی بن ابو طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو غزوۂ خیبر کے موقع پر حاصل ہوئی تھی۔ اس کا ذکر حدیث کی کئی کتابوں میں ملتا ہے۔ پہلے حضور فاتحِ خیبر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی مختصر سوانح بیان کی جا رہی ہے، پھر صحیح بخاری کے حوالے سے اس واقعے کی تفصیل درج کی جائے گی۔

سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

امیر المومنین سیدنا مولا علی بن ابو طالب بن عبد المطلب ہاشمی قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کینت ابو الحسن اور ابو تراب ہے۔ حیدر اور اسد اللہ ان کے خطابات ہیں۔ انھیں اپنی کنیت ابو تراب بہت پسند تھی؛ اس لیے کہ یہ کنیت خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے عطا فرمائی تھی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان میں اور ان کی زوجۂ محترمہ سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں کچھ شکر رنجی ہوگئی۔ یہ کچھ ناراض ہو کر مسجدِ نبوی شریف میں فرش پر جا کر سو رہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم تشریف لائے، انھیں اٹھایا، دیکھا کہ ان کی پیٹھ پر کچھ گرد لگی ہے، فوراً ارشاد فرمایا:

قُمْ يَا أَبَا تُرَاب! [۱]

اے ابو تراب! (یعنی مٹی والے / زمین پر سونے والے) اٹھو!

---

[۱] معرفۃ الصحابۃ، للامام ابی نعیم الاصبہانی، ج:۱، ص:۹۶، ملخصاً

حضرتِ مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلانِ نبوت سے آٹھ دس سال قبل پیدا ہوئے۔ اللہ عزوجل نے ان کو بے شمار کمالات وفضائل سے سرفراز فرمایا۔ بچوں میں سب سے پہلے یہی ایمان لائے۔ ان کی تربیت آغوشِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم میں ہوئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اپنی سب سے چہیتی صاحب زادی سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ان کی شادی فرمائی۔ انھیں تمام غزوات میں شریک ہونے اور حق جاں نثاری ادا کرنے کا شرف ملا۔ سوائے غزوۂ تبوک کے؛ کیوں کہ اس موقع پر مدینۂ طیبہ میں حضورِ انور علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو اپنا نائب بنا کے روک رکھا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت مولائے کائنات کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ایسے فضائل ہیں جنھیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

مدینۂ طیبہ میں ہجرت کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے انصار ومہاجرین کے مابین جب رشتۂ مواخات قائم فرمایا اور انھیں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا؛ مگر حضرتِ مولا علی کو کسی کا بھائی نہیں بنایا، جس سے انھیں رنج لاحق ہوا اور حضورِ اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں شاکی ہوئے تو حضور نے ازراہِ کرم ان سے فرمایا:

اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔[۱]

ترجمہ: تم میرے بھائی ہو دنیا اور آخرت میں۔

حضرت مولا علی سابقینِ اولین، خلفائے راشدین، عشرۂ مبشرہ اور ان چھ خاص افراد میں ہیں جن سے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم دنیا سے راضی ہو کر

---

[۱] السنن للامام الترمذی، ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۳۷۲۰

تشریف لے گئے۔ یہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی صفِ اول کے علمائے ربانیین اور دنیا کے بہادروں میں سب سے یکتا ہیں۔

یہی وہ بطلِ جلیل ہیں جنھوں نے غزوۂ خندق میں عرب کے مشہور بہادر عمرو بن عبدِ وِدّ کو قتل کیا اور غزوۂ خیبر میں مرحب نامی پہلوان کو خاک وخون میں ملا کر خیبر فتح فرمایا۔ جنگِ احد میں انتہائی نازک وقت میں بھی حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ اس غزوہ میں سولہ زخم کھائے؛ مگر قدم میں لغزش نہ ہوئی۔

خلیفۂ سوم حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد باتفاقِ تمام اہلِ حل وعقد، ۳۵ھ ماہِ ذوالحجہ میں یہ خلیفہ منتخب ہوئے۔ تین ماہ کچھ دن کم پانچ سال تک مسندِ خلافت کو زینت بخشتے رہے۔ اٹھارہ رمضان المبارک ۴۰ھ میں نمازِ فجر کے لیے جاتے ہوئے مسجدِ کوفہ میں عبدالرحمٰن بن ملجم نامی ایک خبیث خارجی نے سرِ اقدس پر زہر آلود تلوار ایسی ماری کہ دماغ تک پہنچ گئی۔ تیسرے دن بیس رمضان کو اسی صدمے سے وصال فرمایا۔

سبطین کریمین حضرت سیدنا امام حسن، حضرت سیدنا امام حسین اور حضرت عبد اللہ بن جعفرِ طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے غسل دیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔[۱]

بروایتِ صحیح شہرِ کوفہ ہی میں مدفون ہوئے۔ عمرِ مبارک ترسٹھ سال کی ہوئی۔ ان سے پانچ سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم علیہما الرحمہ دونوں نے بائیس اور نو تنہا امام بخاری نے اور پندرہ صرف امام مسلم نے ذکر کی ہیں۔[۲]

---

[۱] معرفۃ الصحابۃ، للامام ابی نعیم الاصبھانی، ج:۱،ص: ۹۸ تا ۱۰۱، ملخصاً

[۲] نزہۃ القاری شرح البخاری، للمفتی شریف الحق الامجدی، کتاب العلم، ج:۱،ص: ۳۹۳، ۳۹۴

لعابِ دہن کی عجب شان:

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صحابیِ رسول حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كَانَ عَلِيٌّ قَدْ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي خَيْبَرَ وَكَانَ بِهِ رَمَدٌ، فَقَالَ: أَنَا أَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَلَحِقَ بِالنَّبِيِّ ﷺ. فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِي فَتَحَهَا اللهُ تَعَالَى فِي صَبَاحِهَا، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ. أَوْ قَالَ لَيَأْخُذَنَّ. غَدًا رَجُلٌ يُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَوْ قَالَ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ يَفْتَحُ اللهُ عَلَيْهِ. فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ وَمَا نَرْجُوهُ فَقَالُوا: هٰذَا عَلِيٌّ فَأَعْطَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَفَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ۔[۱]

دوسری حدیث میں ہے:

فَبَصَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي عَيْنَيْهِ فَبَرَأَ حَتّٰى كَأَنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ وَجَعٌ۔[۲]

ترجمہ: جنگِ خیبر کے موقع پر آشوب چشم کی وجہ سے حضرتِ مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ساتھ حاضر نہ ہو سکے تھے۔ تو انھوں نے کہا: کیا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ساتھ حاضر نہ ہوسکوں گا؟ پھر وہ نکلے اور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے جا ملے۔

راویِ حدیث کہتے ہیں:

جس صبح کو خیبر فتح ہوا تھا اس سے پہلے والی شب کو آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ

---

[۱] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، باب ما قیل فی لواء النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۲۹۷۵

[۲] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، باب فضل من اسلم علی یدیہ رجل، رقم الحدیث: ۳۰۰۹

آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا:

کل میں پرچم ایسے شخص کو دوں گا جس سے اللہ ورسول محبت کرتے ہیں اور جو اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اس کے ہاتھ سے خیبر کی فتح عطا فرمائے گا۔

راوی کہتے ہیں کہ اچانک ہماری ملاقات حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی حالاں کہ ہمیں ان کے آنے کی امید نہیں تھی۔

لوگوں نے کہا: علی آگئے۔ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن ڈالا تو وہ اس طرح شفایاب ہو گئے گویا کہ انھیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے انھیں پرچم عطا فرمایا، تو اللہ نے انھیں فتح نصیب فرمائی۔

رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی غیب دانی:

اس حدیثِ پاک سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے؛ کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف یہ کہ لشکر میں شریک ہوں گے؛ بلکہ انھی کے ہاتھوں مسلمانوں کو فتح وکامرانی بھی نصیب ہوگی، وہیں یہ بھی پتا چلا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے لعابِ دہن میں ایسی شفا رکھی ہے جو دنیا کی کسی بھی دوا اور جڑی بوٹی میں نہیں ہے۔

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قصیدے کے اس شعر میں اسی واقعے کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

(۲۷)

وَسَئَلْتَ رَبَّکَ فِیْ ابْنِ جَابِرٍ بَعْدَ مَا	اَنْ مَّاتَ اَحْیَاہُ وَقَدْ اَرْضَا کَا

ترجمہ : یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! جب آپ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فوت شدہ بیٹے کے بارے میں اپنے رب سے درخواست کی تو اُس نے اُسے زندہ فرما کر آپ کو راضی کر دیا۔

حلِّ لغات:

- سَئَلْتَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ فتح، درخواست کرنا، مانگنا۔
- مَاتَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ نصر، وفات پانا۔
- اَرْضٰی: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ اِفعال، راضی کرنا، خوش کرنا۔

تشریح:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے شمار معجزات کے ساتھ ساتھ حضورِ نبیِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اِحیاءِ موتیٰ (مردوں کو زندہ کرنے کا) معجزہ بھی عنایت فرمایا۔ حضور کے زمانۂ مسعود میں معجزانہ طور پر کئی مرتبہ مُردوں کو زندہ کیا گیا ہے؛ بلکہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی برکت اور نگاہِ کرم سے امت میں ایسے اولیا بھی ہوئے ہیں، جنھوں نے اپنے قدموں کی ٹھوکر سے مردے زندہ کیے ہیں۔ چوں کہ اِس شعر میں سیدی امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُس واقعے کی جانب اشارہ فرمایا ہے، جس میں مشہور صحابیِ رسول سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فوت شدہ بیٹے کے زندہ کیے جانے کا

تذکرہ ہے، اِس لیے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیاتِ طیبہ کے چند اہم گوشے پیش کر دینا مناسب معلوم ہو رہا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

ان کا نام "جابر بن عبد اللہ" ہے۔ یہ انصاری خزرجی صحابی ہیں۔ ہجرتِ مدینہ سے ۱۶ سال قبل مدینۂ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا "عمرو بن حرام" اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے وقت یہ اپنے والد کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن حرام خزرجی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت عبد اللہ کو مشرکینِ مکہ نے غزوۂ احد میں نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا تھا۔

ان کا مکان مسجدِ نبوی سے ایک میل کے فاصلے پر تھا، اس کے باوجود یہ تمام نمازیں مسجدِ نبوی شریف میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی اقتدا میں ادا فرمایا کرتے تھے، اس لیے ان پر حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم بہت زیادہ تھی۔ کم سنی کے باعث غزوۂ بدر واحد میں شریک نہ ہو سکے؛ لیکن بعد کے تمام غزوات میں شریک ہو کر سعادت اندوز ہوئے۔

احادیثِ کریمہ میں ان کے متعلق بڑے دل چسپ واقعات مذکور ہیں۔ ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیثِ نبویہ مروی ہیں۔ چھبیس (۲۶) صرف بخاری میں اور ایک سو چھبیس (۱۲۶) صرف مسلم میں ہیں، جب کہ اٹھاون (۵۸) وہ احادیثِ مبارکہ ہیں جو بخاری ومسلم دونوں میں مروی ہیں۔ اِس طرح شیخین نے ان کی دو سو دس حدیثیں درج کی ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بروایتِ مختلفہ ۶۹ ر ۷۴ ر ۷۸ ر ھ میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ وصال کے وقت عمرِ مبارک ۹۴ سال تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں ''جابر بن عبد اللہ'' نام کے دو حضرات اور ہیں۔

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہ راسبی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲) حضرت جابر بن عبد اللہ بن رُباب، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور صرف ''جابر'' نام کے تیئیس (۲۳) صحابۂ کرام ہیں۔[۱]

اب احیاے موتیٰ (مردہ زندہ کرنے) کے متعلق چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت جابر کے فوت شدہ بیٹے زندہ ہوگئے :

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مایۂ ناز تصنیف **مَدَارِجُ النُّبُوَّة** میں اور علامہ صفوری علیہ الرحمہ **نزهة المجالس** میں تحریر فرماتے ہیں:

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم حضرت جابر بن عبد اللہ کے یہاں مہمان بن کر تشریف لائے، انھوں نے بکری کا بچہ ذبح کیا، ان کے بڑے بیٹے نے بکری کے بچے کے ذبح ہونے کا حال دیکھ کر ان کے چھوٹے بیٹے (یعنی اپنے چھوٹے بھائی) کو ذبح کر ڈالا۔ جب ان کی ماں نے جو کہ صحن میں تھیں دیکھا تو دوڑ کر چھت پر آئیں تو بڑے لڑکے نے ڈر کے مارے چھت سے چھلانگ لگادی، چناں چہ اس کا بھی انتقال ہو

---

[۱] نزھۃ القاری شرح البخاری، ج:۱، باب بدء الوحی، ص:۲۰۸۔ کتاب الجنائز، ج:۴، ص:۲۱

گیا۔ پھر یہ دونوں بیٹے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی دعا سے زندہ ہو گئے۔ اس کا ذکر شواہد النبوۃ میں مفصل درج ہے۔[۱]

ہڈیوں پر دستِ اقدس پھیر کر بکری زندہ فرمادی:

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنی کتاب "حُجَّةُ اللهِ عَلَى الْعَالَمِيْنَ فِي مُعْجِزَاتِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ" میں فرماتے ہیں:

امام ابونعیم بحوالہ عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہے (یعنی چہرۂ انور پر بھوک کے آثار ظاہر ہیں)۔ لوٹ کر اپنی اہلیہ کے پاس آئے اور کہا:

میں نے اپنے آقا حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے روئے انور کو متغیر دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ بھوک کی وجہ سے ہے۔ کیا تمھارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کی زوجہ محترمہ نے کہا:

بخدا! اس بکری اور بچے ہوئے توشے کے علاوہ ہمارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔

حضرت جابر کہتے ہیں:

میں نے وہ بکری ذبح کی اور اہلیہ کے پاس موجود غلے کو پیس کر روٹی تیار کی۔ پھر ایک بڑے پیالے میں اسے ثرید بنایا اور لے کر اپنے آقا و مولا حضور سیدِ عرب و عجم صلی

---

[۱] مدارج النبوۃ، للشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی، ج:۱، ص:۳۰۷۔ نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، للعلامۃ عبد الرحمٰن بن عبد السلام الصفوری، ج:۱، ص:۸۷۔

اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

جابر اپنی قوم کے لوگوں کو بھی بلالاؤ!

میں نے تعمیلِ ارشاد میں اپنی قوم کے لوگوں کو بھی دعوت دے دی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

اب انھیں جماعت در جماعت میرے پاس بھیجو! جب ایک جماعت کھا کر چلی جاتی تو دوسری جماعت داخل ہوتی، یہاں تک کہ سب نے کھانا کھالیا اور پیالے میں اتنا ہی ثرید باقی بچ گیا جتنا پہلے تھا۔

کھانے کے دوران حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم ان لوگوں سے فرماتے جاتے:

ثرید کھاؤ؛ لیکن ہڈی نہ توڑنا!

پھر آپ نے ان ہڈیوں کو پیالے کے وسط (بیچ) میں جمع فرمایا اور ان کے اوپر اپنا دستِ اقدس رکھ کر کچھ پڑھا جسے میں سن نہ سکا۔ اچانک ایک بکری کان ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم اپنی بکری لے لو۔[۱]

مری ہوئی لڑکی لبیک کہتے ہوئے قبر سے باہر آ گئی:

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالی علیہ روایت کرتے ہیں:

---

[۱] حجۃ اللہ علی العالمین، للامام یوسف بن اسماعیل النبہانی، ج:۱،ص:۶۷۵

عَنِ الْحَسَنِ اَتٰى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ لَهُ أَنَّهُ طَرَحَ اِبْنَةً لَّهُ فِي وَادِي كَذَا. فَانْطَلَقَ مَعَهُ اِلَى الْوَادِيْ وَنَادَاهَا بِاِسْمِهَا يَا فُلَانَةُ! أَجِيْبِيْ بِاِذْنِ اللهِ فَخَرَجَتْ وَهِيَ تَقُوْلُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ. فَقَالَ لَهَا: اِنَّ اَبَوَيْكَ قَدْ اَسْلَمَا فَاِنْ اَحْبَبْتِ اَنْ اَرُدَّكِ عَلَيْهِمَا. قَالَتْ: لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهِمَا. وَجَدْتُ اللهَ خَيْرًا لِّيْ مِنْهُمَا. [۱]

ترجمہ: امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں آ کر یوں عرض گزار ہوا:

حضور! میں نے اپنی لڑکی فلاں وادی میں پھینک دی تھی۔ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اس کے ساتھ اس وادی میں تشریف لے گئے اور اس کا نام لے کر پکارا۔ اے فلانہ! اللہ کے حکم سے جواب دے۔ وہ **لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ** کہتی ہوئی اپنی قبر سے باہر آ گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اس سے فرمایا:

تیرے والدین ایمان لا چکے ہیں اگر تو چاہے تو میں تجھے ان کی طرف لوٹا دوں۔ اس نے جواب دیا: میں ان کے پاس جانا نہیں چاہتی؛ کیوں کہ میں نے اپنے رب کو ان سے زیادہ مہربان پایا ہے۔

والدینِ کریمین کو زندہ کرنا اور ان کا مشرف بہ ایمان ہونا:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی عظمت کے اظہار کے لیے حضور ہی کی دعا پر ان کے والدین کریمین **حضرتِ عبد اللہ** اور **حضرت آمنہ** رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زندہ فرما کر **مشرف بہ اسلام فرمایا**؛ تا کہ انھیں براہِ راست حضور کی

---

[۱] الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج: ۱، ص: ۶۱۴۔

امت میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہو جائے، کیوں کہ وہ مشرکین میں سے نہ تھے؛ بلکہ خالص توحید پرست تھے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے والدین کریمین کو زندہ فرما کر انھیں زیورِ ایمان سے آراستہ کرنا درحقیقت حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے شرف واعزاز کو بتاتا ہے۔

ائمہ کرام ومحدثینِ عظام نے اس مسئلے پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ جو شخص اسے بیان کرنے والی احادیثِ کریمہ کو ضعیف کہتا ہے وہ ضعیف الاعتقاد اور ایمان کی چاشنی سے محروم ہے۔ ایسا شخص رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی عظمت و جلالت کے اعتراف سے دور بھاگنے والا اور جنت کو پسِ پشت ڈال کر دوزخ کی جانب رخ کرنے والا ہے۔

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل مبہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمانِ ابوین پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ ہم ان کی کتاب "حجۃ اللہ علی العالمین" سے چند باتیں تلخیص کر کے پیش کر رہے ہیں۔

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل مبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ہمارے ساتھ حجۃ الوداع ادا فرمایا۔ پھر مجھے لے کر حجون گھاٹی سے گزرے، حضور اس وقت اشک بار اور غم ناک تھے۔ ان کے رونے کی وجہ سے میں بھی رو پڑی۔

پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام اپنی سواری سے اتر پڑے اور فرمایا:

حُمَیْرَاء ! تم یہاں ٹھہرو!

میں نے اونٹ کے پہلو کے ساتھ ٹیک لگالی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضور شاداں وفرحاں لوٹے اور ارشاد فرمایا :

میں اپنی ماں کی قبر پر گیا تھا اور اللہ عزوجل سے یہ دعا کی تھی کہ **میری والدہ کو زندہ فرمائے !** اللہ تبارک وتعالی نے میری والدہ کو زندہ فرمایا اور وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے جب **اللہ** تبارک وتعالی سے اپنے والدینِ کریمین کے اِحیاء (زندہ کرنے) کی دعا مانگی تو اللہ ربُّ العزت نے انھیں زندہ فرمادیا اور وہ **دونوں آپ پر ایمان لے آئے۔** پھر اللہ جل وعلا نے انھیں وفات دے دی۔[۱]

اس کے بعد علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے حضورِ انور صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے والدینِ کریمین کے نجات یافتہ ہونے کے متعلق اسلافِ کرام کے چار مسالک بیان فرمائے ہیں۔ سب کی تفصیلات بیان کرنے کی صورت میں گفتگو کافی دراز ہو جائے گی، لہذا موقع ومحل کی مناسبت سے صرف تیسرا مسلک بیان کیا جاتا ہے۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ اُن کی تصنیفِ لطیف **حجۃ اللہ علی العالمین** کا مطالعہ کرے۔

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

تیسرا مسلک یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے ابوینِ کریمین کو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے لیے زندہ کیا، **یہاں تک کہ وہ دونوں آپ پر ایمان لے**

---

[۱] حجۃ اللہ علی العالمین ، للامام یوسف بن اسماعیل النبہانی ، ج:۱، ص:۶۵۹

آئے۔ اس مسلک کی طرف ائمۂ کرام اور حفاظ حدیث کی ایک کثیر جماعت میلان رکھتی ہے۔ انھوں نے اُس حدیثِ پاک سے استناد کیا ہے، جیسے بہت سے ائمہ حفاظ مثلاً حافظ ابوبکر خطیب بغدادی، حافظ ابوالقاسم ابن عساکر، حافظ ابوالحفص بن شاہین، حافظ ابوالقاسم سہیلی، امام قرطبی، حافظ محب طبری، علامہ ناصر الدین ابن منیر اور فتح الدین بن سید الناس وغیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نقل کیا۔

امام عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی اَلرَّوْضُ الْاُنُف کے اوائل (آغاز) میں یہ حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت ورحمت کسی چیز سے عاجز نہیں اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے شایانِ شان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انھیں جس فضل سے چاہے مختص کرلے۔ اور جو چاہے اپنا انعام واکرام کرے۔ ائمۂ حدیث نے اس حدیث کو، متاخر (بعد میں) ہونے کی وجہ سے مخالفت میں آنے والی حدیثوں کا ناسخ قرار دیا ہے۔ لہٰذا اثبات (ایمان کو ثابت کرنے والی) اور اِنکار (ایمان کی نفی کرنے والی) کی حدیثوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ [۱]

والدینِ کریمین کے ایمان پر چند مضبوط دلائل:

حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنَّهٗ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ ! هَلْ نَفَعْتَ اَبَا

[۱] المصدر السابق، ج:۱،ص:۲۶۱

طَالِبٍ بِشَيْءٍ؟ فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَ يَغْضَبُ لَكَ. قَالَ ﷺ: نَعَمْ هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِّنْ نَّارٍ وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ.[۱]

ترجمہ: حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سے دریافت کیا:

یا رسول اللہ! کیا آپ (میرے بھائی اور اپنے چچا) ابو طالب کو بھی کچھ فائدہ پہنچائیں گے؟ کیوں کہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کی محبت میں لوگوں سے ناراض ہوتے تھے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! (نفع پہنچاؤں گا، میری شفاعت کی وجہ سے) وہ دوزخ کے بالائی حصہ میں ہوں گے۔ اگر میرا وجودِ مسعود نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔

اسی باب میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا أَبُوْ طَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ.[۲]

ترجمہ: دوزخیوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب کو ہوگا۔ ان کو آگ کی

---

[۱] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قصۃ ابی طالب، رقم الحدیث: ۳۸۸۳۔
الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الایمان، باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم لابی طالب والتخفیف عنہ بسببہ، رقم الحدیث: ۵۳۱

[۲] الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الایمان، باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم لابی طالب والتخفیف عنہ بسببہ، رقم الحدیث: ۵۳۷

جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے ان کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

ان احادیثِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں سب سے کم عذاب ابوطالب کو ہوگا۔ سبھی کو معلوم ہے کہ ابوطالب حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے چچا تھے نہ کہ والد، اور یہ بھی مسلّمات میں سے ہے کہ **اولاد پر چچا سے کئی گنا زیادہ والدین کا احسان ہوتا ہے** اور ان کا مرتبہ بھی چچا سے بلند ہوتا ہے۔ اگر بالفرض حضرتِ آمنہ اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما **مومن نہ ہوتے تو یقیناً انھیں ابو طالب سے کم عذاب ہوتا**، لیکن احادیثِ صریحہ صحیحہ (صریح وصحیح حدیثیں) بتلا رہی ہیں کہ اہلِ جہنم میں سب سے کم عذاب ابو طالب کو ہوگا۔ پتہ چلا کہ حضور رحمتِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے **والدین مومن تھے نہ کہ کافر۔**

اس مقام پر امامِ اہلِ سنت مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی عمدہ گفتگو فرمائی ہے جس کا جواب نہیں۔ اعلیٰ حضرت کے کلام کا خلاصہ آسان لفظوں میں پیشِ خدمت ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

یہ حدیثِ پاک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے والدین کے ایمان کی دلیل ہے؛ کیوں کہ کفر کے باوجود ابو طالب کے عذاب میں کمی، یا تو اس کے قربِ نبی کی بنا پر ہے یا اس کی پرورش اور خدمت کی بنا پر۔ اگر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے والدینِ کریمین العیاذ باللہ کافر ہوتے تو ابو طالب کی بہ نسبت عذاب میں کمی کے وہ زیادہ حق دار تھے؛ کیوں کہ چچا کی بہ نسبت والدین کا قرب زیادہ ہے۔

اور اگر ابو طالب کے عذاب میں کمی پرورش اور خدمت کی وجہ سے ہے تو پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہو سکتی ہے؛ کیوں کہ اولاد والدین کا جز اور حصہ ہوتی

ہے اور کون سی خدمت حمل اور وضعِ حمل کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ کیا کسی پرورش کرنے والے یا خدمت کرنے والے کا حق والدین کے حق کے برابر ہو سکتا ہے؟ جن کے حق کو اللہ رب العزت نے اپنے حق کے ساتھ شمار کر کے فرمایا ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ۔ [۱]

ترجمہ: میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا۔

پھر ابو طالب نے جہاں برسوں خدمت کی، چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم بار بار کلمہ پڑھنے کے لیے فرماتے رہے لیکن اسے کلمہ نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا۔ جرم وہ کیا ہے جس کی مغفرت نہیں۔ عمر بھر معجزات دیکھے، حضور کی سیرت اور احوال کو تازہ بہ تازہ دیکھتا رہا، پھر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اصرار کے باوجود ایمان نہیں لایا۔ اس کے برخلاف والدین کریمین نے نہ ہی زمانۂ نبوت پایا، نہ ان کو دعوتِ اسلام دی گئی، نہ انھوں نے انکار کیا۔

ثابت ہوا کہ ہر لحاظ سے انھی کا پلہ بھاری ہے۔ لہذا اگر العیاذ باللہ والدین کریمین کافر ہوتے اور قرب اور پرورش کی وجہ سے عذاب کم ہوتا تو سب سے کم عذاب والدینِ کریمین کو ہوتا، حالاں کہ یہ بات احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے؛ کیوں کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ سب جہنمیوں میں سب سے کم عذاب ابو طالب کو ہوگا۔ تو ثابت ہوا کہ حضور کے والدینِ کریمین سیدنا عبد اللہ بن عبد المطلب اور سیدتنا آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہما مومن اور مسلمان تھے۔ [۲]

---

[۱] سورۃ لقمان، رقم الآیۃ: ۱۴

[۲] شمول الاسلام، لشیخ الاسلام والمسلمین الامام احمد رضا خان القادری البریلوی، ص: ۹/۱۰

اس قدر جلیل القدر ائمہ کرام کے واضح بیانات اور صریح احادیث کے باوجود ساری توانائی (طاقت) معاذاللہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ابوینِ کریمین رضی اللہ عنہما کا کفر ثابت کرنے میں خرچ کی جارہی ہے اور خود سیکڑوں کفر بکنے کے باوجود مومن وموحّد بنے بیٹھے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ فھداھم اللہ سواء الطریق۔

امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "شمول الإسلام" کے علاوہ اپنی معرکۃ الآراء تحقیقی کتاب "المستند المعتمد بناء نجاۃ الأبد" میں بھی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ابوینِ کریمین کے ایمان پر بحث کی ہے اور اس کو دلائلِ قاطعہ وحججِ قاہرہ سے ثابت فرمایا ہے اور اس سلسلے میں حضرتِ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جو کچھ منقول ہے اس کا بھرپور رد بھی فرمایا ہے۔

مخدومہ کائنات حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وہ اشعار بھی اُن کی توحید پرستی اور بتوں سے ان کی بیزاری کو بتارہے ہیں جو انھوں نے مقامِ ابواء میں، اپنے مرضِ وفات کے وقت اپنے پانچ سالہ لختِ جگر، سرکارِ بحر وبر حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا رخِ انور دیکھ کر پڑھے تھے۔

محدثین وسیرت نگاروں نے اُن مبارک اشعار کے ساتھ، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے پورے واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان اشعار کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد ہر بندۂ مومن شرحِ صدر کے ساتھ، چوں وچرا کیے بغیر حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے والدینِ کریمین کے ایمان کو قبول کرے گا۔ حضرت مخدومہ کائنات سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وہ اشعار ملاحظہ ہوں!

بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ مِنْ غُلَامٍ يَا ابْنَ الَّذِيْ مِنْ حَوْمَةِ الْحِمَامِ

نَجَا بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْمِنْعَامِ　　فُوْدِيَ غَدَاةَ الضَّرْبِ بِالسِّهَامِ
بِمِأَةٍ مِّنْ اِبِلٍ سَوَامٍ　　اِنْ صَحَّ مَا اَبْصَرْتُ فِي الْمَنَامِ
فَاَنْتَ مَبْعُوْثٌ اِلَى الْاَنَامِ　　تُبْعَثُ فِي الْحِلِّ وَ فِي الْحَرَامِ
تُبْعَثُ بِالتَّحْقِيْقِ وَالْاِسْلَامِ　　دِيْنِ اَبِيْكَ الْبَرِّ اِبْرَاهَامِ
فَاللّٰهَ اَنْهَاكَ عَنِ الْاَصْنَامِ　　اَنْ لَّا تُوَالِيْهَا مَعَ الْاَقْوَامِ

ترجمہ: اے بیٹے! اللہ عزوجل تجھے برکتوں سے نوازے! اے اُس کے فرزند جس نے بے پناہ انعام فرمانے والے بادشاہ کی مدد سے موت کے حملے سے نجات پائی۔ جن کے فدیے میں تیروں سے قرعہ اندازی کی صبح، سو چرنے والے اونٹ ذبح کیے گئے۔ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا ہے اگر وہ صحیح ہے تو یقیناً تم ساری مخلوق کی طرف مبعوث کیے جاؤ گے۔ تحقیق اور اسلام کے ساتھ تمھاری بعثت ہوگی۔ وہ اسلام جو تمھارے نیکوکار والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ میں اللہ عزوجل کی قسم دے کر تمھیں بتوں سے روکتی ہوں، کہ اور لوگوں کے ساتھ تم بتوں سے محبت نہ رکھنا۔ [۱]

یہ مبارک اشعار واضح طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا دینِ حنیف پر تھیں، بتوں اور بت پرستوں سے بے زار تھیں۔ لہٰذا حق یہی ہے کہ حضور سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات کے والدین کریمین اہلِ توحید تھے، کفر و شرک کے تاریک ماحول میں بھی اللہ عزوجل نے انھیں بت پرستی اور شرکیہ عقائد و معمولات سے محفوظ فرمایا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[۱] المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، للامام القسطلانی، ج:۱، ص:۱۰۲۔ الخصائص الکبریٰ، للامام جلال الدین السیوطی، ج:۱، ص:۱۳۵۔ الحاوی للفتاوی، للامام جلال الدین السیوطی، ج:۲، ص:۲۶۹۔ سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، للامام محمد بن یوسف الصالحی الشامی، ج:۲، ص:۱۲۱

وہابیوں کے فاسد استدلال کا جواب:

وہابی، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ابوین کریمین کے مومن نہ ہونے پر مسلم شریف کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں، ذیل میں وہ روایت اور اس کا صحیح مفہوم واضح کیا جارہا ہے؛ تاکہ کوئی بدمذہب کسی سنی کو دھوکہ نہ دے سکے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّی أَنْ أَسْتَغْفِرَ لِأُمِّی فَلَمْ يَأْذَنْ لِی وَ اسْتَأْذَنْتُهُ أَنْ أَزُوْرَ قَبْرَهَا فَأَذِنَ لِی. وفی روایۃ عنہ: اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّی فِی أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِّی وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِی أَنْ أَزُوْرَ قَبْرَهَا فَأَذِنَ لِی فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ.[۱]

ترجمہ: میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کی بخشش کی دعا کرنے کی اجازت چاہی تو اُس نے اجازت نہ دی اور میں نے اس سے اپنی ماں کی قبر دیکھنے کی اجازت طلب کی تو اس نے اجازت دے دی۔

اُنھی سے ایک روایت یوں ہے:

میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی ماں کی بخشش کی دعا کرو ں تو مجھے اجازت نہ دی گئی، اور میں نے اس سے ان کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت دے دی گئی پس تم لوگ (مومنوں کی) قبروں کی زیارت کیا کرو؛ کیوں کہ وہ موت کی یاد دلاتی ہیں۔

---

[۱] الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربہ عزوجل فی زیارۃ قبر أمہ، رقم الحدیث: ۲۳۰۵

وہابیہ بدبخت کہتے ہیں:

جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی والدہ کے لیے رب تبارک وتعالیٰ سے بخشش کی دعا کرنے کی اجازت چاہی، تو اللہ عزوجل نے منع فرمادیا۔ ثابت ہوا کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا تھا۔ اگر ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہوتا تو منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ یہ نالائق اسی پر قیاس کرتے ہوئے، حضور کے والدِ محترم سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی کافر قرار دیتے ہیں۔

حالاں کہ حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کو دعا کرنے سے اس لیے روکا گیا تھا، کہ دعا کرنے سے کہیں کوئی نادان یہ نہ سمجھ لے کہ آپ کی والدۂ محترمہ، کفر وشرک یا کسی گناہ کے سبب عذاب میں گرفتار تھیں، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا سے بخشی گئیں۔ نیز حدیثِ پاک کے اگلے ٹکڑے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی والدۂ ماجدہ مومنہ اور صالحہ تھیں؛ کیوں کہ اللہ عزوجل نے کفار کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے، اگر وہ کافر ہوتیں تو اللہ عزوجل اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کو ہرگز ان کی قبر پر جانے کی اجازت مرحمت نہ فرماتا۔

حضور ﷺ کے والدینِ کریمین کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ کا موقف:

کروڑوں حنفیوں کے امام ومقتدیٰ سیدی امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ بھی حضور سرورِ کائنات علیہ اتم الصلوات واکمل التسلیمات کے والدِ کریم سیدنا عبداللہ اور والدۂ محترمہ سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایمان کے قائل تھے۔ ان کی کتاب "اَلْفِقْهُ الْاَکْبَر" کے بعض نسخوں میں موجود اِس خطرناک عبارت "وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ" (ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے والدین کا خاتمہ کفر پر ہوا) کو بنیاد بنا کر ان کی جانب عدمِ ایمان کا قول

منسوب کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ عبارت تحریف شدہ ہے۔ جن نسخوں میں یہ عبارت ہے وہ ہرگز قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ قدیم معتبر نسخوں میں یہ عبارت اس طرح ہے:

وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مَامَاتَا عَلَى الْكُفْرِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے والدین کریمین کفر کی حالت میں فوت نہ ہوئے۔

اس عبارت میں پہلا "ما" نافیہ ہے اور دوسرا "ما" جزء فعل ہے؛ مگر **الفقہ الاکبر** کے نسخے تیار کرنے والے کسی **جاہل کاتب** نے پہلے والے "ما" کو زائد سمجھ کر حذف کردیا، جس کے سبب فعلِ منفی، مُثبَت میں تبدیل ہوگیا، پھر سوئے اتفاق کہ اُسی محرّف نسخے کو شہرت حاصل ہوگئی، یہاں تک کہ امام ملا علی قاری علیہ الرحمہ کو وہی محرّف نسخہ دست یاب ہوا۔ انھوں نے یہ گمان کر کے "کہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ جیسے عظیم امام اور بے مثال مجتہد و محدث نے جب عدمِ ایمان کا قول کیا ہے تو یہی درست ہوگا" اسی کو اختیار کیا اور اسی کے دلائل جمع کردیے۔

حیرت بالائے حیرت ہے! کہ اسی عبارت کو لے کر احمقوں کی ایک بہت بڑی جماعت آج اہلِ سنت کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایک طرف **عدمِ ایمان کا قول کرنے والے غیر مقلدین** اُسی تحریف کردہ نسخے سے احناف کے خلاف حجت قائم کر رہے ہیں اور **الفقہ الاکبر** کی مذکورہ محرّف عبارت دکھا کر اہلِ سنت کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں، جب کہ دوسری جانب **مرزا محمد علی جہلمی جیسے بدبختوں کا ٹولہ** اسی عبارت کا سہارا لے کر حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی شخصیت کو داغ دار کرنے اور انھیں باغیِ رسول ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کر رہا ہے۔ جب کہ ہمارے امام سے یہ

متصور ہی نہیں کہ آپ نے ایسا قول کیا ہو۔

طرفہ تماشا یہ ہے کہ اِسی بد بخت مرزا جہلمی کی نظر میں، رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے والدین کریمین کے ایمان کا نہایت سختی کے ساتھ انکار کرنے والا **شیخ البانی** نہ صرف یہ کہ استاذ؛ **بلکہ عظیم محقق، محدث اور مجدد کی حیثیت رکھتا ہے** اور کروڑوں دلوں کی دھڑکن اور بے شمار محدثین وفقہا کا استاذ و امام حضرت نعمان بن ثابت علیہ الرحمہ جیسا سچا عاشق رسول فقط اس لیے مطعون ہے کہ اس کی کتاب کے بعض نسخوں میں **کاتب کی غلطی** سے والدین کریمین کا کافر ہونا لازم آرہا ہے، جب کہ ناقابلِ انکار دلائل سے ثابت ہے کہ وہ عبارت ہر گز امام اعظم کی نہیں ہے۔

اس وقت ناچیز کے سامنے "منح الروض الأزهر شرح الفقه الاکبر" کا وہ نسخہ موجود ہے، جس پر مجلس المدینۃ العلمیہ (دعوتِ اسلامی) نے شان دار تحقیقی کام کیا ہے۔ قارئین کرام کے افادے کے لیے ہم اس کا وضاحت آمیز ترجمہ پیش کر رہے ہیں، تا کہ حق واضح ہو اور تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو روشنی نصیب ہو۔

"یہ عبارت "الفقه الاکبر" ہی کی ہے، لیکن تحریف شدہ ہے، جن نسخوں میں یہ عبارت درج ہے وہ معتبر نہیں ہیں۔ الفقه الاکبر کے قدیم معتبر نسخوں میں یہ عبارت یوں نہیں ہے، چناں چہ امام زاہد کوثری فرماتے ہیں:

الحمد للہ خود میں نے اور میرے دوستوں نے دار الکتب المصریہ میں موجود الفقه الاکبر کے دو قدیم نسخوں میں "مَا مَاتَا" کے الفاظ اور مکتبۂ شیخ الاسلام کے دو قدیم نسخوں میں "مَاتَا عَلَى الْفِطْرَةِ" کے الفاظ دیکھے ہیں۔ اور ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے جو شرح کی ہے وہ غلط نسخے کی بنیاد پر ہے، یہ ان سے بے ادبی ہو گئی ہے۔ اللہ کریم انھیں

معاف فرمائے۔[۱]

امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وہ جو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی کتاب "اَلْفِقْهُ الْاَكْبَر" میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا، یہ امامِ پاک کے خلاف کسی کی سازش ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اَلْفِقْهُ الْاَكْبَر کے مستند و معتبر نسخوں میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔[۲]

شیخ محمد بن ابراہیم بیجوری متوفی ۱۲۷۶ھ فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے بارے میں جو یہ منقول ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب اَلْفِقْهُ الْاَكْبَر میں یہ کہا ہے کہ "حضور رحمتِ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات کے والدینِ کریمین کا خاتمہ کفر پر ہوا" یہ ان کے خلاف کسی کی سازش ہے۔ ان کا دامن اس سے بری ہے، اور ملا علی قاری (اللہ ان کی مغفرت کرے) سے غلطی ہوئی کہ انھوں نے ایسی خراب اور گھٹیا بات کہی۔[۳]

نیز امام ملا علی قاری علیہ الرحمہ کے ذکر کردہ متن "ووالدا رسول الله ﷺ ماتا على الكفر وأبو طالب عمه مات كافرا" (یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا خاتمہ کفر پر ہوا اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے چچا ابوطالب بھی کفر پر مرے) کو پڑھنے والا یقیناً یہ اشکال پیش کرے گا کہ جب والدینِ کریمین اور ابوطالب تینوں کا حال ایک ہی تھا، یعنی تینوں کا خاتمہ کفر پر ہوا تو عربی اسلوب کے مطابق الفقه الاكبر کا متن یوں ہونا چاہیے

---

[۱] مقدمۃ "العالم والمتعلم" للکوثری ص: ۷

[۲] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ج: ۲، ص ۸۰

[۳] تحفۃ المرید شرح جوہرۃ التوحید، ص: ۶۵

تھا: ووالدا رسول اللہ ﷺ وأبو طالب ماتوا کفارا (یعنی والدین رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو طالب کا خاتمہ کفر پر ہوا) نہ یہ کہ والدین کا کفر الگ بیان کیا جائے اور ابو طالب کا الگ۔ (اور یوں کہا جائے: ووالدا رسول اللہ ﷺ ماتا علی الکفر۔ وأبو طالب عمہ مات کافرًا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی کاتب و ناسخ سے غلطی ضرور ہوئی ہے؛ لیکن اگر یوں پڑھا جائے: ووالدا رسول اللہ ﷺ ما ماتا علی الکفر۔ وأبو طالب عمہ مات کافرًا تو عبارت بالکل درست ہو جائے گی اور متن پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوگا)۔

علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی (شارح احیاء العلوم وقاموس) اپنے رسالے "الإنتصار لوالدی النبی المختار" میں فرماتے ہیں:

میں نے اپنے شیخ علامہ احمد بن مصطفیٰ عمری حلبی علیہ الرحمہ کے ہاں جو کچھ لکھا ہوا دیکھا اس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے: ناسخ و کاتب نے جب لفظ ما ماتا میں ما کی تکرار دیکھی تو یہ گمان کرلیا کہ ایک ما زائد ہو گیا ہے؛ لہٰذا اسے حذف کر دیا، پھر یہ غلط عبارت والا نسخہ پھیل گیا۔ اور اس کے غلط ہونے پر دلیل سیاق خبر ہے؛ کیوں کہ اگر ابو طالب وابوینِ کریمین ایک ہی حالت یعنی کفر پر ہوتے تو مصنف یعنی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ ایک ہی جملہ کہہ کر تینوں کو ایک ہی حکم میں جمع فرما دیتے، نہ یہ کہ دو جملوں میں تذکرہ کرتے۔[۱]

اگر الفقہ الاکبر کی مذکورہ عبارت درست ہوتی اور امام اعظم علیہ الرحمہ کا یہی موقف ہوتا کہ حضور مختار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا، تو کثیر علما و محدثین والدین کریمین کے ایمان کے ثبوت پر تصنیف و تالیف کا خاص اہتمام نہ

---

[۱] مقدمۃ "العالم والمتعلم" للکوثری ص: ۷

فرماتے۔ جب کہ اس موضوع پر علمائے کرام نے اس قدر کثیر تصنیفات فرمائی ہیں کہ ہم ان کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں :

(۱) شمول الإسلام لأصول الرسول الكرام ۔مجدد اعظم امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ، متوفی ۱۳۴۰ھ۔

(۲) مطلب فی نجاۃ أبویه ﷺ علامہ سید محمد عبد اللہ جردانی شافعی علیہ الرحمہ، متوفی ۱۳۳۱ھ

(۳) الانتصار لوالدی النبی المختار ﷺ۔امام مرتضی زبیدی علیہ الرحمہ، متوفی ۱۲۰۵ھ

(۴) حدیقة الصفا فی والدی المصطفی ﷺ علامہ ابومحفوظ کریم معصومی ہندی علیہ الرحمہ، متوفی ۱۴۴۰ھ

(۵) منهاج السنة فی کون أبوی النبی فی الجنة۔ علامہ ابن طولون دمشقی حنفی علیہ الرحمہ، متوفی ۹۵۳ھ

(۶) رسالة فی أبوی النبی ﷺ۔ علامہ احمد بن سلیمان بن کمال پاشا علیہ الرحمہ، متوفی ۹۴۰ھ

(۷) انباء الاصطفاء فی حق آباء المصطفی ﷺ۔علامہ محمد بن قاسم بن یعقوب اماسی علیہ الرحمہ، ۹۴۰ھ

(۸) تحقیق آمال الراجین فی أن والدی المصطفی بفضل اللہ فی الدارین من الناجین۔ امام ابن الجزار مصری علیہ الرحمہ، کان حیاً سنة ۹۸۴ھ

(۹) الجوهرة المضیة فی حق أبوی خیر البریة۔ علامہ صالح بن محمد تمرتاشی

غزی علیہ الرحمہ، متوفی ۱۰۵۵ھ

(۱۰) تأدیب المتمردین فی حق الأبوین۔ علامہ عبد الاحد بن مصطفی سیواسی علیہ الرحمہ، متوفی ۱۰۶۱ھ

(۱۱) تحقیق النصرۃ للقول بإیمان أھل الفترۃ ۔ علامہ حسن بن علی بن یحیی مکی علیہ الرحمہ، متوفی ۱۱۱۳ھ

(۱۲) منحۃ الباری فی إصلاح زلۃ القاری۔ 〃 〃 〃

(۱۳) السرور والفرج فی حیاۃ إیمان والدی الرسول ﷺ۔ علامہ محمد بن أبی بکر مرعشی ساجقلی، متوفی ۱۱۵۰ھ

(۱۴) تحفۃ الصفا فیما یتعلق بأبوی المصطفی ﷺ۔ علامہ احمد بن عمر دیربی ازہری شافعی، متوفی ۱۱۵۱ھ

(۱۵) بسط الیدین لإکرام الأبوین۔ علامہ محمد غوث بن ناصر الدین المدراسی، متوفی ۱۲۳۸ھ

(۱۶) القول المسدد فی نجاۃ والدی محمد ﷺ۔ علامہ محمد بن عبد الرحمن اہدل حسینی، متوفی ۱۲۵۸ھ"۔[۱]

جلال الملۃ والدین امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سلسلے میں تن تنہا چھ عظیم الشان رسائل مرتب فرمائے ہیں، جن میں انھوں نے قلوب و اذہان کو سیراب کرنے والے علوم و معارف کے دریا بہائے ہیں اور دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے ثابت فرمایا ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے آبا و اجداد مومن و موحد تھے، ہرگز

[۱] منح الروض الأزہر شرح الفقہ الاکبر، ص ۱۹۷ / ۱۹۸ مجلس المدینۃ العلمیۃ، الدعوۃ الاسلامیۃ

کافر و بت پرست نہ تھے۔ ان رسائل کے نام یہ ہیں:

(۱) مسالك الحنفاء في والدي المصطفى

(۲) الدرج المنيفة في الآباء الشريفة

(۳) المقامة السندسية في النسبة المصطفوية

(۴) التعظيم والمنة في أن أبوي رسول الله ﷺ في الجنة

(۵) نشر العلمين المنيفين في إحياء الأبوين الشريفين

(۶) السبل الجلية في الآباء العلية

امام ملا علی قاری علیہ الرحمہ کا رجوع :

جیسا کہ مذکور ہوا کہ شارحِ "الفقه الاکبر" امام ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اپنے پاس موجود نسخے پر اعتماد کر کے، رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے والدین کریمین کے عدمِ ایمان کا قول کر دیا تھا اور شرحِ فقہِ اکبر میں اسی پر دلائل بھی پیش کر دیے تھے؛ لیکن آخری عمر میں جب ان پر حق واضح ہو گیا تو انھوں نے اپنے سابق موقف سے رجوع کیا اور اپنی آخری تصنیفات میں ابوین کریمین کے ثبوتِ ایمان کا قول رقم فرمایا، چناں چہ شفا شریف کی شرح میں فرماتے ہیں:

وأما إسلام أبويه ففيه أقوال والأصح إسلامهما على ما اتفق عليه الأجلّة من الأمة كما بينه السيوطي في رسائله الثلاث المؤلفة۔[۱]

ترجمہ : حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے والدین کریمین کے

[۱] شرح الشفاء، للامام الملا علی القاری، ج:۱،ص ۶۰۵

ایمان کے سلسلے میں چند اقوال ہیں اور سب سے صحیح قول یہ ہے کہ وہ مومن تھے۔ اسی پر امت کے جلیل القدر علما و مشائخ کا اتفاق ہے، جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنے تین رسالوں میں بیان فرمایا ہے۔

اسی شرح شفا میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وأما ما ذكروا من إحيائه عليه الصلاة والسلام أبويه فالأصح أنه وقع على ما عليه الجمهور الثقات، كما قال السيوطي في رسائله الثلاث المؤلفات۔[۱]

ترجمہ: یہ جو علما نے ذکر کیا ہے کہ حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والدین کو (ان کے انتقال کے بعد) زندہ فرمایا (اور پھر وہ حضور علیہ السلام پر ایمان لائے) یہ درست ہے اور اسی بات پر اکثر معتمد علیہ علما و ائمہ متفق ہیں۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنے تصنیف کردہ تین رسائل میں فرمایا ہے۔

(۲۸)

شَاةٌ مَسِسْتَ لِأُمِّ مَعْبَدٍ الَّتِيْ	نَشَفَتْ فَدَرَّتْ مِنْ شِفَارَ قِيَاكَا

ترجمہ: یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ نے حضرت ام معبد کے خشک تھنوں والی بکری کو چھولیا تو آپ کی دعا (یا پھونک) کی برکت سے وہ بہت زیادہ دودھ دینے لگی۔

حلِّ لغات:

- شَاة: بکری، جمع: شِیَاہ۔

[۱] شرح الشفاء، للامام الملا علی القاری، ج:۱، ص:۲۵۱

- مَسِسْتَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ نصر وسمع، چھونا۔
- نَشَفَتْ: صیغۂ واحد مؤنث غائب از بابِ نصر، زمانۂ ولادت کی وجہ سے کبھی تھن کا دودھ سے بھرا اور کبھی خشک ہو جانا۔
- دَرَّتْ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مؤنث غائب از بابِ نصر وضرب، بہت دودھ دینا۔
- الرَّقْیُ: مصدر از بابِ ضرب، نفع یا نقصان پہنچانے کے لیے پھونک مارنا۔ منتر، تعویذ۔ یہاں مطلقاً دعا مراد ہے۔

تشریح:

اِس شعر میں ہمارے آقا و مولا حضور تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ایک عظیم الشان ومحیر العقول معجزے کی جانب اشارہ ہے۔ اِس کا پسِ منظر یہ ہے:

کفار ومشرکین نے مکۂ مکرمہ میں، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی پوری کوشش کی؛ لیکن ہر طرح سے پریشان کرنے کے باوجود جب حضور کو دین اسلام کی دعوت وتبلیغ سے روک نہ سکے اور تسلسل کے ساتھ لوگ نورِ اسلام میں داخل ہوتے رہے، تو انھوں نے معاذ اللہ حضور کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو مدینۂ منورہ جانے کا حکم دیا۔ پاک پروردگارِ عالم کی طرف سے ہجرت کا اذن ملنے کے بعد حضور سرورِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مدینے کی جانب روانہ ہوئے؛ تاکہ اس کے بختِ خفتہ کو جگا کر اس غیر معروف بستی کو شہرت وبقائے دوام بخشیں اور یثرب نامی شہر صبحِ قیامت تک کے لیے روشن وتابناک ہو جائے۔

حضرتِ امِّ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قصہ:

اسی سفرِ ہجرت میں ایک پختہ عمر کی انتہائی باوقار اور بارُعب عورت کے پاس سے حضور کا گزر ہوا۔ اس کی کنیت امِّ معبد اور نام **عاتکہ بنت خالد بن خلید بن منقذ بن ربیعہ بن احرام** تھا، جو اس راستے سے گزرنے والے مسافروں کی خدمت کر کے دلی سکون وراحت حاصل کرتی تھی۔ ان اجنبی راہ روؤں نے اس سے کہا:

اگر تمھارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز ہے تو اسے قیمت کے عوض فروخت کر دو۔

اس نے کہا:

اگر میرے پاس سامانِ ضیافت ہوتا تو بصد مسرت میں آپ لوگوں کی ضیافت کرتی؛ لیکن کیا کریں قحط سالی نے ہمیں دانے دانے کا محتاج بنا دیا ہے۔

آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم نے جب دیکھا کہ گوشے میں ایک نحیف وناتواں بوڑھی بکری بیٹھی ہوئی ہے تو امِّ معبد سے کہا:

یہ بکری کیسی ہے؟

اس نے کہا:

یہ بہت کمزور بوڑھی بکری ہے، ریوڑ کے ساتھ جا نہ سکی اس لیے یہیں رہ گئی ہے۔

یہ سن کر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم نے فرمایا:

اگر اجازت ہو تو ہم اس کا دودھ دوہ لیں!

اس نے کہا: اگر کچھ نکلے تو بصد شوق دوہ سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم نے اللہ کا نام لے کر اس بکری کے

خشک تھنوں میں ہاتھ لگایا، چناں چہ ان تھنوں سے اتنا دودھ نکلا کہ امِّ معبد کے گھر کے سارے برتن بھر گئے اور سب لوگ سیراب ہو گئے۔ سبحان اللہ۔

روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

فَدَعَا بِهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَمَسَحَ بِيَدِهٖ ضَرْعَهَا وَ سَمَّى اللهَ تَعَالٰى وَ دَعَا لَهَا فِيْ شَاتِهَا فَتَفَاجَتْ عَلَيْهِ وَ دَرَّتْ وَاجْتَرَّتْ. فَدَعَا بِإِنَاءٍ يُرْبِضُ الرَّهْطَ فَحَلَبَ فِيْهِ ثَجًّا حَتّٰى عَلَاهُ الْبَهَاءُ. ثُمَّ سَقَاهَا حَتّٰى رَوِيَتْ وَ سَقٰى أَصْحَابَهٗ حَتّٰى رَوَوْا وَ شَرِبَ آخِرَهُمْ حَتّٰى أَرَاضُوْا ثُمَّ حَلَبَ فِيْهِ الثَّانِيَةَ عَلٰى هٰذِهٖ حَتّٰى مَلَأَ الْإِنَاءَ. ثُمَّ غَادَرَهٗ عِنْدَهَا ثُمَّ بَايَعَهَا وَارْتَحَلُوْا عَنْهَا .[۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اسے منگوا کر بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور امِّ معبد کے لیے ان کی بکری میں برکت کی دعا کی۔ اس نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے لیے اپنے دونوں پیروں کو پھیلا دیا اور خوب کثرت سے دودھ دیا اور تابع فرمان ہو گئی۔ حضور نے ایسا برتن طلب فرمایا جو سب لوگوں کو سیراب کر دے، اور اس (برتن) کو دودھ سے اس طرح بھر دیا کہ اس کے اوپر جھاگ آ گئی۔ پھر امِّ معبد کو پلایا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گئیں، پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے۔ سب سے آخر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم نے نوش فرمایا یہاں تک کہ صحابہ کو خوش کر دیا۔ پھر اسی برتن کو دوسری بار دودھ دوہ کر بھر دیا اور اسے (بطورِ نشان) امِّ معبد کے پاس چھوڑا اور امِّ معبد سے اسلام پر بیعت لی پھر سب لوگ وہاں سے چل دیے۔

[۱] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للامام نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، ج:۶، ص:۵۶۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، للامام یوسف بن عبد اللہ بن محمد ابن عبد البر، ج:۴، ص:۱۹۵۹

شام کو اس کا خاوند ابو معبد، انتہائی کمزور بکریاں لے کر آیا تو گھر میں دودھ سے لبریز برتن دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اس نے کہا:

اے امّ معبد! یہ دودھ کی ندی کہاں سے بہہ پڑی؟ گھر میں تو کوئی دودھ والا جانور موجود نہ تھا۔

اس نے کہا:

بخدا گھر میں شیر دار جانور نہ تھا؛ لیکن ایک بابرکت ہستی تشریف لائی تھی یہ سب اسی کا فیضان ہے۔ پھر امّ معبد نے پورا واقعہ اپنے شوہر کو سنایا۔ واقعہ سننے اور حلیۂ مبارک جاننے کے بعد اس کے شوہر نے کہا:

بخدا! یہ وہی شخص ہیں جن کی تلاش میں قریش سرپٹ گھوڑا دوڑا رہے ہیں۔

اس وقت امّ معبد نے رسولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کے بے نظیر حسن وجمال اور بے مثال سیرت وکردار کا جو نقشہ کھینچا تھا، یہاں اُسے بیان کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے، پڑھیے اور جھومیے۔

قَالَتْ: رَأَيْتُ رَجُلًا ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ. حَسَنَ الْخُلُقِ. مَلِيحَ الْوَجْهِ. لَمْ تَعِبْهُ ثُجْلَةٌ وَ لَمْ تَزْرِ بِهِ صَعْلَةٌ. قَسِيمٌ وَسِيمٌ. فِي عَيْنَيْهِ دَعَجٌ وَ فِي أَشْفَارِهِ وَطَفٌ وَفِي صَوْتِهِ صَحَلٌ. أَحْوَلُ أَكْحَلُ أَزَجُّ أَقْرَنُ وَ فِي عُنُقِهِ سَطَعٌ وَفِي لِحْيَتِهِ كَثَاثَةٌ. إِذَا صَمَتَ فَعَلَيْهِ الْوَقَارُ وَإِذَا تَكَلَّمَ سَمَا وَعَلَاهُ الْبَهَاءُ. حُلْوُ الْمَنْطِقِ. فَصْلٌ لَا نَزْرٌ وَلَا هَذَرٌ. كَأَنَّ مَنْطِقَهُ خَرَزَاتُ نَظْمٍ يَتَحَدَّرْنَ. أَبْهَى النَّاسِ وَأَجْمَلُهُمْ مِنْ بَعِيدٍ وَأَحْلَاهُمْ وَ أَحْسَنُهُمْ مِنْ قَرِيبٍ. رَبْعَةٌ لَا تَشْنُوهُ عَيْنٌ مِنْ طُولٍ لَا تَقْتَحِمُهُ عَيْنٌ مِنْ قِصَرٍ. غُصْنٌ بَيْنَ غُصْنَيْنِ. فَهُوَ أَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ

مَنْظَرًا وَاَحْسَنُهُمْ قَدًّا۔ لَهٗ رُفَقَاءُ يَحُفُّوْنَ بِهٖ وَاِنْ قَالَ اِسْتَمَعُوْا قَوْلَهٗ وَاِنْ اَمَرَ تَبَادَرُوْا اِلٰى اَمْرِهٖ۔ مَحْفُوْدٌ مَحْشُوْدٌ لَا عَابِسٌ وَلَا مُفَنِّدٌ۔[۱]

ترجمہ: حضرت امّ معبد کہنے لگیں: میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حسن نمایاں تھا، جس کی ساخت بڑی خوب صورت اور چہرہ ملیح تھا۔ نہ رنگت کی زیادہ سفیدی اس کو معیوب بنا رہی تھی نہ گردن اور سر کا پتلا ہونا اس میں نقص پیدا کر رہا تھا۔ بڑا حسین، بڑا خوب رو، آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں۔ پلکیں لمبی تھیں اس کی آواز گونج دار تھی۔ سیاہ چشم، سرگیں، دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے تھے۔ گردن چمک دار تھی۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ جب وہ خاموش ہوتے تو پُر وقار ہوتے۔ جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پُر نور اور بارونق رہتا۔ شیریں گفتار۔ گفتگو واضح ہوتی۔ نہ بے فائدہ ہوتی نہ بے ہودہ۔ گفتگو گویا موتیوں کی لڑی ہے جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے۔ دور سے دیکھنے پر سب سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے اور قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین دکھائی دیتے۔ قد میانہ تھا نہ اتنا طویل کہ آنکھوں کو برا لگے نہ اتنا پست کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں۔ وہ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کے مانند تھے جو سب سے سرسبز و شاداب اور قد آور ہو۔ ان کے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔ اگر وہ انھیں کچھ حکم دیتے تو وہ فوراً اسے بجالاتے، سب کے مخدوم سب کے محترم، نہ وہ ترش رو تھے نہ ان کے فرمان کی مخالفت کی جاتی تھی۔[۲]

امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں ۔۔۔ سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

---

[۱] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، للامام یوسف بن عبد اللہ بن محمد ابن عبد البر، کتاب کنی النساء، باب المیم، ج:۴، ص:۱۹۵۹

[۲] اردو ترجمہ از ضیاء النبی للعلامہ کرم شاہ الازہری، ج:۲، ص:۱۷۴ / ۱۷۵

مزید فرماتے ہیں:

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا تیری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا! تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

(۲۹)

وَدَعَوْتَ عَامَ الْقَحْطِ رَبَّکَ مُعْلِنًا	فَانْهَلَّ قَطْرُ السُّحْبِ حِيْنَ دُعَاكَا

ترجمہ: یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! جب قحط سالی کے وقت آپ نے علی الاعلان اپنے رب سے دعا کی تو آپ کی دعا کے وقت ہی موسلا دھار بارش ہونے لگی۔

حلِّ لغات:

- عَامٌ: سال، جمع: اَعْوَام۔
- قَحْطٌ: مصدر از بابِ فتح و سمع، بارش کا رک جانا۔
- اِنْهَلَّ: فعل ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از اِنْهِلَال بر وزنِ اِنْفِعَال، زوردار آواز کے ساتھ بارش ہونا۔
- سُحُبٌ: سَحَاب کی جمع، بادل۔

تشریح:

عہدِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم میں جب جزیرۃ العرب کے باشندوں کو قحط کا سامنا ہوتا تو رسول اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہوکر اپنی پریشانی عرض کرتے اور قحط سالی سے ہونے والی تباہیوں

اور بربادیوں کی داستان رورو کر سناتے اور اس سے نجات دینے کی درخواست کرتے۔

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم بارگاہِ رب العزت میں دستِ دعا دراز فرماتے، ہر طرف سے گھٹائیں اٹھتیں اور موسلا دھار بارش شروع ہوجاتی۔ صحاح ستہ (حدیث کی مشہور چھ کتابوں) میں اس قسم کے متعدد واقعات عمدہ سندوں کے ساتھ مذکور ہیں۔ اختصار کے پیشِ نظر یہاں مسلم شریف کی صرف ایک روایت پیش کی جارہی ہے۔

نزولِ بارانِ رحمت:

حضرت امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ جُمُعَةٍ مِنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِ الْقَضَاءِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَائِمًا ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ. فَادْعُ اللهَ يُغِثْنَا. قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا اَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا اَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا. قَالَ أَنَسٌ: وَلَا وَاللهِ مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلَا قَزَعَةٍ وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلَا دَارٍ- قَالَ: فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ- قَالَ: فَلَا وَاللهِ مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سَبْتًا- قَالَ: ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللهَ يُمْسِكْهَا عَنَّا- قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ حَوْلَنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ

وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ. فَانْقَلَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِي فِي الشَّمْسِ.[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

جمعہ کے دن ایک شخص مسجدِ نبوی شریف میں دار القضا کے دروازے سے داخل ہوا در آں حالے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی طرف منہ کر کے کہنے لگا:

یارسول اللہ! اموال (مویشی) ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع (بند) ہو گئے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ بارش نازل فرمائے۔

رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اپنے دستِ مبارک بلند فرما کر یوں دعا فرمائی:

اے اللہ بارش نازل فرما! الٰہی بارانِ رحمت کا نزول فرما! خدایا پانی برسا دے!

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

بخدا ہم نے آسمان میں بادل دیکھا تھا نہ بادل کا کوئی ٹکڑا اور ہمارے اور پہاڑی کے درمیان کوئی گھر تھا نہ کوئی محلہ۔ پھر پہاڑی کے پیچھے سے ڈھال کے برابر ایک بادل اٹھا اور آسمان کے درمیان پہنچ کر پھیل گیا اور بارش ہونے لگی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید کہتے ہیں:

بخدا! پھر ہم نے ایک ہفتے تک سورج نہیں دیکھا۔ پھر آئندہ جمعہ کو ایک شخص اسی دروازے سے داخل ہوا در آں حالے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ وہ حضور کی طرف اپنا چہرہ کر کے کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

---

[1] الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب صلاۃ الاستسقاء، باب الدعاء فی الاستسقاء، رقم الحدیث: ۲۱۱۵

(موسلا دھار بارش کی وجہ سے، ہمارے) اموال (جانور) ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ (ہم پر کرم فرمائے اور اب) بارش کو ہم سے روک لے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم نے پھر اپنے مقدس ہاتھ بلند فرمائے اور یوں دعا کی:

اے اللہ! ہمارے ارد گرد برسا؛ لیکن ہم پر نہ برسا! اے اللہ! ٹیلوں، بلندیوں، ندیوں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر بارش نازل فرما!

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

(حضور علیہ السلام کے دعا کرتے ہی) بارش بند ہو گئی (فوراً سورج نکل آیا) اور ہم باہر دھوپ میں چلنے لگے۔

مجددِ دین وملت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا — بڑھی ناز سے جب دعائے محمد ﷺ
اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا — دلہن بن کے نکلی دعائے محمد ﷺ

مزید فرماتے ہیں:

وہ دعا جس کا جوبن بہارِ قبول — اس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں — اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

(۳۰)

وَدَعَوْتَ كُلَّ الْخَلْقِ فَانْقَادُوْا اِلٰى	دَعْوَاكَ طَوْعًا سَامِعِيْنَ نِدَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ نے پوری مخلوق کو (اسلام کی)

دعوتِ حق دی، تو آپ کی ندا سن کر برضا و رغبت سبھی آپ کی دعوت کی طرف کھنچتے چلے آئے۔

حلِّ لغات:

- اِنْقَادُوْا: فعل ماضی معروف، صیغۂ جمع مذکر غائب از بابِ انفعال، پے روی کرنا، پیچھے پیچھے چلنا۔
- طَوْعًا: مصدر از بابِ نصر، فرماں برداری کرنا، کسی کام کو بطیبِ خاطر کرنا۔

تشریح:

اس شعر میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی دعوتِ اسلام ہر مخلوق کو عام ہے۔ اس خاکدانِ گیتی کی کوئی بھی مخلوق آپ کی فرماں داری سے انحراف نہیں کرسکتی۔

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں:

لَیْسَ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ شَیْءٌ اِلَّا وَهُوَ یَعْلَمُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا فَسَقَةُ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔[۱]

ترجمہ: چند سرکش جناتوں اور انسانوں کے سوا کائنات کی ہر شے جانتی ہے کہ میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں۔

اسی لیے حضور کا اشارہ پا کر چاند شق ہو کر دو ٹکڑوں میں بٹ گیا، ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا، حضور کے حکم پر درخت دوڑے چلے آئے، سنگ ریزوں نے کلمۂ شہادت کا

---

[۱] المعجم الکبیر، للامام سلیمان بن احمد الطبرانی، ج: ۲۲، ص: ۲۶۱۔ البدایۃ والنہایۃ، للحافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، ج: ۶، ص: ۱۵۴

اقرار کیا، جانوروں اور چوپایوں نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر فریادیں کیں۔ غرض یہ کہ حضور سیدِ عالَم علیہ الصلاۃ والسلام کی سیادت سب کو عام ہے۔ عالَمِ خلق کا کوئی بھی فرد اُن کی اطاعت سے سبک دوش اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

اعلیٰ حضرت امامِ عشق ومحبت علیہ الرحمہ نے کیا ہی بہتر انداز میں اس کی ترجمانی کی ہے :

چاند اشارے کا ہلا، حکم کا باندھا سورج　　　واہ کیا بات شہا! تیری توانائی کی

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیادتِ عامہ :

اسی لیے اکابر علماے اسلام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جس طرح ہر شے کا خالق اللہ عزوجل ہے، یوں ہی ہر شے کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ہیں۔ یہاں تک کہ حضور سرورِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم گزشتہ جملہ انبیاے کرام ومرسلین عظام علیہم الصلاۃ والسلام کے بھی رسول ہیں اور انبیا ورسل کے واسطے سے ان کی امت کے بھی رسول ہیں۔ اس کی شہادت قرآنِ مقدس دے رہا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ -[۱]

ترجمہ: اور (اے رسول) یاد کیجیے! جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں، پھر تمھارے پاس وہ عظیم رسول آ جائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمھارے پاس ہے، تو تم ان پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور

---

[۱] سورۃ آلِ عمران، رقم الآیۃ: ۸۱ / ۸۲

ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا۔ فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے بھاری عہد کو قبول کر لیا ؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا: پس گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر اس کے بعد جو لوگ عہد سے پھر جائیں، تو وہی نافرمان ہیں۔

اسی بنا پر رسولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا :

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ مُوْسٰى كَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ۔[1]

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! آج اگر موسیٰ (علیہ السلام جیسے عظیم الشان پیغمبر بھی) دنیا میں (ظاہری حیات کے ساتھ زندہ) ہوتے تو میری پے روی کے سوا ان کے لیے کوئی گنجائش نہ ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ قربِ قیامت، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو حضور سیدِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ہی کے امتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے، حضور علیہ السلام ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور حضور علیہ السلام ہی کے نائب اور امتی حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدا میں نماز ادا فرمائیں گے۔

مجدِّدِ اسلام امام احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس عقیدہ کی نہایت شاندار تحقیق اپنے رسالے "تَجَلِّي الْيَقِيْن بِاَنَّ نَبِيَّنَا سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْن" میں فرمائی ہے۔ جسے تفصیل وتحقیق درکار ہو وہ اس رسالے کا مطالعہ کرے۔ لانہ لا یجد فی غیرھا ما فیھا من تحقیق وتدقیق وبسط فی عموم سیادتہ علیہ الصلاۃ والسلام لجمیع الخلق۔

---

[1] کنز العمال، للامام علاء الدین المتقی بن حسام الدین الہندی، ج:۱، ص: ۲۰۰۔ جامع بیان العلم وفضلہ، للامام ابی عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر النمری، ج:۲، ص: ۸۰۵۔ المسند، للامام احمد بن علی ابی یعلی الموصلی، ج:۴، ص: ۱۰۲

(۳۱)

وَخَفَضْتَ دِيْنَ الْكُفْرِ يَا عَلَمَ الْهُدٰى	وَرَفَعْتَ دِيْنَكَ فَاسْتَقَامَ هُدَاكَا

ترجمہ: اے ہدایت کے مینار! آپ نے ملّتِ کفر کو پست اور اپنے دین (اسلام) کو سربلند فرمادیا تو آپ کی ہدایت سب سے مستحکم اور ٹھوس رہی۔

حلِّ لغات:

- خَفَضْتَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ ضرب، پست کرنا، نیچے کردینا۔
- دِیْن: جمع: اَدْیَان، مذہب، طریقۂ زندگی، نظریہ، عقیدہ۔
- عَلَمْ: جمع: اَعْلَام، علامت، نشان، جھنڈا، قوم کا سردار۔
- رَفَعْتَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ فتح، بلند کرنا۔
- اِسْتَقَامَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ استفعال، مستحکم ہونا، درست ہونا، سیدھا ہونا۔

تشریح:

قصیدے کے اس شعر میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور جانِ عالَم فخرِ بنی آدم محمد مصطفےٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی پیہم کوششوں، انتھک محنتوں، بے مثال دعوتی سرگرمیوں اور ان کے ذریعے ظہور پذیر ہونے والے آفاقی انقلاب کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی دعوت وتبلیغ کے نورانی اثرات:

سیدی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی شانِ اقدس میں گویا کہ یوں نذرانۂ عقیدت پیش کررہے ہیں:

یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! اس عالمِ فانی میں آپ کی تشریف آوری سے قبل، دنیا ظلم و جہالت کے بھاری بھرکم بوجھ تلے دبی ہوئی تھی، کفروشرک، ہوا و ہوس، ظلم وزیادتی، باطل خیالات ونظریات، خاندانی برے رسم و رواج، غیر اخلاقی سماجی بندھن اور ضلالت وگم رہی کے تیرہ وتاریک اندھیرے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ کفروشرک کے خلاف آواز بلند کرنے والا کوئی نہ تھا۔ طاغوتی اور شیطانی قوتیں بتوں کی خدائی اور معبودانِ باطلہ کی فرماں روائی کے لیے اہم کردار ادا کررہی تھیں۔

جس پیشانی کو خالقِ کائنات اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جھکنا چاہیے، پتھر کے تراشیدہ ہزاروں اور لاکھوں بتوں کے سامنے خم ہو (جھک) رہی تھی۔ سب کی زبانوں سے "مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡهِ اٰبَآءَنَا"، (یعنی ہم تو اسی مشرکانہ طریقے پر رہیں گے جس پر ہم نے اپنے آباواجداد کو پایا ہے) کا نعرہ بلند ہورہا تھا۔

ایسے ظلمت کدہ ماحول اور پرآشوب دور میں جب آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی تو تاریخِ انسانی کے عظیم انقلاب کا آغاز ہوا، ایوانِ کفروشرک میں زلزلہ آ گیا، باطل اور شیطانی قوتوں میں کھلبلی مچ گئی، کافروں کے مجبور و ناتواں خدا منہ کے بل گر پڑے، جابر حکمرانوں کے تخت الٹ دیے گئے، وادیِ کفر میں بھٹکنے والی انسانیت کو آپ نے توحید کا درس دیا، اس میں نورِ ایمان ویقین پیدا کیا اور اپنی ۶۳ سالہ پیہم کوششوں، انتھک محنتوں

اور دعوتی سرگرمیوں سے ملتِ کفر کو پست کر کے دینِ اسلام کو سربلند فرما دیا۔

علامہ عبدالستار نیازی علیہ الرحمہ کے یہ اشعار وجد آفریں ہیں:

بن کے جانِ چمن آپ کیا آگئے پھول کلیوں کو بھی تازگی مل گئی
بے سہاروں کو بھی مل گیا آسرا، غم کے ماروں کو بھی زندگی مل گئی
اہلِ ارض و سما آج مسرور ہیں دونوں عالَم بھی نورٌ علیٰ نور ہیں
آمنہ بی کا جب چاند روشن ہوا، چاند تاروں کو بھی روشنی مل گئی
تیرے در کی غلامی کی کیا بات ہے، اس کے آگے شہنشاہی بھی مات ہے
ان کے قدموں کے آگے جھکیں بادشاہ جن کو در کی ترے چاکری مل گئی

(۳۲)

أَعْدَاكَ عَادُوا فِي الْقَلِيبِ بِجَهْلِهِمْ	صَرْعَى وَقَدْ حُرِمُوا الرِّضَى بِجَفَاكَا

ترجمہ: یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ کے دشمن اپنی جہالت ونادانی کے سبب مغلوب ہو کر قَلِیب (نامی کنویں) میں جا پڑے اور آپ سے بے وفائی (روگردانی) کرنے کے سبب رضائے الٰہی سے محروم ہو گئے۔

حلِّ لغات:

- أَعْدَاء: واحد عَدُوٌّ، دشمن، ضرورتِ شعری کی وجہ سے ہمزہ ساقط ہو گیا۔
- عَادُوْا: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ جمع مذکر غائب از بابِ نَصَرَ، دوبارہ کرنا۔ یہاں عادوا "صَارُوْا" کے معنیٰ میں ہے۔ معنیٰ ہوگا: ہو گئے۔
- قَلِیْب: کنواں، پرانا کنواں، یہ مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے،

جمع قُلُب، أقْلِبَة۔

- صَرْعیٰ: زمین پر پچھاڑے ہوئے، واحد صَرِیْعٌ، از بابِ فتح، زمین پر گرا دینا۔
- حُرِمُوْا: فعل ماضی مجہول، صیغۂ جمع مذکر غائب از بابِ ضرب و سمع، محروم کر دیے گئے۔
- جَفَا: مصدر از جَفَا یَجْفُوْ جَفْوًا وجَفَاءً، بابِ نصر، اعراض کرنا، بدسلوکی کے ساتھ پیش آنا۔

تشریح:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شعر میں غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں کو ملنے والی فتح ونصرت اور کافروں کے حصے میں آنے والی شکست وریخت کا ذکر فرمایا ہے۔ چوں کہ اس شعر میں غزوۂ بدر کا تذکرہ ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تاریخی اور بے مثال غزوے کے متعلق کچھ اہم امور ذکر کر دیے جائیں۔

غزوۂ بدر کا تعارف:

غزوۂ بدر ۱۷ر رمضان ۲ھ میں واقع ہوا۔ اس کو غزوۂ بدرِ کبریٰ اور بدرِ عظمیٰ بھی کہتے ہیں۔ دراصل "بدر" ایک مشہور بستی کا نام ہے۔ بدر بن مخلد بن نصر بن کنانہ نامی ایک شخص نے اس مقام پر قیام کیا تھا، اسی کی نسبت سے اس مقام کو بدر کہا جانے لگا۔

غزوۂ بدر حق وباطل کا پہلا معرکہ ہے۔ اسی سے دینِ حق کو عزت وشوکت اور فتح ونصرت ملی۔ قرآنِ مقدس نے اسے "یوم الفرقان" کے معزز لقب سے یاد کیا ہے؛ کیوں کہ اسی دن حق وباطل کے مابین فرق ظاہر ہوا۔ فرزندانِ توحید کی مٹھی بھر فوج نے

قلّتِ اسباب کے باوجود کافروں اور مشرکوں کو روند کر رکھ دیا، ان کے غرور و تکبر کو خاک میں ملا دیا اور ان کے جاہ و جلال کو پامال کر کے اسلام کو ہمیشہ کے لیے سرخرو کر دیا اور اندھوں بہروں نے بھی جان لیا کہ حق کا علم بردار کون ہے اور باطل کا نقیب کون؟۔ ذَیل میں غزوۂ بدر سے متعلق چند اہم معلومات درج کی جا رہی ہیں۔

جنگِ بدر کے اسباب:

جب حضورِ سرورِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اپنے جاں نثار غلاموں کے ساتھ مدینۂ منورہ تشریف لے آئے تو اسلام تیزی کے ساتھ ترقی کرنے لگا اور اس کی کرنیں دور دور تک پہنچنے لگیں۔ اِس سے کافروں کو سخت تکلیف ہوئی اور وہ اسلام کو مٹانے کے لیے طرح طرح کے منصوبے تیار کرنے لگے۔ دنیا کی واحد اسلامی ریاست کے خاتمے کے لیے قریش نے جنگ کی تیاری شروع کی اور یہ فیصلہ کیا کہ اِس سال ملکِ شام جانے والے تجارتی قافلے سے حاصل ہونے والی تمام دولت کو اسلام کے خاتمے کے لیے خرچ کیا جائے گا۔

اِسی عزمِ مُحکَم کے ساتھ انھوں نے ابو سفیان کی قیادت میں ایک بڑا قافلہ ملکِ شام کی جانب روانہ کیا۔ واپسی پر ابو سفیان کو مسلمانوں سے خطرہ محسوس ہوا اور اُس نے کفارِ مکہ تک مسلمانوں کے ممکنہ حملے کی خبر پہنچائی۔ خبر پاتے ہی اہلِ مکہ اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے پوری تیاری کے ساتھ نکلے۔ راستے میں معلوم ہوا کہ قافلہ مسلمانوں سے محفوظ ہے؛ مگر وہ طاقت کے نشے میں چور تھے۔ بولے:

- اب مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر ہی دم لیں گے اور میدانِ بدر میں پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔

مسلمانوں کا جذبۂ جاں نثاری:

جب آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جمع فرما کر انھیں صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اُس وقت سیدنا صدیقِ اکبر اور حضرتِ سیدنا عمر فاروقِ اعظم کے ساتھ ساتھ دیگر مہاجرین نے بھی بڑے جوش وخروش کا اظہار کیا؛ مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم انصار کے جذبات دیکھنا چاہتے تھے۔ اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی منشا سمجھ کر انصار میں سے قبیلۂ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عُبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پکار اُٹھے:

- یا رسولَ اللہ! ہم پوری جاں نثاری کا ثبوت دیں گے، اگر آپ کا حکم ہوگا تو ہم سمندر میں بھی کود پڑیں گے۔

اِسی طرح انصار کے ایک دوسرے مُعزّز سردار حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی جذبۂ فَدَ وِیّت (قربان ہونے کے جذبے) کا اِظہار کرتے ہوئے کہا:

- یا رسولَ اللہ! ہم حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ ”آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں“۔ بلکہ ہم لوگ آپ کے دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے سے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ انصار کے اِن دونوں سرداروں کے جاں نثارانہ جذبات دیکھ کر آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کا رُخِ زیبا خوشی سے چمک اُٹھا۔[۱]

میدانِ بدر میں حضور رحمتِ عالم ﷺ کی آمد:

حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ۶۲ر مہاجرین اور

---

[۱] سیرتِ مصطفیٰ، للعلامہ عبد المصطفیٰ الاعظمی، ص: ۱۶۹ تا ۱۷۱، ملخصاً

۲۴۰ ر انصار کے ساتھ، ماہِ رمضان ۲ ر ہجری میں میدانِ بدر میں نزول فرما کر ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں نہ کوئی کنواں تھا نہ چشمہ؛ لیکن پھر بعض صحابۂ کرام کے مشورے سے دوسری جگہ پڑاؤ ڈال کر پانی کے چشموں پر قبضہ فرمالیا۔ خدا کے کرم سے بارش بھی ہونے لگی جس سے ایک طرف میدانِ بدر کی ریت جم گئی اور مسلمانوں کے لیے چلنا پھرنا آسان ہو گیا تو دوسری طرف کافروں کی زمین پر کیچڑ ہو گئی جس نے انھیں سخت پریشانیوں میں مبتلا کر دیا۔

۱۷ ر رمضان جمعہ کی رات کو آقائے دو عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم صبح تک خداوندِ عالَم کی بارگاہ میں دعا کرتے رہے۔ صبح نمودار ہوئی تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے تمام مجاہدین کو نمازِ فجر کے لیے بیدار کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر، آیاتِ جہاد کی روشنی میں اُن کے سامنے ایسا ولولہ انگیز خطاب فرمایا کہ **مجاہدین اسلام کی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ جوش وخروش کا سمندر بن کر طوفانی موجیں مارنے لگا اور وہ سب جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔** [۱]

جنگِ بدر کے نتائج:

جنگِ بدر میں مختلف جنگی آلات سے لبریز، ایک ہزار کفار ومشرکین، ۳۱۳ ر بے سروسامان **مسلمانوں** کے روبرو ٹھہر نہ سکے اور حضور اَشجعِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کے جاں باز صحابہ نے **اُن کی شان وشوکت خاک میں ملا کر رکھ دی۔** انصار ومہاجرین کے جذبۂ جہاد اور اُن کی تمنائے سرفروشی نے دینِ اسلام کو صبحِ قیامت تک کے لیے ایسا استحکام بخشا کہ اب ہزاروں طوفان مِل کر بھی اسلام کی شمع کو گُل نہیں کر سکتے۔

---

[۱] سیرتِ مصطفیٰ، للعلامۃ عبد المصطفیٰ الاعظمی، ص: ۱۷۵، ملخصاً

اِس جنگ میں کفارِ قریش کے بڑے بڑے سردار ہلاک ہوئے۔ عُتبہ، شَیبہ، اُمیّہ، عاص، عُقبہ اور ابوجہل کی ہلاکت سے کفارِ مکہ کی کمر ٹوٹ گئی، اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور ہتھیار ڈال کر میدانِ بدر سے بھاگنے ہی میں انھوں نے عافیت جانی۔

اِس جنگ میں دشمنوں کے ستّر آدمی مارے گئے، اِن کی لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر بدر کے ایک گڑھے میں پھینکا گیا، اِتنے ہی کفار گرفتار کیے گئے اور باقی اپنا سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ جب کہ صرف چَودہ مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے، جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔

شہدائے مہاجرین کے اسمائے گرامی:

[۱] حضرت عبیدہ بن حارث۔ [۲] حضرت عمیر بن ابو وقاص۔ [۳] حضرت عمیر بن عبد عمرو۔ [۴] حضرت عاقل بن ابو بکیر [۵] حضرت مہجع بن صالح۔ [۶] حضرت صفوان بن بیضا۔

شہدائے انصار کے ناموں کی فہرست:

[۱] حضرت سعد بن خیثمہ۔ [۲] حضرت مبشر بن عبد المنذر۔ [۳] حضرت حارثہ بن سراقہ۔ [۴] حضرت معوذ بن عفرا۔ [۵] حضرت عمیر بن حمام۔ [۶] حضرت رافع بن معلّی۔ [۷] حضرت عوف بن عفرا۔ [۸] حضرت یزید بن حارث۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ [۱]

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا:

یوں تو جنگِ بدر کے موقع پر بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے جو صحابۂ کرام

[۱] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، للامام محمد بن عبد الباقی الزرقانی، ج:۱، ص: ۴۴۴–۴۴۵، ملخصا

کے سچے عشقِ رسول، اُن کے جذبۂ جاں نثاری، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی عظمت و رفعت اور اہلِ سنت و جماعت کے کئی عقائد پر ڈالتے ہیں؛ مگر یہاں پر حضور محسنِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی غیب دانی کا صرف ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے رات کے وقت چند غلاموں کے ساتھ میدانِ بدر کا معاینہ فرمایا۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم اپنی مقدس چھڑی سے زمین پر لکیریں بنانے لگے، ساتھ ہی ساتھ یہ فرمانے لگے کہ کل یہاں فلاں کافر مارا جائے گا، یہاں فلاں کافر کی لاش ملے گی۔ اگلے دن ایسا ہی ہوا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم نے جس کافر کے مرنے کے لیے جو جگہ مقرر فرمادی تھی وہ کافر وہیں مرا۔ کوئی بھی کافر ایک بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں مَرا۔[۱]

ثابت ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم خدا کی عطا سے یہ جانتے ہیں کہ کون، کب اور کہاں مرے گا۔ اِسی لیے ہمارے امام سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کہتے ہیں:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا — جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

سب سے بہادر صحابی:

جنگِ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے بے مثال عاشق

---

[۱] السنن، للامام ابی داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، ج:۲، ص:۳۶۴ — والصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، ج:۲، ص:۱۰۲

حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے زیادہ ہمت و جرأت کا مظاہرہ فرمایا۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ میدانِ بدر میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی نشست کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے ایک "عَرِیش" (چھپر) بنایا تھا۔ اُس عریش کی حفاظت سب سے اہم تھی، کسی مسلمان کا اُس کے قریب جانا اپنی موت کو دعوت دینا تھا؛ اِس لیے کہ کفار کا اصل نشانہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ذاتِ گرامی تھی۔

یہ سعادت بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئی اور وہ اپنی ننگی تلوار لے کر اُس جھونپڑی کے پاس ڈٹ کر کافروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اِسی لیے حضرت مولاے کائنات شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

- ہم میں سب سے بہادر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔[۱]

مقتولینِ بدر کا انجام:

جنگِ بدر میں مارے گئے کافروں کی تعداد ستر تھی۔ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ان میں سے چوبیس کے بارے میں حکم فرمایا:

انھیں مقامِ بدر میں واقع (قلیب نامی) ایک کنویں میں پھینک دیا جائے۔

یہ کنواں نجاست و غلاظت کا منبع تھا۔لوگ اس میں مردار وغیرہ پھینک دیا کرتے تھے۔

حدیث کی متعدد کتابوں میں ہے، محدثین کرام فرماتے ہیں:

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ جب

---

[۱] سیرتِ مصطفیٰ، للعلامۃ عبدالمصطفیٰ الاعظمی، ص:۱۷۹، ملخصاً

دشمن پر غلبہ حاصل ہو جاتا تو آپ مزید تین روز قیام فرماتے تھے۔ میدانِ بدر میں بھی آپ نے تین روز قیام فرمایا۔ تیسرے روز آپ کے حکم سے ایک دراز گوش بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اس پر سوار ہوئے، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی ایک جماعت بھی ہمراہ ہو گئی۔ صحابۂ کرام آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ شاید حضور علیہ الصلاۃ والسلام کسی خاص کام کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ حضور اس کنویں کے پاس تشریف لائے جس میں کفار و مشرکین کی لاشوں کو پھینکا گیا تھا۔

پھر حضور مختارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ایک ایک کا نام لے کر پکارا:

اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں!

بعض روایتوں میں نام کی صراحت بھی آئی ہے، کہ آپ پکار رہے تھے:

يَا عُتْبَةُ بْنُ رَبِيع! يَا شَيْبَةُ بْنُ رَبِيع! يَا أَبَا جَهْلِ بْنِ هِشَام!

اب جب کہ تم پردے میں ہو گئے ہو، خدا عزوجل کا عذاب دیکھ چکے ہو اور اب آرزو کرتے ہو کہ کاش اللہ و رسول کی فرماں برداری کر لیتے!

پھر ارشاد فرمایا:

کیا تم نے اس وعدے کو سچا پایا ہے، جو حق تعالیٰ نے تم سے کیا تھا؟۔ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشادِ گرامی کو سنا تو عرض گزار ہوئے:

حضور! یہ تو سڑ گل چکے ہیں، کیا یہ آپ کی باتیں سن رہے ہیں؟ کیا یہ جواب دے سکتے ہیں؟

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! **تم لوگ میری**

باتیں ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن یہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔[۱]

(۳۳)

فِیْ یَوْمِ بَدْرٍ قَدْ أَتَتْكَ مَلَائِكٌ	مِنْ عِنْدِ رَبِّكَ قَاتَلَتْ أَعْدَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! غزوۂ بدر کے دن رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فرشتوں نے آکر آپ کے دشمنوں سے جنگ کی۔

حلِّ لغات:

❁ مَلَائِكٌ: ملک کی جمع ہے، مَلَكٌ دراصل مَأْلَكٌ تھا، برائے تخفیف ہمزہ کو حذف کردیا ملك ہوگیا۔ حضرتِ امام قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَأْلَكٌ میں قلب واقع ہوا ہے، فاکلمہ اور عین کلمہ کو ایک دوسرے کے مقام پر رکھ دیا تو مَلْأَكٌ ہوا، پھر تخفیفاً ہمزہ حذف کردیا ملك ہوگیا۔ یہ اَلَكَ یَأْلِكُ بمعنیٰ ''پیغام پہنچانا،، سے ماخوذ ہے۔ کبھی وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے والی تا لگا کر ''مَلَائِكَة،، بولتے ہیں۔ یہی فصیح ہے اور قرآنِ مقدس میں متعدد مقام پر مذکور ہے۔

❁ قَاتَلَتْ: فعل ماضی معروف، صیغۂ واحد مؤنث غائب از بابِ مُفَاعَلَة. قتال کرنا، جہاد کرنا۔ جنگ کرنا۔

تشریح:

گزشتہ شعر کی تشریح میں گزرا کہ غزوۂ بدر ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ میں واقع

---

[۱] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، ج:۲، ابواب غزوۃ البدر، ص: ۵۷۳۔ الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار علیہ۔۔۔ رقم الحدیث ۷۴۰۳۔ الصحیح، للامام ابی حاتم محمد بن حبان البستی، ج:۴، ص: ۴۴۰

ہوا۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ ان کے ساتھ دو گھوڑے، چھ زرہیں، ستر اونٹ اور آٹھ تلواریں تھیں۔ جب کہ کفار کی تعداد ۹۰۰ سے بھی زائد تھی۔ ان کے پاس جنگی سامان بھی بہت زیادہ تھا۔

اللہ تبارک وتعالی نے مسلمانوں کے دلوں کو مطمئن کرنے، ان کے صبر و استقلال اور استقامت و پامردی کو بڑھانے اور رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی شان وشوکت اور عظمت و بزرگی کو ظاہر کرنے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں فرشتوں کو نازل فرمایا۔

فرشتوں کا نزول:

حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالی عنہ صحیح مسلم کتاب الجہاد میں، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَهُمْ أَلْفٌ وَأَصْحَابُهُ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَتِسْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا فَاسْتَقْبَلَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ الْقِبْلَةَ ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَهْتِفُ بِرَبِّهِ: اَللّٰهُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي. اَللّٰهُمَّ آتِ مَا وَعَدْتَنِي. اَللّٰهُمَّ إِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ. فَمَازَالَ يَهْتِفُ بِرَبِّهِ مَادًّا يَدَيْهِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ حَتَّى سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ مَنْكِبَيْهِ فَأَتَاهُ أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذَ رِدَاءَهُ فَأَلْقَاهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ الْتَزَمَهُ مِنْ وَرَاءِهِ وَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ كَفَاكَ مُنَاشَدَتُكَ رَبَّكَ فَإِنَّهُ سَيُنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ۔[۱] فَأَمَدَّهُ اللهُ بِالْمَلَائِكَةِ۔[۲]

---

[۱] سورۃ الانعام، رقم الآیۃ: ۹

[۲] الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الجہاد والسیر، باب الامداد بالملائکۃ، رقم الحدیث: ۴۶۸۷

ترجمہ: غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ کے ساتھ تین سو انیس مرد تھے (۳۱۳ کی روایتیں بھی ہیں، اسی کو تلقی بالقبول حاصل ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم نے قبلہ کی جانب رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر بآواز بلند اپنے رب سے یہ دعا کی:

الٰہی! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ عطا فرما، اے اللہ! تو نے جس چیز کا مجھ سے وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما، اے رب! اہل اسلام کی یہ (مٹھی بھر) جماعت اگر ہلاک ہوگئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام ہاتھ پھیلا کر مسلسل دعا کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے شانوں سے چادر مبارک گر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے پاس آئے اور چادر پاک اٹھا کر ان کے کندھوں پر ڈالی، پھر حضور سے لپٹ کر کہنے لگے:

یا نبی اللہ! اللہ عزوجل سے آپ کی یہ دعا کافی ہے۔ آپ کا رب آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو عن قریب پورا فرمائے گا۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

ترجمہ: اور یاد کرو! جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمھاری دعا قبول فرمالی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمھاری مدد فرمانے والا ہوں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں سے آپ کی مدد فرمائی۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کی عملی شرکت کے بارے میں اختلاف:

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے نازل ہونے پر سب کا اتفاق ہے، البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ فرشتوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا یا نہیں۔ صحیح مسلم کی اس صریح

حدیث اور دیگر آثار واحادیث کے پیشِ نظر جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فرشتوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اس موقف کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے ہو رہی ہے۔

حضرت امام مسلم بن حجاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

بَيْنَمَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَئِذٍ يَّشْتَدُّ فِي أَثَرِ رَجُلٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ أَمَامَهُ إِذْ سَمِعَ ضَرْبَةً بِالسَّوْطِ فَوْقَهُ وَصَوْتَ الْفَارِسِ يَقُولُ أَقْدِمْ حَيْزُوْمُ. فَنَظَرَ إِلَى الْمُشْرِكِ أَمَامَهُ فَخَرَّ مُسْتَلْقِيًا فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ قَدْ خُطِمَ أَنْفُهُ وَشُقَّ وَجْهُهُ كَضَرْبَةِ السَّوْطِ فَاخْضَرَّ ذٰلِكَ أَجْمَعُ. فَجَاءَ الْأَنْصَارِيُّ فَحَدَّثَ بِذٰلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: صَدَقْتَ ذٰلِكَ مِنْ مَدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ. [۱]

ترجمہ: بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا، جو کہ اس سے آگے تھا۔ اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا:

حَيْزُوْمُ! آگے بڑھ! (حیزوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا)۔

پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت گرا پڑا ہے، اس مسلمان نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک میں چوٹ تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوڑے سے اس کا چہرہ پھٹ گیا ہو اور اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا۔

اس انصاری نے حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کیا۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

---

[۱] الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الجہاد والسیر، باب الامداد بالملائکۃ، رقم الحدیث: ۴۶۸۷

تم نے سچ کہا، یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔

امام المفسرین حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أجمع أهل التفسير والسِّيَر أنّ الله تعالى أنزل الملئكة يوم بدر و أنهم قاتلوا الكفار. قال ابن عباس رضى الله تعالى عنهما: لم تقاتل الملئكة سوى يوم بدر و فيما سواه كانوا عددا و مددا لا يقاتلون ولا يضربون وهذا قول الأكثرين.[1]

ترجمہ: اہلِ تفسیر وسیرت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر کے دن فرشتوں کو نازل فرمایا اور انھوں نے کافروں سے جہاد بھی کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

فرشتوں نے جنگِ بدر کے علاوہ کسی جنگ میں قتال نہیں کیا، باقی غزوات میں فرشتے عددی طاقت وقوت کے اظہار اور مدد کے لیے نازل کیے گئے تھے؛ لیکن انھوں نے عملی طور پر قتال میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ یہی جمہور کا قول ہے۔

اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ فرشتوں کا نازل ہونا صرف مسلمانوں کو تقویت اور بشارت دینے کے لیے تھا۔ ان حضرات کے دلائل ذیل میں درج ہیں:

فرشتوں کے جنگ میں شریک نہ ہونے پر دلائل:

یہ حضرات کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں فرشتوں کے نازل کرنے کا ذکر سورۂ آل عمران اور سورۂ انفال میں ہے اور دونوں جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

[1] التفسیر الکبیر، للامام ابی عبد اللہ محمد بن عمر فخر الدین الرازی، ج: ۴، ص: ۲۳۳

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے صرف تمہارے دلوں کو مطمئن کرنے اور تمھیں خوش خبری دینے کے لیے فرشتوں کو نازل کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کا نزول فقط مسلمانوں کو بشارت دینے اور ان کے دلوں کو مطمئن کرنے کے لیے ہوا۔

منکرین قتال کے دلائل پیش کرتے ہوئے حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و اما أبو بكر الأصم فإنه أنكر ذٰلك أشد إنكار و احتج عليه بوجوه. الحجة الأولى: أنّ الملك الواحد يكفي في إهلاك الأرض و من المشهور أنّ جبريل عليه السلام أدخل جناحه تحت المدائن الأربع لقوم لوط و بلغ جناحه إلى الأرض السابعة ثم رفعها إلى السماء و قلب عاليها سافلها فإذا حضر هو يوم بدر فأيّ حاجة إلى مقاتلة الناس مع الكفار، ثم بتقدير حضوره فأيّ فائدة في إرسال الملٰئكة، الحجة الثانية: أنّ أكابر الكفار كانوا مشهورين و كل واحد منهم مقابله من الصحابة معلوم و إذا كان كذٰلك امتنع اسناد قتله إلى الملٰئكة. الحجة الثالثة: أنّ هٰؤلاء الملٰئكة الذين نزلوا، اما أن يقال: أنهم كانوا أجساما كثيفة أو لطيفة. فان كان الأوّل وجب أن يراهم الكل و أن تكون رؤيتهم كرؤية غيرهم و معلوم أنّ الأمر ما كان كذٰلك. و ان كان أجساما لطيفة دقيقة مثل الهواء لم يكن فيه صلابة و قوة و يمتنع كونهم راكبين على الخيول و كل ذٰلك مما ترونه.[۱]

---

[۱] التفسیر الکبیر، للامام ابی عبد اللہ محمد بن عمر فخر الدین الرازی، ج: ۴، ص: ۲۳۳ / ۲۳

ترجمہ: لیکن عبد الرحمٰن بن کیسان ابو بکر اصم (معتزلی) نے فرشتوں کے جنگ میں حصہ لینے کا بڑی شدت سے انکار کیا ہے، اور اپنے اس موقف پر انھوں نے حسب ذیل دلائل پیش کیے ہیں۔

پہلی دلیل: تمام روے زمین کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ایک فرشتہ ہی کافی ہے اور یہ مشہور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے ایک پَر سے مدائن (شہر) کی سرزمین کو تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک اٹھایا اور پھر اس کو پلٹ کر پھینک دیا اور قومِ لوط ہلاک ہوگئی، تو جب حضرت جبریل علیہ السلام جنگِ بدر میں، قتال کے لیے حاضر ہوئے تو مسلمانوں کو کافروں سے جنگ کرنے کی کیا حاجت تھی؟ پھر ان کے ہوتے ہوئے باقی فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟

دوسری دلیل: بڑے بڑے کفار مشہور تھے اور ان کے مقابلے میں آنے والے صحابہ بھی معلوم ہیں (یعنی یہ معلوم ہے کہ فلاں کافر کو فلاں صحابی نے قتل کیا ہے)۔ جب معاملہ یوں ہے تو قتل کی نسبت فرشتوں کی جانب کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

تیسری دلیل: جو فرشتے جنگِ بدر میں نازل ہوئے یا تو ان کے جسم کثیف تھے یا لطیف۔ اگر وہ جسمِ کثیف رکھتے تھے تو ضروری تھا کہ دوسروں کی طرح ہر ایک انھیں بھی دیکھتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اور اگر ان کے اجسام ہوا کے مانند لطیف و دقیق تھے کہ ان میں بالکل سختی و صلابت نہ تھی تو ان کے لیے گھوڑوں پر سوار ہونا ممکن نہیں تھا۔ (تو انھوں نے جنگ میں حصہ کیسے لیا؟)

حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ کا جواب:

مانعین کے دلائل ذکر کرنے کے بعد امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

واعلم أن هذه الشبهة إنما يليق بمن ينكر القرآن والنبوة فأما من يقرّ هما فلا يليق به شيء من هذه الكلمات. فما كان يليق بأبي بكر الأصم إنكار هذه الأشياء مع أن نص القرآن ناطق بها وورودها في الأخبار قريب من التواتر ..... والشبهة المذكورة اذا قابلناها بكمال قدرة الله زالت وطاحت فإنه تعالى يفعل ما يشاء لكونه قادرا على جميع الممكنات ويحكم على ما يريد لكونه منزها عن الحاجات.[۱]

ترجمہ: اس قسم کے شبہات وہی پیش کر سکتا ہے جو قرآنِ مجید اور نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو؛ لیکن جو قرآنِ کریم اور احادیث مبارکہ پر ایمان ویقین رکھتا ہو اس سے اس قسم کے شبہات بہت بعید ہیں، **لہٰذا ابوبکر اصم کے لیے مناسب نہیں کہ وہ فرشتوں کے قتال کا انکار کریں،** جب کہ قرآنِ پاک میں فرشتوں کی مدد کا ذکر موجود ہے اور فرشتوں کے قتال کرنے سے متعلق حدیثیں تواتر تک پہنچتی ہیں۔ جب ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے مقابلے میں ابوبکر کے شبہات کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (بالکل بے حقیقت) ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے، کیوں کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

اور صاحبِ قصیدہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن محققین کے ساتھ ہیں جو قتالِ ملائکہ کے قائل ہیں، اسی لیے قصیدے کے شعر مذکور میں فرمایا:

---

[۱] المصدر السابق، ج: ۴، ص: ۲۳۴

یا رسول اللہ! جنگِ بدر میں من جانب اللہ، فرشتوں نے آ کر آپ کے دشمنوں سے جنگ کی۔

امامِ اہلِ سنّت سرکارِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کیا ہی خوب فرماتے ہیں :

جاں نثارانِ بدر و احد پر درود حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام

(۳۴)

وَالْفَتْحُ جَاءَكَ يَوْمَ فَتْحِكَ مَكَّةً	وَالنَّصْرُ فِي الْأَحْزَابِ قَدْ وَافَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! فتحِ مکہ کے دن فتح و نصرت نے آپ کے قدم چومے اور غزوۂ احزاب میں بھی کامیابی آپ کے ہم رکاب رہی۔

حلِّ لغات :

- جَاءَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ ضرب بمعنیٰ آنا۔
- وَافٰی: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ مفاعلة بمعنیٰ پورا حق دینا، اچانک آنا۔
- أَحْزَاب: حِزْبٌ کی جمع۔ جماعت، گروہ۔

تشریح:

اس شعر میں صاحبِ قصیدہ نے حضور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی فتح و نصرت اور کمالِ شجاعت کو بیان فرمایا ہے، کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام غزوات میں کافروں اور مشرکوں سے برسرِ پیکار رہے، جس کے نتیجے میں انھوں نے مکہ مکرمہ فتح کیا اور غزوۂ احزاب میں بھی فتح و نصرت نے اُن کے قدم چومے۔

مکہ مکرمہ کی تاریخی فتح:

مکہ مکرمہ ۸ھ میں فتح ہوا۔ اس تاریخ ساز فتح کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ عطا فرمایا، اپنے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو فتح مندی سے سرفراز فرمایا اور لشکرِ اسلام کے ذریعے اپنے مقدس گھر خانۂ کعبہ کو مشرکین کے باطل خداؤں سے پاک کر کے جاے امن بنایا۔

فتحِ مکہ کے بعد قبائلِ عرب جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے؛ کیوں کہ اکناف واطراف کے تمام عرب اس کے منتظر تھے۔ انھوں نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ اگر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اپنی قوم قریش میں واپس تشریف لے آئیں گے اور بلدِ معظم مکہ مکرمہ اور بیتِ مکرم کعبۃ اللہ ان کے قبضہ واقتدار میں آجائے گا تو وہ بھی ظلمتِ کفر سے نکل کر نورِ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔

لہٰذا فتحِ مکہ کے بعد جزیرۃ العرب ہی نہیں؛ بلکہ پوری دنیا میں ایک نیا انقلاب برپا ہوا، کفر کی تاریکیاں چھٹ گئیں، ہر چھوٹے بڑے پر حق آشکارا ہو گیا اور لوگ دیوانہ وار دینِ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

رب تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مقدس کی سورۂ نصر میں ارشاد فرمایا:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ [۱]

ترجمہ: جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین

[۱] سورۃ النصر، الجزء: ۳۰

میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے (اپنے امتیوں کی) مغفرت طلب کریں، بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

فتح مکہ کے اہم واقعات مثلاً اُس کا پس منظر، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا جذبۂ جاں نثاری، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی عطاو بخشش اور عفوو درگزر کے مظاہر کی معلومات کے لیے تاریخ وسیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے! یہ کتاب ان تفصیلات کی متحمل نہیں ہے۔ راقم الحروف کی مختصر؛ مگر جامع کتاب ''مختصر سیرتِ شمس الضحیٰ'' علیہ التحیۃ والثناء کا مطالعہ بھی بے حد مفید ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ عزوجل۔

غزوۂ احزاب:

ہجرت کے پانچویں سال **غزوۂ احزاب** کا واقعہ پیش آیا۔ اسے **غزوۂ خندق** بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ احزاب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ "حِزب" گروہ اور جماعت کو کہتے ہیں۔ چوں کہ اس جنگ میں کفار کی تمام جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں سے لڑی تھیں، اس مناسبت سے اسے **احزاب** کہا جاتا ہے۔ اور چوں کہ اس میں مسلمانوں نے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے، شہر مدینہ کے اردگرد خندق (کھائی) کھودلی تھی، تاکہ کفار و مشرکین شہر میں داخل نہ ہوسکیں، اس لیے اسے **غزوۂ خندق** بھی کہا جاتا ہے۔

اس کا مختصر بیان یہ ہے:

مدینۂ منورہ سے جلاوطن کیے جانے کے بعد قبیلہ ''بنونضیر'' کے یہودی، جب اپنے مرکز خیبر پہنچے تو انھوں نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے **ایک انتہائی خطرناک اسکیم** بنائی۔ اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے ان کا سردار مکۂ مکرمہ پہنچ کر قریش کے سردار سے بولا:

ہم دونوں مل کر مرکزِ اسلام مدینے پر حملہ کر کے مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے ہیں۔

کفارِ مکہ تو مسلمانوں سے پہلے ہی خار کھائے بیٹھے تھے، فوراً تیار ہو گئے۔ ان خبیث یہودیوں نے قبیلۂ غطفان، بنو اسد، بنو سلیم، بنو سعد اور دیگر قبائل کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا اور اس طرح تقریباً دس ہزار کا لشکرِ جرّار تیار ہو گیا۔ ابو سفیان کو لشکر کا سپہ سالار بنایا گیا اور کافروں کا یہ ریلہ مدینۂ طیبہ کی طرف چل پڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے جب یہ خبریں سنیں تو اپنے صحابۂ کرام سے مشورہ طلب کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے دی:

کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔ جنگ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک محفوظ مقام پر لشکر جمع کر کے اس کے چاروں طرف خندق کھود لی جائے۔

یہ رائے سب نے پسند کی، مدینۂ منورہ کے تین جانب مکانات تھے اور نخلستان کا سلسلہ بھی کافی دور تک پھیلا ہوا تھا، صرف شامی رخ کھلا ہوا تھا، اسی جانب سے حملے کا خدشہ تھا۔ اس لیے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اسی کا انتخاب کر کے مسلمانوں کو وہاں جمع کیا اور اس کے ارد گرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے بھی اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ مل کر خندق کھودی۔ بیس دنوں میں تین ہزار نفوسِ قدسیہ کے مقدس ہاتھوں سے یہ خندق تیار ہو گئی، یہ **تقریباً پانچ کلومیٹر لمبی، تقریباً ڈھائی میٹر گہری اور اس قدر چوڑی تھی کہ ایک گھڑسوار جست لگا کر بھی پار نہ کر سکے۔**

مسلمانوں کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی۔ جو پندرہ سال سے بڑے تھے اور جنگ میں حصہ لے سکتے تھے، صرف انھیں ہی شریکِ جنگ کیا گیا تھا۔ جب کافروں اور یہودیوں کے خبیث لشکر نے مدینۂ منورہ کو محاصرے (گھیرے) میں لیا تو اس پاک شہر کی

سرزمین دہل گئی۔ کفار کے اِس شدید حملے کے وقت مومنوں پر کیے گئے اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے رب تبارک وتعالی نے فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ [۱]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم پر کفار کے لشکر حملہ آور ہوئے، تو ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا تھا اور اللہ تعالی تمھارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ جب کفار تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے سے تم پر حملہ آور ہوئے، جب تمھاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے تعلق سے طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے۔ اس موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی تھی اور ان کو شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا تھا۔

تقریباً **ایک ماہ کا محاصرہ** اس قدر سختی سے قائم رہا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کو کئی کئی دن فاقے کرنے پڑے، لیکن ان کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی۔ مشرکین ہر طرف سے پتھر اور تیروں کا مینہ برساتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی اور خود حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں۔

---

[۱] سورۃ الاحزاب، رقم الآیۃ: ۹/۱۰/۱۱

جب اس آزمائش میں مسلمان کھرے اترے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک زوردار طوفان بھیجا، جس سے ان کے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں، کھانے کی دیگچیاں الٹ گئیں اور لشکرِ کفار میں زبردست افراتفری پھیل گئی۔ اس زبردست آندھی نے مخالفین کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اور مدینۂ منورہ ان کے شر و فساد سے محفوظ ہو گیا۔

اس غزوہ میں رسولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے بہت سے معجزات صادر ہوئے۔ ان معجزات کو پڑھنے اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جاں نثاری اور مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شجاعت و بہادری کی داستان کو جاننے کے لیے کتب سیر مثلاً" مدارج النبوۃ، معارج النبوۃ، حجۃ اللہ علی العالمین اور المواھب اللدنیۃ "وغیرہا کا مطالعہ بے حد مفید اور فرحت بخش ثابت ہوگا۔

(۳۵)

هُوْدٌ وَّيُوْنُسُ مِنْ بَهَاكَ تَجَمَّلَا	وَجَمَالُ يُوْسُفَ مِنْ ضِيَاءِ سَنَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! حضرت ہود اور حضرت یونس علیہما الصلاۃ والسلام آپ ہی کے حسن و جمال سے آراستہ ہوئے اور حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا حسن و جمال بھی آپ ہی کے عظیم المرتبت نور کا پرتو ہے۔

حلِّ لغات:

- بَهَا: اصل میں بہاء ہے، ہمزہ تخفیفاً گر گیا۔ معنیٰ ہے، حسن و جمال، زیب و زینت۔
- تَجَمَّلَا: فعل ماضی معروف صیغۂ تثنیہ مذکر غائب از بابِ تفعّل، آراستہ ہونا،

خوب صورت ہونا۔

- ضِیَاء : روشنی، تابانی، چمک دمک۔
- سَنَا : چاند کی روشنی۔

تشریح:

گزشتہ اشعار کی تشریح میں گزرا کہ جس کو جو بھی نعمتیں ملیں حضور شاہِ خوباں، سرورِ سروراں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے وسیلے ہی سے ملیں۔ انبیاے کرام علیہم السلام بھی حضور سے مستغنی نہیں ہیں۔ انھیں حسن وجمال کی جو بھی رعنائیاں ملیں حضور ہی کے صدقے میں ملیں۔ حضرت ہود اور حضرت یونس علیہما السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر حضور ہی کے حسن وجمال کے پرتو ہیں اور حسنِ یوسف علیہ السلام اُنھی کے نورانی چہرے کا صدقہ ہے۔

چوں کہ اس شعر میں صاحبِ قصیدہ نے تین پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے، اس لیے پہلے ان حضرات کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے، اس کے بعد، احادیثِ کریمہ کی روشنی میں آقاے دو عالَم نورِ مجسم علیہ الصلاۃ والسلام کے بے مثال حسن وجمال کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم:

سیدنا ہود علیہ السلام اللہ عزوجل کے عظیم الشان پیغمبر ہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنے مقدس کلام میں دس سورتوں کی متعدد آیاتِ کریمہ میں ان کا اور اُن کی سرکش قوم "عاد" کا ذکر فرمایا ہے؛ بلکہ حضرت کے نام پر ایک مستقل سورت بھی نازل فرمائی ہے۔

قومِ عاد کا پس منظر:

طوفانِ نوح ختم ہونے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور کشتی میں سوار دیگر مسلمان ''جودی'' پہاڑ پر اترے اور قریبی علاقے میں ایک بستی قائم کر کے اس میں رہنے لگے۔ یہاں صرف حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کا سلسلہ آگے بڑھا، جب کہ بقیہ مسلمانوں سے کوئی نسل آگے نہیں چلی۔ اللہ تعالیٰ نے اولادِ نوح میں برکت دی اور گزرتے وقت کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل میں اضافہ ہوتا رہا۔ جب ان کی تعداد بڑھی تو یہ مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو کر دور دراز کے علاقوں میں پھیل گئے۔

انھی میں سے ایک قبیلہ جنوب کی جانب متوجہ ہوا اور جزیرۂ عرب کے جنوبی طرف ''یمن'' کے ریتیلے ٹیلوں والے علاقے ''احقاف'' میں قیام پذیر ہو گیا۔ یہ قبیلہ اپنے والد ''عاد'' یا بادشاہ ''عاد'' کی نسبت سے قومِ عاد کے نام سے معروف ہوا۔[۱]

قومِ عاد کی سرکشی:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قومِ عاد کو سلطنت وشوکت سے نوازا تھا۔ جسمانی اعتبار سے بھی یہ لوگ انتہائی توانا، صحت منداور بہت لمبے قد والے تھے۔ نعمتوں کی بہتات کے سبب یہ قوم بڑی خوش حالی کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی؛ لیکن ان میں کفر وشرک اور فسق وفجور کی وبا پھیلی ہوئی تھی؛ بلکہ عقائد ونظریات اور اعمال واخلاق میں ان کی سرکشی عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔

[۱] سیرت الانبیاء، للعلامہ محمد قاسم العطاری، ص: ۲۰۴

حضرت ہود علیہ السلام کی بعثت:

شرک وفسق کی تاریکیوں میں بھٹکنے والی اس انتہائی ظالم وسرکش قوم کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھی میں سے حضرت ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ حضرت امام قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے، سورۂ اعراف، آیت: ۶۵ کی تفسیر میں حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ یوں بیان فرمایا ہے:

هُوْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبَاحِ بْنِ الْخُلُوْدِ بْنِ عَادِ بْنِ عُوْصِ بْنِ إِرَمَ بْنِ سَامِ بْنِ نُوْحٍ۔ وَقِيْلَ: هُوْدُ بْنُ شَالِحِ بْنِ اَرْفَخْشَدَ بْنِ سَامِ بْنِ نُوْحٍ۔[۱]

اِس نسب نامے سے معلوم ہوا کہ حضرت ہود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ''ارم'' یا ''ارفخشد'' کی اولاد میں سے ہیں۔

اوصاف وکمالات:

حضرت ہود علیہ السلام بڑے اعلیٰ اوصاف اور عمدہ کمالات کے مالک تھے۔ قرآنِ کریم فرقانِ حمید میں آپ کے متعدد اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ ذیل میں چند اوصاف درج کیے جاتے ہیں:

(۱) اللہ عزجل نے ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ۙ۔[۲]

ترجمہ: بے شک میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں۔

[۱] [انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف بتفسیر البیضاوی، للامام القاضی عبد اللہ بن عمر البیضاوی، سورۃ الاعراف، تحت الآیۃ: ۶۵] [۲] [سورۃ الشعراء، رقم الآیۃ: ۱۲۵]

حضرت ہود علیہ السلام چوں کہ اپنی قوم میں ایک امانت دار شخص کی حیثیت سے مشہور تھے، اِسی لیے جب انھوں نے اپنی قوم کے سامنے نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا تو اپنی صفتِ امانت کا ذکر بطورِ خاص فرمایا۔

(۲) حضرت ہود علیہ السلام انتہائی مخلص اور ہر معاملے میں رضاے اِلٰہی کے طلب گار تھے۔ قرآنِ کریم نے ان کے خلوص کو بیان کرتے ہوئے، ان کی اس گفتگو کا ذکر فرمایا ہے جو انھوں نے اپنی قوم کے سامنے پیش کی تھی۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ مَاۤ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ [۱]

ترجمہ: اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمۂ کرم پر ہے۔

(۳) حضرت ہود علیہ السلام توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اِسی لیے انھوں نے اپنی انتہائی سرکش اور طاقت ور قوم کے سامنے اپنے توکل کا برملا اعلان فرمایا اور ان سے کہا:

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَاؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: بے شک میں نے اللہ پر توکل کیا جو میرا اور تمھارا رب ہے، ہر جان دار کو اس نے اس کی پیشانی سے پکڑا ہوا ہے، بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے۔

دعوت و تبلیغ:

اللہ رب العزت نے قوم عاد کی اصلاح کے لیے، ان کی جانب حضرت ہود علیہ

---

[۱] سورۃ الشعراء، رقم الآیۃ: ۱۲۷ [۲] سورۃ ہود، رقم الآیۃ: ۵۶

السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ انھوں نے اپنی قوم کو ایمان لانے اور صرف اللہ عزوجل کی عبادت کرنے کا حکم دیا اور انھیں اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈرایا۔ (سورۃ الاعراف، رقم الآیۃ: ۶۵)

قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ہم تمھیں دعویٰ رسالت میں سچا نہیں سمجھتے، تم تو احمق معلوم ہوتے ہو کہ اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر دوسرے نیے دین کو مانتے اور اس کی تبلیغ کرتے ہو۔[۱]

انھوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بے وقوفی کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے، میں تو رب العالمین کا رسول ہوں، تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تو تمھارے لیے انتہائی قابلِ اعتماد خیر خواہ ہوں۔[۲]

حضرت ہود علیہ السلام ان کی تفہیم کرتے رہے، انعاماتِ الٰہی یاد دلا کر اور عذابِ الٰہی سے ڈرا کر انھیں نصیحت کرتے رہے؛ لیکن ان کی قوم ہٹ دھرمی پر اڑی رہی اور غرور و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلسل ان کی تکذیب کرتی رہی۔ حضرت نے آخری بار تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

اے میری قوم! میں نے اللہ رب العزت کا دیا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے، اب اگر تم نے ایمان لانے سے اِعراض (انکار) کیا تو یاد رکھو! اللہ عزوجل تمھیں ہلاک کر کے، ایسے لوگوں کو تمھارے شہروں اور مالوں کا مالک بنا دے گا جو اس کی وحدانیت کا اقرار کریں گے اور صرف اسی کی عبادت کریں گے، اور تم اللہ عزوجل کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ تمھارا کوئی بھی عمل اللہ عزوجل سے چھپا ہوا نہیں ہے، وہ تمھیں تمھارے

[۱] سورۃ الاعراف، رقم الآیۃ: ۶۶ [۲] سورۃ الاعراف، رقم الآیۃ: ۶۷ / ۶۸

اعمال کی بھرپور سزا دے گا اور مجھے تمھارے شر سے بھی بچائے گا؛ کیوں کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔[۱]

جب قوم سرکشی پر آمادہ رہی، کفر و شرک کے دلدل سے نکلنے پر راضی نہ ہوئی اور سوائے چند خوش نصیبوں کے سب نے نور و ہدایت کے مقابلے میں ضلالت و ظلمت کو منتخب کیا تو حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے خلاف دعا فرمائی۔ اللہ رب العزت نے ان کی دعا قبول فرمائی اور قوم کے عبرت ناک انجام سے انھیں آگاہ کر دیا۔[۲]

قومِ عاد کی ہلاکت:

جب قومِ عاد حق قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئی تو اللہ عز و جل نے انھیں قحط میں مبتلا فرمایا۔ انھوں نے پریشان ہو کر ''قَیْل'' نامی ایک شخص کو دعا کرنے کے لیے بیت اللہ شریف بھیجا۔ اس نے مکہ مکرمہ جا کر دعا کی، کچھ ہی دیر میں چند بادل نمودار ہوئے اور اس سے کہا گیا: کوئی ایک بادل چن لے۔ قیل نے ایک سخت سیاہ بادل چن لیا۔ اس بادل سے کہا گیا:

تو جلی ہوئی راکھ لے لے، جو قومِ عاد میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گی۔[۳]

اس کے بعد اللہ عز و جل کے حکم سے وہ سیاہ بادل قومِ عاد کی بستیوں کی جانب روانہ ہوا، جب ان کافروں نے بادل کو اپنی جانب آتا دیکھا تو مسرت کے عالم میں ایک دوسرے سے کہنے لگے:

یہ تو برسنے والا بادل ہے۔

---

[۱] سورۃ ہود، رقم الآیۃ: ۵۷ [۲] سورۃ المومنون، رقم الآیۃ: ۳۹/ ۴۰

[۳] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، کتاب التفسیر، باب و من سورۃ الذاریات، رقم الحدیث: ۳۲۷۳۔ ملتقطاً

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا:

یہ برسنے والا بادل نہیں؛ بلکہ وہ عذاب ہے جس کی تمھیں جلدی تھی۔ اس بادل میں ایک ایسی آندھی ہے جو دردناک عذاب پر مشتمل ہے۔ قرآنِ مجید میں اس مکالمے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ [1]

ترجمہ: پھر جب انھوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا، تو انھوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے۔ (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلد طلب کیا تھا۔ یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔

اس کے بعد حضرت ہود علیہ السلام مومنوں کو لے کر کفار سے دور چلے گئے۔ جب بادل قریب آگئے تو قومِ عاد نے ایک انتہائی ہول ناک آواز سنی، پھر نہایت تیز، سرد، خشک، خیر و برکت سے محروم اور سخت سناٹے دار آندھی چلی، جس کی شدت کا عالم یہ تھا کہ کافروں کو زمین سے اٹھا کر یوں پٹخ رہی تھی کہ ان کے سر پاش پاش ہوئے جا رہے تھے۔ اس خوف ناک آندھی کی زد میں جو شے آتی وہ تباہ و برباد ہو کر عبرت کا نشان بن جاتی۔ یہ آندھی سات راتیں اور آٹھ دنوں تک مسلسل چلتی رہی اور جب ختم ہوئی تو کفار کے خالی مکانوں کے علاوہ کچھ بھی باقی نہ تھا۔ قومِ عاد مکمل طور پر ہلاک و برباد ہو چکی تھی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

قرآنِ حکیم میں، متعدد مقامات پر اس ہول ناک عذاب کا تذکرہ موجود ہے۔ تفصیل کے لیے سورۂ مومنون، آیت ۴۱، سورۂ قمر، آیت ۱۹/ ۲۰، سورۂ ذاریات، آیت

---

[۱] سورۃ الاحقاف، رقم الآیۃ: ۲۴

۴۱/ ۴۲، سورۂ حاقہ، آیت ۶/ ۷، کا تفسیری مطالعہ کرنا چاہیے!

حضرت یونس علیہ السلام کا تعارف:

سیدنا یونس علیہ السلام اللہ عزوجل کے جلیل القدر پیغمبر ہیں، قرآنِ کریم کی ایک سورت آپ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ نساء، سورۂ انعام، سورۂ انبیا، سورۂ صافات اور سورۂ قلم میں آپ کا تذکرۂ جمیل موجود ہے۔

نام اور لقب:

ان کا اسمِ مبارک ''یونس بن متی'' ہے اور ''ذوالنون'' و ''صاحب الحوت'' ان کے القاب ہیں۔ چوں کہ یہ مچھلی کے پیٹ میں تشریف لے گئے اس لیے ان القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام بستی ''نِیْنَوٰی'' کے نبی تھے، جو موصل کے علاقے میں دجلہ کے کنارے واقع تھی۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم:

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کفر و شرک اور بدعملی میں مبتلا تھی۔ یہ ایک طویل عرصے تک انھیں بت پرستی اور بدعملی سے روکتے اور اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈراتے رہے۔ سالہا سال کی انتہائی کوشش کے باوجود جب وہ لوگ، بت پرستی اور بدعملی سے باز نہ آئے تو حضرت یونس علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں یوں دعا کی:

اے اللہ! میری قوم میری تکذیب ہی پر آمادہ ہے، اس لیے تو ان پر اپنا عذاب نازل فرما!

ان سے کہا گیا کہ آپ اپنی قوم کو باخبر کر دیں کہ تین دنوں کے بعد ان پر عذاب نازل ہوگا۔ آپ نے انھیں نزولِ عذاب کی خبر دے دی۔[۱]

نزولِ عذاب کی خبر سن کر انھوں نے آپس میں کہا:

دیکھو! حضرت یونس علیہ السلام نے کبھی کوئی بات غلط نہیں کی ہے۔ اگر وہ رات کو یہاں ٹھہرے رہے تب تو خطرے کی کوئی بات نہیں، ورنہ سمجھ لینا کہ واقعی عذاب آنے والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام رات کو وہاں سے تشریف لے گئے اور صبح کے وقت عذابِ الٰہی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

قوم کی توبہ:

جب انھوں نے دیکھا کہ آسمان پر سیاہ رنگ کا ہیبت ناک بادل آچکا ہے اور پورے شہر پر دھواں بھی چھا چکا ہے، تو انتہائی خوف زدہ ہو کر حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکلے، جب انھیں نہ پا سکے تو اپنی عورتوں، بچوں اور تمام جانوروں کو لے کر جنگل کی طرف روانہ ہوئے اور پورے خلوص کے ساتھ رو رو کر اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کرنے لگے اور کہنے لگے:

بارِالٰہ! ہم نے اس دین کو قبول کر لیا، جسے تیری بارگاہ سے تیرے رسول حضرت یونس علیہ السلام لائے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے وہ تمام جرائم دور کیے جن کا وہ ارتکاب کر چکے تھے۔ جب انھوں نے انتہائی اخلاص کے ساتھ، رو رو کر اللہ عزوجل سے دعائیں

---

[۱] روح البیان فی تفسیر القرآن، للامام اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الاستانبولی الحنفی، سورۂ یونس، تحت الآیۃ :۹۸۔ ملتقطا

کیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور اپنے عذاب کو ٹال دیا۔[۱]

مچھلی کے پیٹ میں:

دوسری طرح حضرت یونس علیہ السلام کو معلوم نہ ہوا کہ ان کی قوم سچی توبہ کے سبب نازل ہونے والے عذاب سے نجات پا چکی ہے اور وہ یہ سمجھے کہ عذابِ الٰہی کے نازل ہونے میں کچھ تاخیر ہوگئی ہے، جس کے سبب قوم کفر وشرک پر جری ہو چکی ہے؛ لہٰذا وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر، اللہ عزوجل سے اجازت حاصل کیے بغیر وہاں سے نکل پڑے۔

انھوں نے دریائی سفر کا ارادہ کیا اور ایک بھری کشتی میں سوار ہو گئے، جب کشتی دریا کے بیچ میں پہنچی تو ٹھہر گئی، کافی کوششوں کے باوجود آگے نہیں بڑھی، کشتی کے رکنے کا کوئی سبب ظاہری بھی نہ تھا۔ ملاحوں نے کہا: اس کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام بیٹھا ہے، جب تک اسے دریا میں پھینکا نہیں جائے گا، تب تک کشتی نہیں چلے گی۔ قرعہ اندازی کی گئی تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکل آیا۔ انھوں نے کہا: ہاں میں ہی اپنے آقا کا بھاگا ہوا غلام ہوں، چناں چہ انھوں نے حضرت کو اٹھا کر دریا میں ڈال دیا۔[۲]

اس وقت یہ خود کو ملامت کر رہے تھے، کہ میں نے اللہ عزوجل کے حکم کا انتظار کیوں نہ کیا؟ اسی وقت ایک بڑی مچھلی نے انھیں نگل لیا، اللہ عزوجل نے اُسے الہام کیا کہ میں نے یونس کو تیری غذا نہیں بنایا؛ بلکہ تجھے ان کے لیے قید خانہ بنایا ہے؛ لہٰذا تو ان کے جسم کو کھانا نہ ہڈیوں کو توڑنا۔[۳]

---

[۱] لباب التاویل فی معانی التنزیل الشہیر بتفسیر الخازن، للامام علاء الدین علی بن محمد البغدادی، سورۃ یونس، تحت الآیۃ: ۹۸۔ ملتقطاً۔ [۲] المصدر السابق، سورۃ الصّٰفّٰت، تحت الآیۃ: ۱۴۰، ملتقطاً۔

[۳] روح البیان فی تفسیر القرآن، للامام اسماعیل حقی بن مصطفی الاستانبولی الحنفی، سورۃ الصّٰفّٰت، تحت الآیۃ: ۱۴۲، ملتقطاً

مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام کتنے دنوں تک رہے، اس سلسلے میں روایتیں مختلف ہیں۔ حضرت امام جلال الدین محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان اقوال کو جمع کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں ۳؍دن، یا ۷؍دن، یا ۲۰؍دن یا پھر ۴۰؍دن رہے۔[۱]

اِس دوران انھوں نے کثرت کے ساتھ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ'' کی تسبیح پڑھی، اگر یہ نہ پڑھتے تو قیامت تک اسی مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

فَلَوْ لَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝[۲]

ترجمہ: پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں سے نہ ہوتے، تو وہ ضرور روزِ حشر تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔

جب حضرت یونس علیہ السلام نے دعا مانگی تو اللہ عزوجل کے حکم سے مچھلی نے انھیں دریا کے کنارے ایک میدان میں ڈال دیا۔ اس وقت وہ انتہائی کمزور اور دبلے پتلے ہو گئے تھے، جسم کی کھال بہت نرم ہو گئی تھی، جس کے سبب تمام بال جھڑ گئے تھے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝[۳]

ترجمہ: تو ہم نے اس کو چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بہت کمزور ہو چکے تھے۔

---

[۱] تفسیر الجلالین، للامام جلال الدین المحلی، سورۃ الصّٰفّٰت، تحت الآیۃ: ۱۴۵

[۲] سورۃ الصّٰفّٰت، رقم الآیۃ: ۱۴۳/ ۱۴۴ [۳] سورۃ الصّٰفّٰت، رقم الآیۃ: ۱۴۵

اللہ عزوجل نے ان کی قوت بحال کرنے کے لیے یہ قدرتی انتظام فرمایا کہ اسی مقام پر کدّو کا ایک درخت اُگ آیا اور بطورِ معجزہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک تن آور درخت کی صورت میں تبدیل ہو گیا، جس سے سایہ کا انتظام ہو گیا اور اللہ عزوجل کے حکم سے ایک بکری روزانہ صبح و شام آ کر اپنا تھن ان کے دہنِ مبارک میں دے کر، انھیں دودھ پلانے لگی۔ چند دنوں میں ان کے جسم اقدس میں توانائی آگئی اور اس پر بال اُگ آئے۔[۱]

اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم میں تشریف لے گئے، جو کہ پہلے ہی سچی توبہ کر چکی تھی، اِن کی تشریف آوری کے بعد اُنھوں نے ان کے دستِ اقدس پر دوبارہ توبہ کی، اور خوب تعظیم کی اور تا دمِ حیات توبہ پر قائم رہے۔ اللہ عزوجل نے انھیں آسائش کے ساتھ رکھا۔ قرآنِ کریم میں ہے:

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾[۲]

ترجمہ: اور ہم نے ان کو ایک لاکھ بلکہ اس سے زائد آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ تو وہ ان پر ایمان لائے، تو ہم نے ان کو ایک معین مدت تک فائدہ پہنچایا۔

حضرتِ سیدنا یوسف علیہ السلام:

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام اللہ عزوجل کے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ یہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے فرزند، سیدنا اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے ہیں۔ ان کی حیاتِ طیبہ کے واقعات، قرآنِ حکیم کی ایک سورت

---

[۱] لباب التاویل فی معانی التنزیل الشہیر بتفسیر الخازن، للامام علاء الدین علی بن محمد البغدادی المعروف بالخازن، سورۃ الصّٰفّٰت، تحت الآیۃ: ۱۴۶ [۲] سورۃ الصّٰفّٰت، رقم الآیۃ: ۱۴۷

یعنی "سورۂ یوسف" میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور سورۂ مومن اور سورۂ انعام میں بھی ان کا اجمالی ذکر موجود ہے۔ حضرتِ یوسف علیہ السلام کی سوانح حیات کے لیے سورۂ یوسف کا مطالعہ کرنا چاہیے، یہاں صرف آپ کے حسن وجمال کے چند جلوے پیش کیے جارہے ہیں:

حضرتِ یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال:

اللہ ربُّ العزت نے انھیں بے پناہ حسن وجمال سے نوازا ہے۔ حدیثِ معراج میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن وجمال کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ عَرَجَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِیْلُ فَقِیْلَ: مَنْ اَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرَئِیْلُ. قِیْلَ: وَ مَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ ﷺ. قِیْلَ: هَلْ بُعِثَ اِلَیْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ. فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِیُوْسُفَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِذَا هُوَ قَدْ اُعْطِیَ شَطْرَ الْحُسْنِ فَرَحَّبَ وَدَعَا لِیْ بِخَیْرٍ.

ترجمہ: پھر جبریلِ امین علیہ السلام مجھے تیسرے آسمان تک لے گئے، وہاں پہنچ کر انھوں نے دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ بولے: یہ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا: کیا انھیں بلایا گیا ہے؟ کہا: جی ہاں! انھیں بلایا گیا ہے۔ پس دروازہ کھول دیا گیا تو

[۱] الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۴۲۹

میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا، انھیں اللہ عزوجل نے حسن کا نصف حصہ عطا فرمایا ہے، انھوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے دعاے خیر کی۔

حضور سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَرَرْتُ بِيُوْسُفَ فِي اللَّيْلَةِ الَّتِيْ عُرِجَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ فَقُلْتُ لِجِبْرَئِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: يُوْسُفُ. قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ! كَيْفَ رَأَيْتَهُ؟ قَالَ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔[۱]

ترجمہ: جس شب مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی، میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے انھیں کیسا پایا؟ ارشاد فرمایا: وہ چودھویں کے چاند کی طرح خوب صورت تھے۔ سبحان اللہ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

رَأَيْتُ رَجُلًا صُوْرَتُهُ كَصُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ. فَقُلْتُ: يَا جِبْرِيْلُ! مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا أَخُوْكَ يُوْسُفُ. قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: وَكَانَ اللهُ قَدْ أَعْطٰى يُوْسُفَ مِنَ الْحُسْنِ وَالْهَيْبَةِ مَا لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ حَتّٰى كَانَ يُقَالُ: وَاللهُ أَعْلَمُ إِنَّهُ أُعْطِيَ نِصْفَ الْحُسْنِ وَقُسِمَ النِّصْفُ الْآخَرُ بَيْنَ النَّاسِ۔[۲]

ترجمہ: میں نے شب معراج ایسے شخص کو دیکھا جس کا چہرہ چودھویں کے چاند

---

[۱] تخریج احادیث الکشاف، للعلامۃ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف الزیلعی، ج: ۲، ص: ۱۶۵

[۲] المستدرک علی الصحیحین، للامام ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشابوری، ج: ۲، ص: ۶۲۳

کی طرح خوب صورت تھا۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ آپ کے برادرِ دینی حضرتِ یوسف علیہ السلام ہیں۔ امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ عزوجل نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایسے حسن و جمال سے نوازا تھا کہ ویسا حسن و جمال نہ ان سے پہلے کسی کو دیا نہ بعد میں کسی کو ملا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصفِ حسن دیا گیا اور نصفِ آخر باقی لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

حضرت یوسف علیہ السلام ہمارے آقا حضور مدنی تاج دار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے سوا تمام انسانوں میں بڑھ کر حسین ہیں، لیکن حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کو ان سے بھی بڑھ کر حسن عطا کیا گیا ہے۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری   آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے کی مورت میں پھونک مار کر اسے زندہ کر دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا روشن ہاتھ، یہ سب معجزات آپ کو حاصل ہیں۔ یا حبیب اللہ علیک الصلاۃ والسلام! تمام انبیاے کرام علیہم السلام کو جو خوبیاں تنہا تنہا حاصل تھیں، وہ سب آپ کی ذاتِ گرامی میں جمع ہیں۔

تجھے یک نے یک بنایا:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی سنتِ جاریہ کے مطابق اپنے ہر پیغمبر و رسول کو جملہ عیوب و نقائص سے منزہ (پاک) پیدا فرمایا ہے، تاکہ ان کا کوئی عیب کسی کے لیے بھی قبولِ حق سے مانع نہ ہو۔ اس کا کوئی بھی پیغمبر (معاذ اللہ) لنگڑا، لولا، اندھا اور بدصورت یا

قبیح المنظر نہیں آیا۔ یوں تو تمام انبیاے کرام علیہم السلام خوب رو اور فصیح اللسان بنا کر بھیجے گئے؛ لیکن حضور خاتم المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ و بارک وسلم **فصاحتِ لسان اور خوب روئی** میں اپنی مثال آپ تھے۔ ہر نبی خوب صورت چہرہ والا اور دلکش آواز والا بنا کر ہی مبعوث کیا گیا؛ لیکن محیّ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ و بارک وسلم کا چہرہ سب سے زیادہ خوب صورت اور آواز سب سے زیادہ دل کش تھی۔

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے کیا ہی خوب منظر کشی فرمائی ہے:

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں — اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود — اس کی دل کش بلاغت پہ لاکھوں سلام
جس کے جلوے سے مرجھائی کلیاں کھلیں — اس گل پاک منبت پہ لاکھوں سلام

چوں کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ و بارک وسلم کی رسالت عالم گیر اور ازازل تا ابد ہے، اس لیے حسن کی ساری رعنائیاں اور جمال و زیبائی کی جملہ دلربائیاں اس ذاتِ اقدس میں جمع کر دی گئی ہیں، تا کہ حسن کی کسی ادا کا متوالا اس کی بارگاہِ جمال میں آئے تو سیر اور شاد کام ہو کر واپس جائے۔

زمانے کے بدلنے سے حسن و جمال کے معیار بدلتے رہے، حالات کے تغیّر کے ساتھ پسند و ناپسند کے پیمانوں میں تبدیلیاں آتی رہیں؛ لیکن یہ بارگاہ حسن و جمال کی وہ بارگاہ ہے کہ یہاں جو بھی حاضر ہوگا جب بھی حاضر ہوگا اس حسین چہرے کے دیدار کی ایک ہی جھلک سے حسرت زدہ دل کی ہر حسرت پوری ہو جائے گی، کسی کو بھی مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ چند حدیثوں کی روشنی میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ و بارک وسلم کے حسن و جمال کی ایک جھلک پیش کی جا رہی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

حضرتِ برا ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَ اَحْسَنَهُ خُلُقًا ۔[۱]

ترجمہ: رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کا رخِ انور سب سے خوب صورت تھا اور آپ کی سیرت سب سے اعلیٰ تھی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِيْ لَيْلَةٍ اِضْحِيَانٍ وَ عَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ ۔ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاِلَى الْقَمَرِ فَلَهُوَ اَحْسَنُ عِنْدِيْ مِنَ الْقَمَرِ ۔[۲]

ترجمہ: میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آسمان پر ابر کا نام ونشان تک نہ تھا (چاند اپنی آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا)۔ اس وقت حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے جسمِ اقدس پر سرخ دھاری دار یمنی جوڑا تھا۔ میں کبھی حضور کو دیکھتا اور کبھی چاند کو۔ (بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ) حضور علیہ الصلاۃ والسلام چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ خوب صورت ہیں۔

حضرتِ کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَلَّمْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَبْرُقُ وَجْهُهُ مِنَ السُّرُوْرِ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ اِذَا سُرَّ اِسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتّٰى كَاَنَّهُ قِطْعَةُ قَمَرٍ ۔[۳]

---

[۱] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۴۹

[۲] السنن، للامام محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی الرخصۃ فی لبس الحمرۃ للرجال، رقم الحدیث: ۳۰۴۲

[۳] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۵۶

ترجمہ: میں نے حضور سرورِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ اقدس میں آ کر سلام پیش کیا۔ اس وقت حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ اور حضور کی شان یہ تھی کہ جب بھی خوش ہوتے تو چہرۂ مبارک ایسا روشن و تابناک ہوتا کہ دیکھنے والا سمجھتا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ۔[۱]

ترجمہ: میں نے حضور احسن عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے زیادہ حسین وجمیل کسی اور کو نہیں پایا۔ حضور کے رخِ زیبا کا دیدار کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا کہ ان کے رخِ انور میں روشن آفتاب گردش کر رہا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے حسن و جمال کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ ظِلٌّ وَلَمْ يَقُمْ مَعَ شَمْسٍ إِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ ضَوْءَ الشَّمْسِ وَلَمْ يَقُمْ مَعَ سِرَاجٍ إِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ عَلٰى ضَوْءِ السِّرَاجِ۔[۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے جسمِ اقدس کا سایہ نہ تھا۔ جب بھی حضور دھوپ میں کھڑے ہوتے تو اُن کے نور کی تابانی سورج کی روشنی پر غالب آجاتی اور جب بھی حضور چراغ کے ساتھ کھڑے ہوتے تو ان کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب آجاتی تھی۔ سبحان اللہ۔

---

[۱] المسند، للامام احمد بن حنبل، مسند ابی ہریرۃ، رقم الحدیث ۸۶۰۴

[۲] الجزء المفقود من الجزء الاول من مصنف عبد الرزاق، للامام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی، ص: ۵۶۔ الخصائص الکبریٰ، للامام جلال الدین السیوطی، ج: ۱، ص: ۱۶۹

جس کے آگے چراغِ قمر جھلملائے — ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام
چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود — نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

ایک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو:

اللہ ربُّ العزت نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے حقیقی حسن وجمال کو مخفی رکھا؛ کیوں کہ انسانی آنکھ حسن وجمالِ مصطفی علیہ التحیۃ والثناء کی تاب نہیں لاسکتی تھی۔ اس لیے اہلِ عشق ومحبت فرماتے ہیں کہ پروردگارِ عالم نے تاج دارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے حقیقی حسن کا مشاہدہ کرنے والی آنکھ ہی پیدا نہیں فرمائی۔ یہ محض دعویٰ نہیں، بلکہ متعدد احادیثِ کریمہ اس کو واضح کر رہی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

امام محمد بن عبد الباقی زرقانی علیہ الرحمہ نے ”شرح المواہب اللدنیۃ“ میں امام قرطبی علیہ الرحمہ کا یہ ایمان افروز قول نقل فرمایا ہے:

لَمْ يُظْهَرْ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ ﷺ لِأَنَّهٗ لَوْ ظَهَرَ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ لَمَا أَطَاقَتْ أَعْيُنُنَا رُؤْيَتَهٗ ﷺ۔[۱]

ترجمہ: حضورِ اجملِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا حسن وجمال ہم پر مکمل طور پر ظاہر نہیں کیا گیا؛ کیوں کہ اگر حضور کا حسن و جمال ہم پر مکمل طور پر ظاہر ہوجاتا تو ہماری آنکھیں ان کے جلووں کا دیدار کرنے سے قاصر رہتیں۔

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درود وسلام کے گجرے اور عقیدت ومحبت کے گلدستے پیش کرنے کی سعادت حاصل

---

[۱] شرح المواہب اللدنیہ، للامام محمد بن عبد الباقی الزرقانی، ج:۵، ص:۲۴۱

کرنے والے عاشقِ صادق صحابیِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا دیدار کرتے تو بعض اوقات ان کے حسن و جمال کی تاب نہ لا کر اپنی آنکھوں پر ہتھیلی رکھ لیتے۔

تیرہویں صدی کے امام ومحقق حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لَمَّا نَظَرْتُ إِلَى أَنْوَارِهِ ﷺ وَضَعْتُ كَفِّيْ عَلَى عَيْنَيَّ خَوْفًا مِنْ ذَهَابِ بَصَرِيْ۔ [۱]

ترجمہ: جب میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرتا تو اپنی ہتھیلی آنکھوں پر رکھ لیتا اس خوف سے کہ کہیں (حضور علیہ السلام کے حسن وجمال کی تابانیوں سے) میری آنکھوں کی روشنی ہی نہ چلی جائے۔

حضرت امام محمد الفاسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیخ ابو محمد عبد الجلیل قصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے: وہ فرماتے ہیں:

وَ حُسْنُ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ غَيْرِهٖ جُزْءٌ مِّنْ حُسْنِهٖ. لِأَنَّهٗ عَلٰى صُوْرَةِ اِسْمِهٖ خُلِقَ. وَلَوْلَا اَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى سَتَرَ جَمَالَ صُوْرَةِ مُحَمَّدٍ بِالْهَيْبَةِ وَ الْوَقَارِ وَاَعْمٰى عَنْهُ اٰخَرِيْنَ لَمَا اسْتَطَاعَ اَحَدٌ النَّظَرَ اِلَيْهِ بِهٰذِهِ الْاَبْصَارِ الدُّنْيَاوِيَّةِ الضَّعِيْفَةِ.

ترجمہ: حضرت یوسف علیہ السلام اور دیگر حسینانِ عالم کا حسن و جمال حضور علیہ

---

[۱] جواہر البحار، للامام یوسف بن اسماعیل النبہانی، ج: ۲، ص: ۴۲۵۰

[۲] مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات، للامام محمد الفاسی، ص: ۳۹۳۔ لوامع الدرر فی ھتک استار المختصر، للعلامہ محمد بن سالم، ج: ۵، ص: ۴۴۹۔ ضوء الشموع شرح مجموع، للعلامہ محمد الامیر المالکی، ج: ۴، ص: ۴۳۶

الصلاۃ والسلام کے مقابلے میں **محض ایک جز کی حیثیت رکھتا ہے**؛ کیوں کہ وہ حضور جانِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اسمِ مبارک کی صورت پر پیدا کیے گئے ہیں۔ اگر اللہ رب العزت نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے حسن کو ہیبت و وقار کے پردوں سے نہ ڈھانپا ہوتا اور کفار و مشرکین کو آپ کے دیدار سے اندھا نہ کیا گیا ہوتا تو کوئی بھی شخص آپ کی طرف **ان دنیاوی کمزور آنکھوں سے نہ دیکھ سکتا۔**

حضرت علامہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم سرِ انور سے لے کر قدمِ مبارک تک نور ہی نور تھے۔ ان کے حسن و جمال کا نظارہ کرنے والے کی آنکھیں چندھیا جاتیں، ان کا جسمِ اقدس چاند و سورج کی طرح تابناک تھا، اگر حضور کے حسن کے جلوے بشری لباس میں مستور نہ ہوتے تو روے منور کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنا ناممکن ہو جاتا۔[1]

اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! حضرت ہود اور حضرت یونس علیہما الصلاۃ والسلام آپ ہی کے حسن و جمال سے آراستہ ہوئے اور حسنِ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام بھی آپ ہی کے عظیم المرتبت نور کا پرتو ہے۔

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

فَلَوْ سَمِعُوْا فِيْ مِصْرَ اَوْصَافَ خَدِّهٖ   لَمَا بَذَلُوْا فِيْ سَوْمِ يُوْسُفَ مِنْ نَقْدٍ

لَوَاحِيْ زُلَيْخَا لَوْ رَأَيْنَ جَبِيْنَهٗ   لَآثَرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوْبَ عَلَى الْاَيْدِيْ

---

[۱] مدارج النبوۃ، للامام الشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی، ج:۱، ص: ۱۳۷

ترجمہ: اگر اہل مصر، مصر میں حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ و بارک وسلم کے رخِ زیبا کے اوصاف سن لیتے تو حضرت یوسف (علیہ السلام) کے مول بھاؤ میں کچھ بھی سرمایہ خرچ نہ کرتے اور اگر زلیخا کی سہیلیاں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی نورانی پیشانی کو دیکھ لیتیں تو اپنے ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔[۱]

اور امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں　　سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

اور میرے پیر و مرشد حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مصطفائے ذاتِ یکتا آپ ہیں　　یک نے جس کو یک بنایا آپ ہیں
آپ جیسا کوئی ہو سکتا نہیں　　اپنی ہر خوبی میں تنہا آپ ہیں

(۳۶)

قَدْ فُقْتَ یَا طٰهٰ جَمِیعَ الْأَنْبِیَاءِ	طُرًّا فَسُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَاکَا

ترجمہ: اے طٰہٰ! آپ تمام انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر فوقیت رکھتے ہیں۔ تو پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کو شبِ معراج عالمِ بالا کی سیر کرائی۔

حلِّ لغات:

- فُقْتَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ نصر، بلند ہونا، بڑھ جانا، سبقت لے جانا۔
- طُرًّا: جَمِیعًا کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے "جَاؤُوْا طُرًّا" یعنی وہ سب آئے۔

[۱] شرح المواھب اللدنیۃ، للامام محمد بن عبد الباقی، ج: ۳، ص: ۲۳۴

یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔

❁ أَسْرٰی: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ افعال، رات میں سیر کرانا۔

تشریح:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سب سے بلند مرتبہ حضراتِ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو عطا فرمایا اور ان میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت دی؛ لیکن جو قدر و منزلت، عظمت و رفعت اور شان و شوکت حضور سرورِ عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو بخشی وہ کسی کے حصے میں نہ آئی۔

فرمانِ خداوندی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ [۱]

ترجمہ: ان سب رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو (بے شمار درجوں کی) بلندی عطا فرمائی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں:

آیتِ کریمہ میں بعض سے مراد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ یعنی اللہ عزوجل نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل قرار دیا ہے۔ [۲]

اس لیے اس شعر کی شرح میں، قرآنی آیات اور نبوی ارشادات کی روشنی میں

[۱] سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ: ۲۵۳ [۲] التفسیر الکبیر، للامام فخر الدین الرازی، سورۃ البقرۃ تحت الآیۃ: ۲۵۳

حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے **افضل الخلق** ہونے کو بیان کیا جارہا ہے۔

حضور سیدِ عالَم ﷺ پوری کائنات سے افضل ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاے کرام، مرسلینِ عظام علیہم الصلاۃ والسلام اور دیگر مخلوقات پر اپنے محبوب حضور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو کئی وجوہ سے **فضیلت** عطا فرمائی ہے۔ معتبر ومستند کتب بالخصوص حضرت علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ کی مایۂ ناز کتاب ''شرحِ مسلم'' کے حوالے سے یہاں چند دلائل پیش کیے جارہے ہیں۔

(۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ''رحمۃ للعالمین'' ہونے کی وجہ سے سب سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝۱۰۷ [۱]

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام ساری کائنات کے لیے رحمت ہیں، تو ضروری ہے کہ وہ کائنات میں سب سے افضل ہوں؛ کیوں کہ ہر ایک حصولِ رحمت میں حضور ہی کا محتاج ہے اور محتاج، محتاج الیہ سے افضل نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ شخص محتاج احتیاج کی حالت میں اُس وصف اور اُس چیز سے خالی ہوتا ہے جس میں وہ غیر کا محتاج ہے۔ جب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم محتاج الیہ ہیں اور ساری کائنات محتاج۔ اور کائنات میں حضراتِ انبیاے کرام علیہم السلام بھی داخل ہیں۔ تو ماننا پڑے گا کہ حضور رحمتِ کائنات علیہ

[۱] سورۃ الانبیاء، رقم الآیۃ: ۱۰۷

التحیات والتسلیمات "رحمۃ للعالمین" ہونے کی وجہ سے سب سے افضل ہیں۔

(۲) حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم جملہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے اوصاف و کمالات کے جامع ہیں، اس لیے سب سے افضل ہیں۔

قرآنِ مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاے کرام علیہم السلام کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۔[۱]

ترجمہ: یہ وہی لوگ (انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام) ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقے پر چلیں۔

اس آیتِ کریمہ میں "ھُدٰی" سے شریعت کے اصول و فروع مراد نہیں ہو سکتے، کیوں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی مستقل شریعت ہے۔ بلکہ اس سے اخلاقِ فاضلہ اور صفاتِ کاملہ مراد ہیں۔ اب آیتِ کریمہ کے معنی یہ ہوے:

اے محبوب! آپ جملہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی صفاتِ حمیدہ، اخلاقِ فاضلہ، عاداتِ حسنہ اور اوصافِ جمیلہ کو اپنی ذات میں جمع فرمالیجیے!

اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کیا ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ آپ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاے کرام علیہم السلام کے اوصاف و کمالات کو اپنی ذات میں جمع فرمالیا ہے۔ اگر حضور کے اوصافِ جلیلہ کو پھیلایا جائے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار کو سمیٹا جائے تو تنہا حضور کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ سبحان اللہ۔

---

[۱] سورۃ الانعام، رقم الآیۃ: ۹۰

اسی لیے ہمارے امام سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا :

انبیا تہہ کریں زانو ان کے حضور زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام

(۳) حضور سرورِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اپنی رسالت کے شمول و عموم (عام ہونے) کی وجہ سے کل کائنات سے افضل ہیں۔

کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلام ازلی میں فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ [1]

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے (ثواب کی) بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

یہ آیتِ کریمہ شہادت دے رہی ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی رسالت تمام انسان، جنات؛ بلکہ جملہ مخلوقات کو عام ہے۔ گزشتہ انبیاے کرام علیہم السلام کی رسالت جزئی تھی؛ کیوں کہ وہ مخصوص علاقے اور خطّے کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی رسالت کلّی ہے۔ عالمِ خلق کا ہر فرد اس میں داخل ہے۔ کوئی بھی حضور سیدِ عالم علیہ الصلاۃ والسلام سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

اسی حقیقت کی عکاسی امام اہلِ سنت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے شعر میں کی ہے:

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

[1] سورۃ سبا، رقم الآیۃ :۲۸

(۴) حضور مختارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم **آخری نبی ہونے کی وجہ سے سب سے افضل ہیں**؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۠

ترجمہ: محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

ہر بعد میں آنے والے پیغمبر کی شریعت اگلوں کی شریعت کے لیے ناسخ ہوتی رہی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم چوں کہ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں، لہٰذا آپ کی شریعت گزشتہ تمام شریعتوں کے لیے ناسخ ہے؛ لیکن آپ کی شریعت کو منسوخ کرنے والا کوئی نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔

بریلی کے تاج دار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی
ملکِ کونین میں انبیا تاج دار تاج داروں کا آقا ہمارا نبی

(۵) **اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کو خطاب میں وقار بخشا**، اس لیے حضور نبیٔ اکرم علیہ الصلاۃ والسلام سب سے **افضل** ہیں؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مقدس میں تمام انبیاے کرام ومرسلینِ عظام علیہم الصلاۃ والسلام کو ان کے ناموں کے ساتھ مخاطب کیا ہے مثلاً:

[۱] سورۃ الاحزاب، رقم الآیۃ: ۴۰

يَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ۔ يَاعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ ۔ يَامُوْسٰى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ ۔ يَانُوْحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا ۔ يَادَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً ۔ يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ۔

لیکن اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو ان کے نام کے ساتھ خطاب نہیں فرمایا؛ بلکہ انھیں **مقدس اوصاف و القاب** سے مخاطب فرمایا۔ یہ بھی رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی وہ فضیلت ہے جس میں کوئی بھی ان کا شریک وسہیم نہیں۔

بے قسیم و سہیم و عدیل و مثیل　　جوہرِ فردِ عزّت پہ لاکھوں سلام

(۶) سیادتِ کُلّی کے سبب حضور جانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نبیوں، رسولوں اور کُل خلق سے افضل ہیں۔ آقاے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا:

أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[۱]

ترجمہ: میں بروزِ قیامت (بھی) سب انسانوں کا سردار ہوں گا۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے عظیم محدث امام یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مع أنه سيدهم في الدنيا والآخرة فسبب التقييد أنّ في يوم القيامة يظهر سؤدده لكل أحد۔[۲]

---

[۱] الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا علی جمیع الخلائق، رقم الحدیث: ۲۲۷۸۔ والسنن، للامام محمد بن یزید ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر الشفاعۃ، رقم الحدیث: ۴۳۰۸۔ والجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۳۱۴۸

[۲] شرح مسلم، للامام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی، کتاب الفضائل، تحت ھذا الحدیث

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں جملہ انسانوں کے سردار ہیں؛ لیکن حدیثِ پاک میں صرف قیامت کا ذکر اس لیے ہے کہ قیامت کے دن آپ کی سرداری اور بادشاہت سب پر ظاہر کردی جائے گی۔

سردار سب سے **افضل ہوتا ہے** اور اولادِ آدم میں تمام انبیائے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلاۃ والسلام بھی داخل ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ ان کے علاوہ بھی افضلیت کی بہت سی وجہیں ہیں۔ لیکن گفتگو دراز ہوجانے کے خوف سے انھیں ترک کیا جاتا ہے۔ امام المفسرین امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۳ کی تفسیر میں، سرکار اقدس علیہ التحیۃ والثناء کی افضلیتِ مطلقہ پر وہ دلائلِ قاہرہ پیش فرمائے ہیں، جنھیں رد نہیں کیا جاسکتا۔

امامِ عشق ومحبت سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

سب سے اَولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی   سب سے بالا و والا ہمارا نبی
اپنے مولا کا پیارا ہمارا نبی   دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی
سارے اونچوں میں اونچا سمجھیے جسے   ہے اس اونچے سے اونچا ہمارا نبی
سارے اچھوں میں اچھا سمجھیے جسے   ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی

(۳۷)

وَاللهِ يَا يٰسِيْنُ مِثْلُكَ لَمْ يَكُنْ	فِي الْعَالَمِيْنَ وَحَقِّ مَنْ أَنْبَاكَا

ترجمہ: اے یٰسین! آپ کو غیبی خبریں دینے والے خدا کی قسم! کائنات میں کوئی آپ کے جیسا نہیں (کائنات میں آپ کی نظیر نہیں)۔

حلِّ لغات:

- وَاللہِ اور وَحَقِّ میں واؤ قسمیہ ہے۔
- عَالَمِیْن: واحد، عَالَم، ماسوا اللہ (اللہ کے علاوہ) کو عالم کہتے ہیں۔
- أنبأ: فعل ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ إفعال، خبر دینا، غیب کی باتوں پر مطلع کرنا، نبی بنانا۔ ''نبی'' کو نبی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ غیب کی خبریں دیتا ہے۔ [۱]

تشریح:

اس شعر میں سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اہلِ سنت و جماعت کا یہ اجماعی عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم " مُمْتَنِعُ النَّظِیْر " ہیں، کائنات میں آپ کا مثل نہ ہے، نہ ہوگا۔

قرآنِ مجید کی اس آیتِ کریمہ: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ (ترجمہ: اے محبوب! آپ فرما دیجیے کہ میں ظاہری شکل وصورت میں تم جیسا بشر ہوں) سے استدلال کرتے ہوئے جو نادان حضور مختارِ کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنا جیسا بشر کہتے ہیں، انھیں جلد از جلد اپنی روش بدل لینی چاہیے اور سچی توبہ کر کے اپنے دل میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کی محبت کی شمع روشن کر لینی چاہیے! کہیں ایسا نہ ہو کہ دوزخ کا عذاب اُن کا مقدر بن جائے اور سارا کیا دھرا اکارت جائے۔

اس عقیدے سے متعلق گزشتہ سطور میں مفید گفتگو ہو چکی ہے؛ لیکن چوں کہ یہ

---

[۱] مصباح اللغات ص: ۸۴۷، مؤلف عبدالحفیظ قاسمی دیوبندی

عظمتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا معاملہ ہے، اس لیے قارئینِ کرام کی تفریحِ طبع کے لیے مزید چند باتیں پیش کی جا رہی ہیں۔

مثلیتِ محمدی محال ہے :

جولوگ اپنے گندے منھ سے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں انھیں ہوش کا ناخون لینا چاہیے! کہاں ہم اور کہاں ہمارے آقا ومولا مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

ہم اگر نماز میں کسی کو سلام کر دیں تو نماز غارت ہو جائے؛ لیکن حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو سلام کیے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ اگر ہم کسی نمازی کو حالتِ نماز میں بلائیں تو اس کا آنا واجب؛ لیکن سرکارِ دو جہاں بلاتے تو آنا ضروری ہوتا۔ ہم قبلہ کے محتاج ہیں؛ لیکن خود قبلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا محتاج ہے۔ ہماری حیثیت وحقیقت ہی کیا ہے، حضراتِ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام بھی ان جیسے نہیں۔ بروزِ حشر دنیا دیکھے گی کہ اللہ رب العزت جلال میں ہوگا کسی نبی اور رسول کو کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہو سکے گی، کسی کو زبانِ شفاعت کھولنے کی ہمت نہ ہوگی۔ اگر کوئی اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کرے گا تو وہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ذاتِ والا صفات ہوگی۔ حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام ہی بابِ شفاعت وا فرما کر امتیوں کو عذاب سے نجات دلوائیں گے۔ جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ کی احادیثِ کریمہ سے ثابت ہے۔

اس گفتگو سے واضح ہو گیا کہ کائناتِ ہست وبود میں کوئی بھی آپ کا مماثل نہیں ہے۔ اور آیتِ کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم صرف اس بات میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے

مثل ہیں کہ نہ ہم خدا ہیں نہ حضور۔ یعنی عدمِ الوہیت میں ہم ان جیسے ہیں۔ باقی کسی چیز میں اور کسی وصف میں ہم ان جیسے نہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا، نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا! تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم
ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں، ترا محرمِ راز ہے روح امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا! ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ:

ہم اہلِ سنت و جماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''مِثْلِ مُحَمَّدِیْ'' تحتِ قدرتِ الٰہی نہیں ہے؛ کیوں کہ محالات زیرِ قدرتِ الٰہی نہیں ہوتے۔ اللہ عزوجل کی قدرت صرف ممکنات کو شامل ہے۔ اگر مثلِ محمدی کو تحتِ قدرتِ الٰہی جان کر، ممکن بالذات مان لیا جائے، تو رب تعالیٰ کا کاذب (جھوٹا) ہونا اور متعدد آیاتِ کریمہ کا باطل ہونا لازم آئے گا۔ اور کذبِ باری تعالیٰ محال بالذات ہے اور جو مستلزمِ محال ہو وہ خود محال ہوا کرتا ہے؛ لہٰذا مثلِ محمدی محال بالذات ہے۔

اسماعیل دہلوی کی بدعقیدگی:

ہندوستانی وہابیوں کے امام و مقتدی مولوی اسماعیل دہلوی کہتے ہیں:

''مثلِ محمدی ممتنع بالذات نہیں؛ بلکہ ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اور اللہ صاحب کی شان یہ ہے کہ ایک لمحہ میں ہزاروں محمد پیدا کرسکتا ہے۔'' لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ان کی بدنامِ زمانہ کتاب "تَقْوِیَۃُ الْاِیْمَان" میں لکھا ہے:

"اس شہنشاہ (خداوندِ قدوس) کی تو یہ شان ہے کہ اگر چاہے تو لفظ "کُنْ" سے کروڑوں نبی، ولی، جن، فرشتے، جبریل اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر ایک آن میں پیدا کر دے اور ایک دم میں عرش سے فرش تک ساری کائنات کو زیر و زبر کر دے اور دوسرا عالم پیدا کر دے... الخ۔ [۱]

محقق بے بدل، بطل الہند، مجاہدِ جنگِ آزادی حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر ایک تحقیقی کتاب بہ نام "اِمْتِنَاعُ النَّظِیْر" لکھی ہے اور اس میں انھوں نے حضور اشرف الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے مثل کے ممتنع بالذات ہونے پر ایسے دلائل قائم فرمائے ہیں جن کا جواب دینے سے نقیبانِ وہابیت آج بھی قاصر ہیں؛ لیکن انھیں اب تک توبہ کرنے اور حق قبول کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ راقم الحروف کتاب "علامہ فضلِ حق خیر آبادی اور انقلاب ۱۸۵۷" کے حوالے سے چند باتیں بطورِ اختصار پیش کر رہا ہے۔

علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ امتناع نظیر ص: ۸ پر فرماتے ہیں:

"اب میرا یہ دعویٰ ہے کہ کوئی بھی شخص کمالات میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے برابر نہیں ہو سکتا؛ کیوں کہ یہ ممتنع بالذات ہے اور جو ممتنع بالذات ہوتا ہے وہ قدرتِ الٰہی کے تحت داخل نہیں ہوتا۔"

علامہ نے اپنے اس دعوی کی دلیل میں "شرح مواقف" اور "شرح عقائدِ عضدیۃ" کی جو عبارت پیش کی ہے اس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

---

[۱] تقویۃ الایمان، از اسماعیل دہلوی، ص: ۴۵، مطبع دار الکتاب دیوبند

''شرح مواقف میں فرمایا کہ تحتِ قدرت ہونے کے لیے ممکن ہونا ضروری ہے؛ کیوں کہ واجب بالذات اور ممتنع بالذات کا تحتِ قدرتِ الٰہی ہونا محال ہے۔''

اس کے دوسرے مقام پر ہے:

''اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم جملہ مفہومات کو عام ہے، ممکنات، واجبات اور محالات (ممکنات ممکن کی جمع ہے۔ ممکن اسے کہتے ہیں جس کا ہونا اور نہ ہونا ضروری نہ ہو۔ واجبات واجب کی جمع ہے۔ واجب اسے کہتے ہیں جس کا ہونا ضروری اور نہ ہونا محال ہو۔ محالات محال کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: جس کا ہونا ممکن نہ ہو) بھی اس میں داخل ہیں، لیکن علم قدرت سے عام ہے؛ کیوں کہ قدرت ممکنات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کا تعلق واجبات وممتنعات (محالات) سے نہیں ہوتا۔ اور شرح عقائدِ عضدیہ میں ہے: مُصَحِّح مقدوریت ممکن ہونا ہی ہے۔''

حضرت علامہ فضلِ حق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں تک یہ ثابت کیا کہ قدرت کا تعلق صرف ممکنات سے ہوتا ہے محالات وواجبات سے نہیں۔ امتناع النظیر کے صفحہ ۱۵ پر مثلِ محمدی کے ممتنع بالذات ہونے پر زبردست دلیل قائم فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

''مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّۃً وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔[۱]

ترجمہ: یعنی میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور انبیا کا سلسلہ مجھ پر ختم ہوا ہے۔

نیز یہ ثابت ہے کہ اوصاف وکمالات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا مساوی (برابر) ہونا ممتنع بالذات ہے؛ کیوں کہ اگر اس کا وجود فرض کیا جائے تو

---

[۱] الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب المساجد، باب ای مسجد وضع فی الارض اول، رقم الحدیث: ۱۱۹۵

یہ دونوں صفتیں (ساری مخلوق کا رسول ہونا اور خاتم النبیین ہونا) اس میں پائی جائیں گی یا نہیں۔ اگر پائی نہ جائیں تو وہ مساوی، مساوی نہیں ہوگا اور اگر پائی جائیں تو وہ مساوی ساری خلقت کا رسول ہوگا۔ پس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اس کے امتی ہوں گے، لہٰذا وہ اس کے مساوی نہیں ہوں گے۔

نیز اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ مساوی آخری نبی ہے، تاکہ "ختم بہ النبیون" کا معنیٰ اس میں پایا جائے، تو اب ضروری ہوگا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم آخری نبی نہ رہیں۔ پس نبی علیہ الصلاۃ والسلام اس کے مساوی نہ ہوئے اور وہ آپ کے مساوی نہ ہوا۔"

خلاصہ یہ کہ مساوی کا وجود خود اس کے عدم کو مستلزم ہے اور جس کا وجود اس کے عدم کو مستلزم ہو وہ محال بالذات ہوتا ہے؛ لہٰذا ثابت ہوا کہ نبیِّ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا مثل محال بالذات ہے، تحتِ قدرتِ الٰہی نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دُوسَرا جانا

(۳۸)

عَنْ وَصْفِكَ الشُّعَرَآءُ یَا مُدَّثِّرْ	عَجَزُوْا وَکَلُّوْا مِنْ صِفَاتِ عَلَاکَا

ترجمہ: اے بالاپوش اوڑھنے والے! شعرا آپ کی مدح وثنا سے عاجز اور آپ کے بلند اوصاف وکمالات بیان کرنے سے قاصر رہ گئے۔

حلِّ لغات:

- شُعَرَاء: واحد شاعر، شعر کہنے والا۔
- مُدَّثِّر: اسمِ فاعل از بابِ اِفَّعُّل، چادر لپیٹنے والے، رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کا صفتی نام ہے، قرآن مقدس میں ہے: "یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ"۔
- عَجَزُوا: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ جمع مذکر غائب از بابِ ضرب، قادر نہ ہونا، طاقت نہ رکھنا، عاجز ہونا۔
- كَلُّوا: فعل ماضی معروف، صیغۂ جمع مذکر غائب از باب ضرب بمعنی تھکنا۔
- عَلَا وَعُلٰی: بلندی وشرافت۔

تشریح:

اس شعر میں سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی وہ تعریف وتوصیف فرمائی ہے، جس کے آپ بجاطور پر مستحق ہیں۔

حقیقتِ محمدی کا ادراک ناممکن ہے:

ساری کائنات حقیقتِ محمّدی کے ادراک (سمجھنے) سے عاجز وقاصر ہے۔ کوئی بھی شخص خواہ صحابی ہو یا تابعی، فقیہ ہو یا محدّث، غوث ہو یا قطب، اس فانی دنیا میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ حضور کی حیاتِ طیبہ کی آنے والی گھڑیاں (لمحے) گزشتہ تمام گھڑیوں سے بہتر ہیں۔ یہ دعویٰ کسی مخلوق کا نہیں؛ بلکہ قرآنِ حکیم کا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ -[۱]

ترجمہ :اور بے شک بعد والی ساعت آپ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے۔خلیفۂ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ صدر الافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

یعنی آخرت دنیا سے بہتر، کیوں کہ وہاں آپ کے لیے مقام محمود وحوض مورود وخیر موعود اور تمام انبیا و رُسُل پر تقدم اور آپ کی امت کا تمام امتوں پر گواہ ہونا اور شفاعت سے مومنین کے مرتبے اور درجے بلند ہونا اور بے انتہا عزتیں اور کرامتیں ہیں جو بیان میں نہیں آتیں۔

مفسّرین نے اس آیت کے یہ معنی بھی بیان فرمائے ہیں کہ آنے والے احوال آپ کے لیے گزشتہ احوال سے بہتر ہیں، گویا حق تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ روز بروز آپ کے درجے بلند کرے گا اور عزت پر عزت، منصب پر منصب زیادہ فرمائے گا اور ساعت بہ ساعت آپ کے مراتب ترقیوں پر رہیں گے۔[۲]

تمام علما و مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس عالم سے پردہ فرمانے کے بعد بھی آپ کی روحانی ترقیاں جاری ہیں، اور تا قیامِ قیامت؛ بلکہ قیامت کے بعد بھی جاری رہیں گی۔ انتہا تو اس شے کی ہوتی ہے جو کسی حد پر رک جائے، مگر یہاں تو ترقی کا سفر مسلسل جاری ہے۔ لہٰذا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے فضائل و کمالات بے حد و انتہا ہیں، ان کا کوئی شمار نہیں۔ پس شعرا حضور کی کتنی ہی تعریفیں کریں، کتنے ہی

---

[۱] سورۃ الضحیٰ، رقم الآیۃ: ۴

[۲] تفسیر خزائن العرفان، للعلامہ السید محمد نعیم الدین المراد آبادی، سورۃ الضحیٰ، تحت ھذہ الآیۃ

فضائل بیان کریں، زندگی کی ہر سانس میں آپ کی توصیف کریں، لگاتار اوصاف و کمالات اور حقائق و معارف بیان کرتے رہیں، تب بھی وہ حضور کے جملہ فضائل و کمالات بیان نہیں کرسکتے کیوں کہ ان کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔

حضرت امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدۂ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ　　حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے فضل و کمال کی کوئی حد نہیں ہے، کہ بولنے والا اپنی زبان سے بیان کرسکے۔

أَعْیَ الْوَرٰی فَھْمُ مَعْنَاہُ فَلَیْسَ یُرٰی　　لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ مِنْہُ غَیْرُ مُنْفَحِمٖ

ترجمہ: حضور کی حقیقت کے ادراک نے ساری خِلقت کو عاجز کردیا ہے، تو دور و نزدیک کہیں ایسا کوئی نظر نہیں آتا جو عاجز نہ ہو۔

امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ شعر وجد آفریں ہے:

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری　　حیراں ہوں میرے شاہ! میں کیا کیا کہوں تجھے

(۳۹)

اِنْجِیْلُ عِیْسٰی قَدْ اَتٰی بِکَ مُخْبِرًا	وَلَنَا الْکِتَابُ اَتٰی بِمَدْحٍ حِلَاکَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل آپ کی بشارت دیتے ہوئے آئی اور ہماری کتاب (قرآن مقدس) نے بھی آپ کے حسن و جمال اور اوصاف و کمالات کو بیان کیا۔

حلِّ لغات:

- مُخْبِرًا: اسمِ فاعل از بابِ افعال۔ یہ حال واقع ہے، خبر دیتے ہوئے۔

- اَلْکِتَاب: اس سے مراد قرآنِ مقدس ہے۔ جمع: کُتُب۔
- حِلا واحد حِلْیَۃ زیور، یہاں حسن وجمال مراد ہے؛ کیوں کہ انسان سے جو رنگ اور ہیئت دکھائی دیتی ہے اسے "حلیۃ الانسان" کہتے ہیں۔

تشریح:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے عالمِ ارواح میں تمام انبیاے کرام ومرسلینِ عظام علیہم الصلاۃ والسلام کی روحوں کو جمع فرما کر ان سے عہد و پیمان لیا تھا کہ

جب میں تمھیں کتاب وحکمت سے نوازدوں اور پھر تمھارے پاس تمھاری کتاب کی تصدیق کرنے والا پیغمبر آجائے تو اس پر ایمان لاکر ضرور ضرور اس کی حمایت کرنا۔[۱]

اسی لیے ہر نبی وپیغمبر علیہ السلام نے اپنے اپنے زمانے میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی نبوت ورسالت کا چرچہ کیا اور اپنی امت کو بشارت دی کہ ایک نبی پیدا ہوں گے جو "سرورِ کائنات" ہوں گے۔

آسمانی کتابوں میں آپ کے متعلق بے شمار بشارتیں مذکور ہیں۔ ان کتابوں میں ان کے ماننے والوں نے، اپنی طبیعت کے مطابق بہت کچھ تبدیلیاں کی ہیں؛ لیکن اب بھی ان میں ایسی عبارتیں موجود ہیں، جن کے ذریعے حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات کی جانب واضح اشارہ کیا گیا ہے۔

چوں کہ اس شعر میں انجیل شریف کی بشارت کا ذکر ہے، اس لیے صرف اسی کتابِ مقدس کی بشارت کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

---

[۱] سورۃ آل عمران، رقم الآیۃ :۸۱

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت:

انجیل متی کے تیسرے باب میں ہے:

''ان دنوں میں یوحنا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو؛ کیوں کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا ذکر یحییٰ نبی کی معرفت یوں ہوا: بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو، اس کے راستے سیدھے کرو''۔

انجیل متی کے چوتھے باب میں ہے:

''جب اس نے سنا کہ یوحنا پکڑوا دیا گیا تو گلیل کو روانہ ہوا اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرنحوم میں جا بسا۔ اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا رہا اور بادشاہی کی منادی کرتا رہا اور لوگوں کی ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کرتا رہا۔''

چھٹے باب میں نماز و دعا کی تعلیم کے ضمن میں التجا کی:

خدا کرے تیری بادشاہی آئے!

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو اسرائیلی شہروں میں وعظ و تبلیغ کے لیے بھیجا تو انھیں یہ وصیّت کی:

''اسرائیلی کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔''

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں اور شاگردوں نے آسمانی بادشاہی کی بشارت دی، عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کی بشارت کے الفاظ ایک جیسے ہیں۔ آسمانی بادشاہی کا ظہور نہ تو یحییٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوا اور نہ عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں۔ حواریوں اور شاگردوں کے دور میں بھی یہ آسمانی بادشاہی ظاہر نہ ہوئی؛ بلکہ وہ سب اس بادشاہی کے ظاہر ہونے کی خوش خبری اور بشارت دیتے رہے اور مُبَشَّرٌ بِہٖ نبی (جس نبی کی بشارت دی گئی) کے منتظر اور امیدوار رہے۔

لہٰذا اس بادشاہی سے مراد وہی سلطنت ہے، جس کی خبر حضرتِ دانیال علیہ السلام نے اپنی کتاب میں دی۔ لہٰذا اس بشارت کے مصداق صرف اور صرف رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ہی ہیں اور یہ پیش گوئی صرف نبوتِ محمدی پر صادق آتی ہے۔[۱]

سراپائے دل نواز کا ذکر قرآنِ کریم میں:

حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس شعر کے دوسرے مصرع میں اپنے ممدوح ومحبوب حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا ہے:

اللہ ربُّ العزت کے کلامِ ازلی نے ہمارے لیے، حضور سرورِ خوباں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اوصاف وکمالات بیان فرمائے ہیں۔

اس لیے قرآنی آیات کی روشنی میں حضور محبوبِ رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے سراپائے اقدس کا ذکر پیشِ قارئین ہے۔

---

[۱] حجۃ اللہ علی العالمین، للامام یوسف بن اسماعیل النبہانی، ج:۱،ص ۱۹۶/ ۱۹۷۔ ملخصاً

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے آپ کے جسمِ انور کے مقدس اعضا کا ذکر قرآنِ کریم میں فرمایا ہے۔

آپ کے چہرۂ اقدس کے بارے میں فرمایا:

- قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ۔ [۱]

ترجمہ: بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔

آپ کی چشمہائے مبارک (بابرکت آنکھوں) کے بارے میں فرمایا:

- وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ۔ [۲]

ترجمہ: آپ اس متاعِ (دنیاوی) کی طرف رشک سے نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے کئی گروہوں کو دیا ہے۔

- مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ [۳]

ترجمہ: (میرے محبوب نے میرا دیدار اس شان سے کیا کہ) نہ (اس کی) نگاہ جھپکی نہ حد سے بڑھی۔

زبانِ اقدس کے بارے میں فرمایا:

- فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ۔ [۴]

ترجمہ: ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا۔

- لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۔ [۵]

ترجمہ: (اے حبیب!) آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔

---

[۱] سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ: ۱۴۴ [۲] سورۃ الحجر، رقم الآیۃ: ۸۸ [۳] سورۃ النجم، رقم الآیۃ: ۱۷

[۴] سورۃ مریم، رقم الآیۃ: ۹۷ [۵] سورۃ القیامۃ، رقم الآیۃ: ۱۶

دستِ مبارک اور گردنِ اقدس کے بارے میں فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ [۱]

ترجمہ: اور اپنا ہاتھ اپنی گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو بالکل کھولو۔

(بلکہ خرچ میں میانہ روی اختیار کرو)

سینۂ اقدس کا ذکر یوں فرمایا:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ [۲]

ترجمہ: (اے رسولِ مکرم) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا۔

پشتِ اقدس کا تذکرہ اس طرح کیا:

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ۔ [۳]

ترجمہ: اور آپ سے پُر مشقت چیزوں کا بوجھ اتار دیا۔ جس نے آپ کی پشت کو گراں بار (بوجھل) کر دیا تھا۔

قلبِ انور کے بارے میں فرمایا:

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ [۴]

ترجمہ: پس بے شک اُسی جبریل نے اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر اسے (قرآن کو) نازل کیا۔

خلقِ عظیم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

---

[۱] سورۂ بنی اسرائیل، رقم الآیۃ: ۲۹
[۲] سورۃ الانشراح، رقم الآیۃ: ۱
[۳] سورۃ الانشراح۔ رقم الآیۃ: ۲ / ۳
[۴] سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ: ۹۷

❁ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ۔[۱]

ترجمہ: بے شک آپ ضرور عظیم اخلاق پر فائز ہیں۔

اپنے محبوب کے رخِ تاباں (چمکتے چہرے) کی قسم یاد فرمائی تو یوں کہا:

❁ وَالضُّحٰى ۝ ۔[۲]

ترجمہ: قسم ہے چاشت (کی طرح چمکتے ہوئے چہرۂ زیبا) کی۔

محبوب کی سیاہ زلفوں کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

❁ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ ۔[۳]

ترجمہ: حبیب مکرم! قسم ہے سیاہ رات کی (طرح آپ کی زلفِ عنبریں کی)۔

دہنِ اقدس کا تذکرہ یوں فرمایا:

❁ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ [۴]

ترجمہ: اور وہ اپنی (یعنی نفس کی) خواہش سے بات ہی نہیں کرتے، وہ تو وہی فرماتے ہیں جو اللہ کی جانب سے ان پر وحی ہوتی ہے۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے مبارک زمانے کی قسم یاد فرماتے ہوئے فرمایا:

❁ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ ۔[۵]

ترجمہ: اے محبوب! قسم ہے آپ کے زمانے کی! یقیناً انسان ضرور خسارے میں ہے۔

خاکِ گزر کی قسم یوں یاد فرمائی:

---

[۱] سورۃ قلم، رقم الآیۃ: ۴ [۲] سورۃ الضحیٰ، رقم الآیۃ: ۱ [۳] سورۃ الضحیٰ، رقم الآیۃ: ۲

[۴] سورۃ النجم، رقم الآیۃ: ۳ / ۴ [۵] سورۃ العصر، رقم الآیۃ: ۱ / ۲

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ ۔[۱]

ترجمہ: مجھے اس شہرِ مکہ کی قسم! اس لیے کہ اے محبوب! تم اس میں تشریف فرما ہو۔

آپ کے ارشادِ گرامی کی قسم یاد فرمائی تو کہا:

وَ قِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ [۲]

ترجمہ: مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے میرے رب! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

اس کے علاوہ قرآنِ کریم میں اپنے محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کو کہیں ''مُزَّمِّلُ'' کہا، کہیں ''مُدَّثِّر''۔ کہیں ''طٰهٰ'' کہا، کہیں ''يٰس''۔ کہیں ''بَشِیْر و نَذِیْر'' فرمایا، کہیں ''شَاهِد و مُبَشِّر''۔ کہیں ''رَؤُوْف و رَحِیْم'' سے خطاب کیا، کہیں ''سراجِ منیر'' سے۔ کہیں ''رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِیْن'' کے معزز لقب سے یاد کیا، کہیں ''خَاتَمُ النَّبِيِّيْن'' کے مبارک وصف سے۔ غرض یہ کہ اللہ عزوجل نے اپنے کلامِ ازلی میں اپنے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی وہ عظمتیں بیان فرمائی ہیں کہ کوئی بھی ان کی گردِ راہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

امامِ اہلِ سنت مجدد دین وملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انھی قرآنی آیات کی ترجمانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحیٰ، ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا، کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم
وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا، نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا! تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

---

[۱] سورۃ البلد، رقم الآیۃ: ۱/۲ [۲] سورۃ الزخرف، رقم الآیۃ: ۸۸

اپنے مشہور زمانہ سلام مصطفیٰ جانِ رحمت میں فرماتے ہیں:

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم — اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

ان کے قد کی سہولت پہ بے حد درود — ان کے قد کی رشاقت پہ لاکھوں سلام

لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق — مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

(۴۰)

مَاذَا يَقُوْلُ الْمَادِحُوْنَ وَمَا عَسٰى	اَنْ يَّجْمَعَ الْكُتَّابُ مِنْ مَعْنَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! ثنا خوانی کرنے والے آپ کی مدح میں بھلا کیا کہیں؟ اور لکھنے والے آپ کے اوصاف وکمالات کس طرح جمع کریں؟ (آپ کی کما حقہ مدح ہو سکتی ہے نہ آپ کے اوصاف وکمالات جمع کیے جا سکتے ہیں)

حلِّ لغات:

- مَادِحُوْن: واحد مَادِح، اسمِ فاعل از بابِ فتح بمعنیٰ تعریف کرنا۔
- عسٰی: افعالِ مقاربہ میں سے فعلِ جامد ہے، محبوب و پسندیدہ شے میں امید کے لیے اور مکروہ وناپسندیدہ چیز میں خوف کے لیے مستعمل ہے۔
- کُتَّاب: واحد کَاتِب، لکھنے والے، تحریر کرنے والے۔
- مَعْنٰی: مطلب، مفہوم، باطنی خوبی، جمع: مَعَانِي۔ یہاں کمالاتِ باطنی مراد ہیں۔

تشریح:

ابھی ماقبل میں گزرا کہ ثنا خوانی کرنے والے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے خصائص وکمالات کما حقہ بیان کرنے سے عاجز ہیں؛ کیوں کہ حضور کے فضائل ومعجزات اور اوصاف وکمالات بے انتہا ہیں۔

حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے لامحدود کمالات:

اگر ساری کائنات کے لکھنے والے مل کر حضور سیدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کے کمالات لکھنا چاہیں تو لکھتے لکھتے ان کی روشنائی ختم ہو جائے گی اور قلم ٹوٹ جائیں گے تب بھی امید نہیں کہ وہ حضور کے مناقب جلیلہ اور فضائل حمیدہ لکھ سکیں گے۔

باری تبارک وتعالیٰ کے قول: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۝۔[۱]
(ترجمہ: آپ کہیے! اگر میرے رب کے کلمات کو لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ضرور سمندر ختم ہو جائے گا، خواہ ہم اس کی مدد کے لیے اتنا ہی سمندر اور لے آئیں) کی تفسیر کرتے ہوئے محقق علی الاطلاق حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''اہلِ تحقیق کے نزدیک ''کلمات'' سے مراد وہ فضائل وکمالات اور حقائق و معارف ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاے کرام علیہم السلام بالخصوص سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کے ساتھ خاص فرمائے ہیں، ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس قسم کی تمثیل سے منزہ ہے۔ اس کا تو کوئی ثانی ہی نہیں۔'' [۲]

اس عبارت کا صاف اور واضح مطلب یہی ہوا کہ اگر رب تبارک وتعالیٰ کے کلمات یعنی کمالاتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو یقیناً سمندر خشک ہو جائے گا، لیکن وہ کلمات ختم نہیں ہوں گے خواہ اس کی مدد کے لیے اس جیسے اور سمندر لے آئیں۔

---

[۱] سورۃ الکہف، رقم الآیۃ: ۱۰۹

[۲] مدارج النبوۃ، للامام الشیخ عبدالحق بن سیف الدین المحدث الدہلوی، ج:۱، ص:۱۱۹

علما و مشائخ فرماتے ہیں:

''رب تبارک وتعالیٰ نے **شب معراج رسول اللہ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے **تین طرح کا کلام فرمایا تھا۔ ایک قسم کلام کی وہ ہے جو عربی لغت کے مطابق ہے** اور جس کا ظاہری معنیٰ مخلوق سمجھ سکتی ہے۔ دوسرا کلام اشارے میں فرمایا گیا تھا جس طرح قرآنِ مقدس کے حروفِ مقطعات ہیں کہ جن کو سمجھنے یا جن کی حقیقت تک پہنچنے کی طاقت کوئی نہیں رکھتا۔ تیسری قسم کا کلامِ پاک وہ ہے جو اِبہام میں فرمایا گیا تھا۔ یہ کلام کسی کے وہم وخیال میں بھی نہیں آسکتا۔''[1]

تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے کچھ کمالات وہ ہوئے جن کو ہم اور آپ پڑھتے اور بیان کرتے ہیں اور کچھ کمالات وہ ہیں **جن کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکتی اور کچھ کمالات وہ ہیں جو وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے۔**

اسی لیے حضرتِ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ کے باطنی کمالات بے حد اور بے انتہا ہیں۔ نہ بیان کرنے والے انھیں بیان کر سکتے ہیں اور نہ لکھنے والے انھیں حیطۂ تحریر میں لاسکتے ہیں۔

(۴۱و۴۲)

وَاللّٰہِ لَوْ اَنَّ الْبِحَارَ مِدَادُھُمْ	وَالشُّعْبُ اَقْلَامٌ جُعِلْنَ لِذَاکَا
لَمْ یَقْدِرِ الثَّقَلَانِ تَجْمَعُ نَزْرَہٗ	اَبَدًا وَمَا اسْطَاعُوْا لَہٗ اِدْرَاکَا

ترجمہ: بخدا! اگر سارے سمندر لوگوں کے لیے روشنائی بن جائیں اور اس (حمد وثنا) کے لیے درخت کی شاخیں قلم بنا دی جائیں۔ تب بھی تمام جن وانس مل کر حضور

[1] المصدر السابق، ج:۱، ص:۱۱۱

اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی کما حقہ تھوڑی سی حمد وثنا نہیں لکھ سکیں گے اور نہ ہی اس کا ادراک کرسکیں گے۔

حلِّ لغات:

- بِحَار :واحد بَحْرٌ، سمندر۔
- مِدَاد: روشنائی، چراغ میں جو تیل ڈالا جائے اسے بھی مِداد کہتے ہیں، جمع :اَمِدَّۃ۔
- شُعَبٌ :واحد شُعْبَۃ فرقہ، کسی چیز کا گروہ، شاخ، یہاں یہی معنی مراد ہے۔
- یَقْدِرُ :فعلِ مضارع معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ ضرب، قادر ہونا۔
- ثَقَلَانِ: ثقل کی تثنیہ ہے، بوجھ۔ یہاں جن وانس مراد ہیں۔ قرآن میں ہے "سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَانِ" (سورۃ الرحمٰن)۔
- نَزْر: بہت کم۔
- اِسْطَاعُوْا :فعلِ ماضی معروف، صیغۂ جمع مذکر غائب از بابِ استفعال۔ یہ دراصل اِسْتَطَاعُوْا تھا۔ "تا" کو حذف کردیا اسطاعوا ہوگیا۔
- اِدْرَاك: جاننا، کسی شے کی حقیقت تک پہنچنا، مصدر از بابِ افعال۔

تشریح:

ان دونوں اشعار کا مطلب بھی وہی ہے جو ابھی بیان کیا گیا کہ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اس قدر فضائل وکمالات، حقائق و معارف اور برکات ومعجزات سے نوزا ہے، جنھیں جن وانس مل کر بھی بیان نہیں کرسکتے

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ - [۱]

ترجمہ: بلا شبہ ہم نے آپ کو بے حساب خوبیاں عطا کیں۔

اگر تمام دنیا کے عالم و عارف مل کر اس کلمۂ کوثر کی تشریح کریں تو اس کا حق ادا کرنے سے قاصر رہ جائیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب منزہ عن العیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اس قدر بلندی عطا فرمائی ہے کہ قُربِ حق میں کسی مخلوق کے لیے اس سے زیادہ بلندی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

بدمذہبوں کا اعتراض:

بدمذہب، اہل سنت پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تم بریلویوں کی یہ بہت بُری عادت ہے کہ نبیِّ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کی تعریف کرتے کرتے انھیں خدا عزوجل کے برابر پہنچا دیتے ہو۔ ہمارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام تو ہم جیسے بشر تھے۔ بس یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے انھیں ہم پر فضیلت دی ہے۔ لہٰذا وہ بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے۔ تعریف کرنے میں اتنا مبالغہ نہ ہو کہ شرک ہو جائے۔ یہ دیکھیے! ہمارے شہید اعظم شاہ اسماعیل دہلوی فرماتے ہیں:

"تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جو بہت بزرگ ہو وہ بڑا بھائی، اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرو۔ سب کا مالک اللہ ہے، عبادت اسی کی کرنی چاہیے۔ معلوم ہوا کہ جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، خواہ انبیا ہوں یا اولیا ہوں، وہ سب کے سب اللہ کے بے بس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں؛ مگر حق تعالیٰ نے انھیں بڑائی بخشی، تو

[۱] سورۃ الکوثر، رقم الآیۃ:۱

ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے۔ ہمیں ان کی فرماں برداری کا حکم ہے؛ کیوں کہ ہم چھوٹے ہیں۔ لہٰذا ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرو۔"[۱]

اس کا جواب:

ہم اہلِ سنت و جماعت اپنے آقا و مولا حضور محمدِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کے جو بھی اوصاف و کمالات مانتے ہیں انھیں محدود جانتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے **حضورِ اقدس** علیہ الصلاۃ والسلام **کو علمِ کثیر سے نوازا ہے** اور اُن کا علم بہت عظیم ہے۔ تمام مخلوق کا علم حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے علم کے سامنے ایک قطرہ اور اُن کا علم تمام مخلوق کے مقابلے میں سمندر ہے۔

لیکن حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے علوم و کمالات کو اللہ رب العزت کے علوم و کمالات سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کو سمندر سے ہے؛ کیوں کہ قطرہ کی نسبت سمندر کی جانب متناہی (لمیٹڈ) کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور حضور کے علوم و کمالات کی نسبت اللہ رب العزت کے علوم و کمالات کی طرف متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔ اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ متناہی کبھی بھی غیر متناہی کے مساوی (برابر) نہیں ہوسکتا۔

ہم حضور سیدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کو ہر گز ہر گز خدا عزوجل کا مساوی قرار نہیں دیتے؛ بلکہ انھیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا بندہ ہی مانتے ہیں؛ البتہ ان کے بارے میں **بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر** والا عقیدہ رکھتے ہیں۔

لیکن نالائق وہابی انھیں اپنا بڑا بھائی اور اپنے جیسا بشر کہہ کر دوزخ میں جانے کا

---

[۱] تقویۃ الایمان، از اسماعیل دہلوی، ص: ۷۷، مکتبہ دار الکتاب دیوبند

راستہ ہموار کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اپنے جیسا کہنا کلمۂ گستاخی اور کفار ومشرکین کی بولی ہے۔ ہر گز ہر گز کسی عاشقِ رسول اور غلامِ نبی کا لہجہ نہیں۔ کفار ومشرکین انبیاے کرام ومرسلین عظام علیہم الصلاۃ والسلام کے بلند مراتب کو پست کرنے (گھٹانے) کے لیے انھیں اپنے جیسا بشر کہتے تھے۔ قرآنِ عظیم نے ان کی بڑی مذمت کی ہے۔

کفار ومشرکین کا شیوہ:

قرآنِ مقدس کا صحیح مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے کہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو ان کے زمانے کے کفار ومشرکین اپنے جیسا بشر کہا کرتے تھے۔ وہ اس چیز کو بطورِ استدلال پیش کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایسے شخص کو بھلا کیسے نبی مان لیں جو ہماری طرح کھاتے، پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، شادی بیاہ کرتے اور بچے پیدا کرتے ہیں؟۔

چناں چہ حضرت نوح علیہ السلام کی کافر قوم نے کہا :

ہم تو آپ کو اپنے جیسا بشر سمجھ رہے ہیں۔ قرآنِ مقدس نے اس کی حکایت یوں کی ہے :

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ۔ [۱]

ترجمہ: پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ہم تم کو اپنے جیسا ہی بشر سمجھتے ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا تبادلۂ خیال قرآنِ حکیم نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ

---

[۱] سورۃ ھود، رقم الآیۃ: ۲۷

هُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۔[۱]

ترجمہ: اور رسول کی قوم کے وہ کافر سردار جنھوں نے آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی اور جن کو ہم نے دنیا کی فراوانی عطا فرمائی تھی وہ کہنے لگے: یہ رسول صرف تمھارے مثل بشر ہے، یہ ان ہی چیزوں میں سے کھاتا ہے جن سے تم کھاتے ہو اور ان ہی چیزوں سے پیتا ہے جن سے تم پیتے ہو۔

یہی بات حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہی کہ

وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۔[۲]

ترجمہ: اور تم صرف ہمارے مثل بشر ہو اور بے شک ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں۔

قومِ ثمود نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں تبصرہ کیا:

اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۔[۳]

ترجمہ: کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک بشر کی پے روی کریں، بے شک پھر تو ہم ضرور گم راہی اور دیوانگی میں ہوں گے۔

غرض یہ کہ کافر قوموں نے جب انبیاے کرام علیہم السلام کی تکذیب کی، تو انھوں نے یہی کہا کہ ایک بشر ہمیں کیسے ہدایت دے گا، ہم ایک بشر کی پے روی کیسے کریں؟ ان کے معمولاتِ زندگی تو ہمارے جیسے ہیں۔

---

[۱] سورۃ المومنون، رقم الآیۃ: ۳۳ [۲] سورۃ الشعراء، رقم الآیۃ: ۱۸۶ [۳] سورۃ القمر، رقم الآیۃ: ۲۴

قارئینِ کرام! آپ فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہ جملے بالکل ویسے نہیں جو یہ بد مذہب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم کی شانِ اقدس میں کہتے ہیں؟ کیا اِن کی دلیل وہی نہیں جو اُن کافروں کی تھی؟ اُن نادان کافروں کی طرح اِن بے وقوف وہابیوں کی نگاہیں بھی ظاہر پر ٹکی ہیں، کہ یہ تو ہماری طرح رہتے، کھاتے، پیتے اور اسبابِ معیشت اختیار کرتے ہیں، ہماری طرح اعضائے جسم رکھتے ہیں؛ لہٰذا ہماری طرح بشر کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن قرآنی آیات اعلان کر رہی ہیں کہ نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہنا صرف گستاخی نہیں؛ بلکہ کلمۂ کفر ہے۔ ایسے لوگ لاکھ جلسے کریں، ہزاروں مدرسے کھولیں، تبلیغِ دین کے لیے کروڑوں روپے خرچ کریں اور اصلاحِ معاشرہ پر سیکڑوں کتابیں لکھ ڈالیں، سب بے کار اور بے سود ہے۔

یہ احمق اگر اپنی خیر چاہیں تو بشر بشر کی رٹ لگانا چھوڑ دیں اور امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دامن تھام کر یوں پکاریں!

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ — ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں — ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

علمائے دیوبند کا نظریہ:

دیوبندیوں کے شیخ الکل مولوی خلیل احمد کہتے ہیں:

”کوئی ادنیٰ مسلمان بھی فخرِ عالم علیہ الصلاۃ والسلام کے تقرب وشرفِ کمالات میں کسی کو مماثل (ہم پلہ) آپ کا نہیں جانتا؛ البتہ نفسِ بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں، کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے ”قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ اور بعد اس کے

" یُوْحٰی اِلَیَّ" کی قید سے وہی شرفِ تقرّب، بعدِ اثباتِ مماثلتِ بشریت فرمایا۔ پس اگر کسی نے بوجہ بنی آدم ہونے کے آپ کو "بھائی" کہا تو کیا خلاف نص کے کہہ دیا؟ وہ تو خود نص کے موافق (مطابق) ہی کہتا ہے"۔

نیز لکھتے ہیں:

"لا ریب (بلاشبہ) اُخُوّت (حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ہمارا بھائی ہونا) نفسِ بشریت (صرف بشر ہونے) میں اور اولادِ آدم (حضرتِ آدم علیہ السلام کی اولاد) ہونے میں ہے اور اس میں مساوات (برابری) بنصّ قرآن (قرآنِ کریم کی آیت سے) ثابت ہے اور کمالاتِ تقرّب (حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اوصاف و کمالات جو کہ قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں، اُن) میں نہ تو کوئی کہے اور نہ ہی کوئی مثل جانے۔"[۱]

اِس گستاخانہ نظریے کا رد:

مولوی خلیل احمد کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ نفسِ بشریت میں تمام انسان حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے برابر ہیں۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی کھلی توہین ہے۔ انبیاے کرام علیہم السلام میں عام انسانوں کی بنسبت ایک وصف زائد ہوتا ہے۔ وہ وصف "وصفِ نبوت" ہے۔ یہ نفوسِ قدسیہ حاملینِ وحی ہوتے ہیں، فرشتوں کا دیدار کرتے اور ان کا کلام سنتے ہیں۔ **اس لیے نبیِ اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی بشریت اور عام انسانوں کی بشریت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔** لہٰذا نفسِ بشریت میں بھی انھیں کسی کے برابر قرار دینا درست نہیں ہے۔

---

[۱] براہین قاطعہ، از خلیل احمد انبیٹھوی، ص: ۳، مطبوعہ بلالی ڈھوک ہند

دیوبندیوں کا جواب اور اس کا رد:

اگر مولوی خلیل احمد کا کوئی حمایتی یہ کہے:

حضرت کے کلام کے معنی یہ ہیں کہ نبوت ورسالت سے قطع نظر نفسِ بشریت میں مساوات ہے۔ لہذا انھیں اپنا جیسا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

تو ہم جواب میں اُس حمایتی سے عرض کریں گے:

بالکل اسی طرح ''قوتِ ناطقہ'' (چیزوں کو سمجھنے اور مافی الضمیر کو ادا کرنے والی قوت) سے قطعِ نظر کرتے ہوئے حضرتِ انسان ''گھوڑوں، گدھوں، کتوں اور خنزیروں'' کے مماثل ہیں۔ تو کیا آپ ہمیں اجازت دیں گے کہ ہم **آپ کے امام و مقتدیٰ ''جناب انبیٹھوی صاحب'' اور ''کتے، خنزیر وغیرہ'' کے درمیان مماثلت ثابت کرتے ہوئے یہ کہیں؟:**

آپ کے خلیل صاحب کتے یا خنزیر جیسے ہیں۔

ہمیں یقین کامل ہے کہ آپ اسے اپنے حضرت کی توہین سمجھیں گے اور ہمیں ہرگز ایسا کہنے کی اجازت نہیں دیں گے، کیوں کہ انسان کو جانور جیسا کہنا اس کی توہین ہے۔ بالکل اسی طرح نفسِ بشریت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو تمام انسانوں کے مساوی کہنا حضور کی توہین ہے اور ایسا کہنے والے کا ایمان سلامت نہیں رہ سکتا۔ معاذ اللہ من ھذا القول الخبیث۔

(۴۳و۴۴و۴۵)

بِكَ لِيْ قُلَيْبٌ مُغْرَمٌ يَا سَيِّدِيْ		وَحُشَاشَةٌ مَحْشُوَّةٌ بِهَوَا كَا
فَإِذَا سَكَتُّ فَفِيْكَ صَمْتِيْ كُلُّهُ		وَإِذَا نَطَقْتُ فَمَادِحًا عُلْيَا كَا
وَإِذَا سَمِعْتُ فَعَنْكَ قَوْلًا طَيِّبًا		وَإِذَا نَظَرْتُ فَمَا أَرٰى إِلَّا كَا

ترجمہ: اے میرے آقا علیک الصلاۃ والسلام! میرا یہ معمولی سا دل آپ ہی کا شیدائی ہے اور میری روح صرف آپ کی محبت سے لبریز ہے۔

جب میں خاموش ہوتا ہوں تو میری ساری خاموشی آپ ہی کی محبت میں ہوتی ہے اور جب بولتا ہوں تو آپ ہی کی رفعتِ شان بیان کرتا ہوں۔

اور جب سنتا ہوں تو آپ ہی کی پاکیزہ باتیں سنتا ہوں اور جب دیکھتا ہوں تو سوائے آپ کے مجھے کوئی اور نظر نہیں آتا۔

حلِّ لغات:

- قُلَیْب: قلب کی تصغیر، چھوٹا اور معمولی سا دل۔
- مُغْرَم: اسمِ مفعول از بابِ افعال۔ کہا جاتا ہے: اُغْرِمَ بِالشَّیْءِ یعنی وہ اس شے کا بہت زیادہ خواہش مند ہوا۔ چوں کہ سچی محبت کرنے والا بھی اپنے محبوب کا بہت زیادہ خواہش مند ہوتا ہے، اس لیے "مغرم" سے مراد "سچا عاشق" ہے۔
- حُشَاشَة: مریض یا زخمی کی مابقیہ روح کو کہتے ہیں۔
- مَحْشُوَّة: اسم مفعول از حَشَا یَحْشُوْ حَشْوًا، بابِ نصر، بھرنا۔
- سَكَتُّ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد متکلم از بابِ نصر، خاموش ہونا۔
- نَطَقْتُ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد متکلم از بابِ ضرب۔ بولنا، واضح طور پر بیان کرنا۔

تشریح:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محاسن و کمالات، اخلاق و

عادات، نمایاں خصوصیات اور علم وفضل کے کوہِ گراں ہونے کے ساتھ عشقِ رسول، زہد وتقویٰ اور عملِ صالح کا مثالی پیکر اور فنا فی الرسول تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اِطاعتِ رسول اور اِشاعتِ سنت میں گزرتا تھا۔

حضرتِ موصوف نے اِن اشعار میں اپنے آقا ومولا حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے اپنی والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار یوں فرمایا ہے:

یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ کا یہ ادنیٰ غلام آپ کی محبت میں سراپا ڈوبا ہوا ہے، اس کی روح آپ کی الفت سے سرشار ہے، خاموش رہتا ہے تو آپ ہی کے تصور میں، زبان کھولتا ہے تو آپ ہی کی ثنا خوانی میں، اِس کے کان سنتے ہیں تو آپ ہی کے اقوالِ زریں کو، اس کی نگاہیں دیکھتی ہیں تو آپ ہی کے جمالِ جہاں آرا کو۔

حضرتِ امامِ اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا تقویٰ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سچے عاشقِ رسول تھے، اسی لیے آپ شریعتِ اسلامی کی تمام نزاکتوں کا بھرپور خیال اور جملہ معاملات میں اپنے محبوب حضور سیدِ عالم علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع کا مکمل لحاظ رکھتے تھے۔ خداترسی اور زہد وتقویٰ کا عالم یہ تھا کہ زندگی میں کبھی بھی حقوق اللہ سے غافل ہوئے نہ حقوق العباد سے؛ بلکہ بالکل معمولی سی سمجھی جانے والے چیزوں میں بھی آپ انتہائی نشاط کے ساتھ حقوق ادا فرماتے۔ ذیل میں آپ کے تقویٰ کے متعلق چند واقعات پیش کیے جارہے ہیں۔

حضرتِ مسعر بن کدام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ایک بار مَیں حضرتِ امامِ اعظم علیہ الرحمہ کے ساتھ کہیں جارہا تھا، کہ بے خیالی

میں آپ کا مبارک قدم ایک لڑکے کے پیر پر پڑ گیا، جس کے سبب لڑکے کی چیخ نکل گئی اور بے ساختہ اس کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا: یَا شَیْخُ اَلَا تَخَافُ الْقِصَاصَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ! اے شیخ! کیا آپ قیامت کے دن، لیے جانے والے انتقامِ خداوندی سے نہیں ڈرتے! یہ سن کر حضرتِ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور آپ غش کھا کر زمین پر تشریف لے آئے۔

حضرت مسعر علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ کچھ دیر کے بعد جب آپ کو ہوش آیا تو میں نے عرض کی: حضور! ایک لڑکے کی بات سے آپ اس قدر کیوں گھبرا گئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کیا معلوم کہ اس کی آواز غیبی ہدایت ہو۔“[۱]

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

”حضرتِ امام اعظم علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ اپنے ایک غیر مسلم مقروض کے یہاں اپنا قرضہ وصول کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اتفاق سے اُس مکان کے قریب آپ کی جوتی میں کیچڑ لگ گئی۔ کیچڑ چھڑانے کے لیے جوتی کو جھاڑا تو کچھ کیچڑ اس مقروض کی دیوار سے لگ گئی۔ یہ دیکھ کر آپ پریشان ہو گئے کہ اب کیا کروں؟ دیوار سے اگر کیچڑ صاف کرتا ہوں تو اُس کی مٹی بھی اُکھڑے گی اور اگر نہیں کرتا ہوں تو دیوار خراب ہو جائے گی۔ اِسی حال میں آپ نے دروازے پر دستک دی۔ اُس شخص نے باہر نکل کر جب حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کو دیکھا تو قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ نے قرض کا مطالبہ کرنے کے بجائے دیوار پر لگ جانے والی کیچڑ کا ذکر کر کے، اس سے انتہائی عاجزی کے ساتھ معافی مانگتے ہوئے کہا:

---

[۱] مناقب الامام الاعظم، للعلامہ الموفق بن احمد بن محمد المکی الخوارزمی، ج: ۲، ص: ۱۴۸

آپ یہ بتائیے کہ میں آپ کی دیوار کیسے صاف کروں؟

وہ غیر مسلم حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا خوف خدا اور حقوق العباد کے سلسلے میں آپ کی بے قراری دیکھ کر بے حد متأثر ہوا اور اس طرح گویا ہوا:

اے مسلمانوں کے امام! میری دیوار کی کیچڑ بعد میں صاف کریے گا، پہلے میرے دل کی کیچڑ صاف کر کے مجھے مسلمان بنائیے!

چناں چہ وہ غیر مسلم حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا تقویٰ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ [۱]

منقول ہے کہ ایک بار کوفہ میں کچھ بکریاں چوری ہو گئیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ بکری زیادہ سے زیادہ کتنے سالوں تک زندہ رہتی ہے۔ لوگوں نے بتایا سات سالوں تک۔ تو انھوں نے سات سالوں تک بکری کا گوشت نہیں کھایا (کہ کہیں چوری کی بکری کا گوشت آپ کے پیٹ میں نہ چلا جائے)۔ انھی دنوں انھوں نے ایک سپاہی کو دیکھا کہ اس نے بکری کا گوشت کھا کر اس کا بقیہ حصہ کوفہ کی نہر میں پھینک دیا ہے، تو آپ نے مچھلی کی طبعی عمر کے بارے معلومات حاصل کیں اور پھر اتنے سالوں تک مچھلی کا گوشت کھانے سے پرہیز کیا۔ [۳]

غرض یہ ہے ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تقویٰ و طہارت، عبادت و ریاضت اور خوف و خشیت میں اپنے زمانے میں بے مثال تھے۔ جلیل القدر مشائخ نے

---

[۱] مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر، للامام ابی عبد اللہ محمد فخر الدین الرازی، ج:۱، ص: ۲۰۴

[۲] مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر، للامام ابی عبد اللہ محمد فخر الدین الرازی، ج:۱، ص: ۲۰۴

[۳] الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان، للامام احمد بن حجر الہیتمی المکی، ص: ۶۰

حضرت کے تقویٰ کی گواہی دی ہے۔ چند علمائے ذوی الاحترام کے اقوال ملاحظہ ہوں!

عظیم محدث و امام حضرت سیدنا عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

میں نے حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے زیادہ متقی و پرہیزگار کسی کو نہ دیکھا۔[۱]

حضرت سیدنا امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمۃ کے استاذ، حضرت سیدنا امام مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے اہلِ کوفہ میں سے کئی علما کی صحبت اختیار کی، مگر ان میں سے کسی کو بھی حضرتِ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بڑھ کر متقی و پرہیزگار نہیں دیکھا۔[۲]

حضرتِ یزید بن ہارون علیہ الرحمہ کہتے ہیں:

میں نے ایک ہزار استاذوں سے علمِ دین حاصل کیا؛ مگر حضرت امامِ ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کو تقویٰ اور زبان کی حفاظت میں سب سے بڑھ کر پایا۔ (المصدر السابق)

خوف وخشیت، عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ سب عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ہی کا صدقہ تھا۔ حقیقی عشقِ رسول کے بغیر اِس طرح کی توفیقِ خیر میسر نہیں آسکتی۔ آج کے اس دورِ پرفتن میں عشقِ رسول کے دعوے دار تو بہت ہیں؛ لیکن ان کے اَفعال و اَطوار اور گفتار و کردار ہی ان کے دعوے کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو سچا عاشقِ رسول بنائے۔! آمین۔

---

[۱] المصدر السابق، ص:۵۸ [۲] المصدر السابق، ص:۵۸

(۴۶ ر ۴۷)

يَا مَالِكِي كُنْ شَافِعِي فِي فَاقَتِي		إِنِّي فَقِيْرٌ فِي الْوَرٰى لِغِنَا كَا
يَا أَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى		جُدْلِي بِجُودِكَ وَارْضِنِي بِرِضَا كَا

ترجمہ: اے میرے سردار علیک الصلاۃ والسلام! میری محتاجی کے وقت میری شفاعت فرمائیے گا؛ کیوں کہ مَیں مخلوق میں آپ کی غنا کا محتاج ہوں۔

اے جن وانس میں سب سے مکرّم! (سب سے کریم وسخی!) اے مخلوق خدا کے (سب سے قیمتی) خزانے! اپنی سخاوت سے مجھے عطا کیجیے اور اپنی خوش نودی سے مجھے شاد کام کیجیے۔

حلِّ لغات:

- كُنْ: فعلِ امر، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ نصر۔ ہو جائیے۔ یہاں صیغۂ امر بطورِ مجاز "عرض و دعا" کے معنی میں ہے۔ استعلا کے لیے نہیں ہو سکتا؛ کیوں کہ مخاطَب پیغمبرِ اعظم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔
- فَاقَة: محتاجی، ضرورت، حاجت، جمع: فاقات۔
- فَقِيْر: جمع: فُقَرَآء، محتاج۔
- غنٰی: بے نیازی، مالداری، تونگری۔
- كَنْز: جمع: كُنُوْز، خزانہ۔
- جُدْ: فعلِ امر، بمعنیٰ دعا، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ نصر، سخاوت کیجیے۔
- أَرْضِ: فعلِ امر، صیغۂ واحد مذکر حاضر از بابِ افعال۔ راضی کریے۔
- رِضٰی: رضامندی، خوشنودی۔

تشریح:

اللہ ربُّ العزت نے قرآنِ کریم کی پہلی سورت سورۃ فاتحہ میں اپنے بندوں کو مانگنے کا یہ طریقہ بتایا ہے، کہ جب کچھ عرض کرنا چاہو تو پہلے تعریف وتوصیف اور مدح و ستائش کرو! اس کے بعد گزارش ودرخواست پیش کرو اور اپنا مقصود بیان کرو!۔

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلے اپنے آقا ومولا حضور تاج دارِ عرب وعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کی عظمت ورفعت، جود وسخاوت، کرم وبخشش، حسن وجمال، عادات واخلاق اور معجزات وکمالات کو بیان فرمایا۔ اب بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام میں یہ عریضہ پیش کر رہے ہیں:

اے میرے آقا! بروزِ قیامت جب ساری خلقت آپ کی محتاج ہوگی اور آپ کے سوا کسی کو بارگاہِ ربِّ ذوالجلال میں کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوگی اس وقت آپ **میری شفاعت فرمائیے گا!** کیوں کہ مَیں مخلوق میں آپ کی رحمت کا محتاج ہوں۔

اے جن وانس کے سردار! آپ کی شان تو یہ ہے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا — نہیں ، سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا — تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا — اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستہ تیرا
فیض ہے یا شہِ تسنیم ! نرالا تیرا — آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

لہٰذا مجھے بھی اپنے دریائے جود وسخاوت سے چند قطرے عطا فرما دیجیے!

دریائے جود وسخاوت:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کی جود وسخاوت کا عالم یہ ہے کہ آپ

نے کبھی بھی کسی سائل (مانگنے والے) کے جواب میں "نہیں" نہیں فرمایا۔ اس سلسلے کی چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں!

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

مَا سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ عَنْ شَیْءٍ وَقَالَ: لَا۔ [۱]

ترجمہ: ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور حضور نے جواب میں "نہیں ہے یا نہیں دوں گا" فرمایا ہو۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ اَنَّ لِیْ مِثْلَ تِهَامَةَ ذَهَبًا لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْنِیْ كَذُوْبًا وَلَا بَخِيْلًا۔ [۲]

ترجمہ: اگر میرے پاس تہامہ (یہ مکۂ مکرمہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے) کے پہاڑوں کے برابر سونا ہوتا تو سارے سونے کو میں تمھارے درمیان تقسیم کر دیتا، پھر نہ تم مجھے جھوٹا پاتے اور نہ ہی بخیل۔

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[۱] الشفا بتعریفِ حقوق المصطفیٰ، للامام القاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، ج:۱، ص:۸۲

[۲] سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، للامام محمد بن یوسف الصالحی الشامی، ج:۷، ص:۵۳۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروف بالسیرۃ الحلبیۃ، للامام نور الدین علی بن برہان الدین الحلبی، ج:۳، ص:۷۷۴۔ ذخیرۃ الحفاظ، للامام ابی الفضل محمد بن طاہر المقدسی الشہیر بابن القیسرانی، ج:۴، ص:۱۹۹۶

أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ الْأَجْوَدِ الْأَجْوَدِ؟ اَللّٰهُ الْأَجْوَدُ الْأَجْوَدُ وَأَنَا أَجْوَدُ وُلْدِ آدَمَ.[۱]

کیا میں تمھیں یہ نہ بتادوں کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟

پھر خود ارشاد فرمایا:

اللہ تبارک وتعالیٰ سب سے زیادہ سخی ہے اور میں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ سخی ہوں۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيْثًا كَثِيْرًا أَنْسَاهُ. قَالَ: اُبْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُهُ فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: ضُمَّ. فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيْتُ شَيْئًا بَعْدُ.[۲]

ترجمہ: میں نے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں عرض کی: یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! میں آپ کی بے شمار حدیثیں سنتا ہوں؛ لیکن (ضعفِ حافظہ کے سبب) بھول جاتا ہوں۔ (حضور اکرم فرمادیں!)

حضور نے ارشاد فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ!

میں نے پھیلادی۔

حضور نے دونوں ہاتھوں سے لپ بنا کر کچھ ڈالا اور ارشاد فرمایا:

اس کو سینے سے لگالو! (یا اسے بدن پر لپیٹ لو!)

میں نے سینے سے لگالیا (میں اس میں لپٹ گیا تو اس کی برکت سے میرا حافظہ اتنا قوی ہوگیا کہ) **اس کے بعد میں کبھی کچھ نہیں بھولا۔**

---

[۱] الکنز الاکبر من الامر بالمعروف والنهي عن المنكر، للعلامة عبد الرحمٰن بن ابي بكر بن داود الحنبلي، ج:۱،ص:۹۶۔ الترغیب والترہیب، للامام ابی محمد عبد العظیم بن عبد القوی المنذری، ج:۱،ص:۶۸

[۲] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم، رقم الحدیث:۱۱۹

ان تمام روایتوں میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بے مثال سخاوت کے جلوے نظر آ رہے ہیں۔ اسی لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے آقا ومولا حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے جود وسخاوت کی بھیک مانگ رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے　　سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

مزید فرماتے ہیں:

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا　　موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام

اسی مفہوم کی ترجمانی کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کہا:

نرفت لا بزبانِ مبارکش ہرگز　　مگر بأشهدُ أن لَّآ إلٰهَ إلَّا الله

(۴۸و۴۹)

أنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ	لِأبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْأنَامِ سِوَاكَا
فَعَسَاكَ تَشْفَعُ فِيْهِ عِنْدَ حِسَابِهِ	فَلَقَدْ غَدَا مُتَمَسِّكًا بِعُرَاكَا

ترجمہ: یا رسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! میں آپ کے جود وکرم کا خواہش مند ہوں اور آپ کے سوا پوری خلقت میں ابوحنیفہ کا کوئی سہارا نہیں ہے۔

امید ہے کہ بوقتِ حساب آپ اس کی شفاعت فرمائیں گے؛ کیوں کہ اس نے آپ کا دامنِ کرم مضبوطی کے ساتھ تھام لیا ہے۔

حلِّ لغات:

- طَامِعٌ: اسم فاعل از بابِ سمع، طمع کرنا، لالچ کرنا۔

❁ اَنَام: مخلوق، اس میں دو لغتیں اور ہیں (۱) اُنَام (۲) أَنِیْم۔ مگر اَنِیْم کا استعمال صرف اشعار میں ہوتا ہے۔

❁ غَدَا: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ نصر، صبح کے وقت جانا، یہاں "صار" کے معنی میں ہے۔

❁ عُرٰی: عُرْوَۃ کی جمع ہے، رسی کا پھندا، قابلِ اعتماد چیز، یہاں حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کا دامن کرم مراد ہے؛ کیوں کہ اس سے زیادہ قابلِ اعتماد چیز کوئی اور نہیں۔

تشریح:

ان اشعار میں صاحبِ قصیدہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اپنے آقا و مولا حضور قاسم النعم (نعمتیں تقسیم کرنے والے) دافع البلایا والمحن (رنج وغم اور مصیبتیں دور کرنے والے) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں یوں فریاد کر رہے ہیں:

یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! چوں کہ خدائے پاک کی بارگاہ تک پہنچنے کا ذریعہ فقط آپ کی ذاتِ گرامی ہے، فلاحِ دارین آپ ہی کی اطاعت پر موقوف ہے۔ اور مخلوقِ خدا میں آپ کے سوا ابوحنیفہ کا کوئی (بھی حامی و مددگار) نہیں ہے؛ اس لیے اس نے آپ کا دامن کرم تھام لیا ہے۔ اس کی لاج رکھ لیجیے گا! اور جس وقت اِس کے اعمال کا حساب ہو، اس کی شفاعت فرما کر بخشش کا پروانہ عطا فرما دیجیے گا!

چوں کہ قصیدے کے شعر نمبر ۴۹ میں سیدی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "حساب" کا ذکر کیا ہے، اس لیے حساب و کتاب اور وزنِ اعمال کی شرعی حیثیت پر چند اہم باتیں عرض کی جا رہی ہیں۔

عقیدۂ حساب وکتاب:

عقیدۂ حساب حق ہے، یعنی قرانِ حکیم، احادیثِ کریمہ اور اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے۔ مومن، کافر، انسان اور جنّات سب کا حساب ہوگا، سوائے اُن کے جن کا اِستثنا کیا گیا ہے۔[۱]

حضرت امام احمد بن محمد صاوی مالکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قولہ ’’حقٌّ‘‘ أي ثابت بالکتاب والسنة والإجماع فمن أنکرہ کفر ففي القرآنِ ”سَرِيْعُ الْحِسَابِ“ و في السُّنة ”حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا“ وأجمع المسلمون علیه۔[۲]

ترجمہ: ماتن کے قول ’’حساب حق ہے‘‘ کا معنیٰ یہ ہیں کہ عقیدۂ حساب قرآن و سنت اور اجماعِ مسلمین سے ثابت ہے۔ کیوں کہ قرآنِ کریم میں ہے: **اللہ جلد حساب لینے والا ہے**۔ حدیثِ پاک میں ہے: **اپنا محاسبہ کرو قبل اس سے کہ تمھارا حساب ہو** اور اِس پر تمام مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے۔

حساب کی حقیقت:

امام صاوی علیہ الرحمہ مزید فرماتے ہیں:

هو لغةً اَلعدُ و اصطلاحًا توقیفُ الله عبادَہ قبل الإنصراف مِن المحشر، و أحوال العباد مختلفة فیه فمنهم من تحاسبه الملآئکة و منهم

---

[۱] تحفة المرید علی جوہرة التوحید، للعلامة ابراہیم بن محمد بن احمد الشافعی، ص: ۱۹۰۔ ملتقطاً

[۲] شرح الصاوی علی جوہرة التوحید، للعلامة احمد بن محمد المالکی الصاوی، ص: ۳۷۶

من یحاسبه اللهُ بنفسه فقد ورد: اِنَّ اللهَ یَضَعُ کَنَفَهٗ عَلٰی عَبْدِهٖ فَیَقُوْلُ اللهُ لَهٗ: یَا عَبْدِیْ! اَنْتَ فَعَلْتَ کَذَا فِیْ یَوْمِ کَذَا ؛ فَیَقُوْلُ: نَعَمْ یَا رَبِّ ۔ فَیَقُوْلُ: سَتَرْتُهَا عَنْکَ فِی الدُّنْیَا وَ اَنَا اَغْفِرُهَا لَکَ الْیَوْمَ ۔ فمحاسبة الله للعبد الغالبُ فیها العفو و محاسبة الملآئکة الغالبُ علیها المناقشة و فی الحدیث: مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ هَلَکَ ۔

ترجمہ: حساب کے لغوی معنی ہیں: شمار کرنا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ کا لوگوں کو محشر سے پلٹنے سے پہلے ان کے اعمال پر آگاہ کرنا۔ حساب کے سلسلے میں لوگوں کے احوال مختلف ہوں گے۔ بعض وہ ہوں گے جن کا حساب فرشتے لیں گے اور بعض وہ ہوں گے جن کا محاسبہ خود رب فرمائے گا؛ جیسا کہ حدیثِ پاک ہے: اللہ عزوجل اپنے بندے کے ساتھ لطف فرمائے گا اور اس سے پوچھے گا:

اے میرے بندے! تو نے دنیا میں فلاں دن فلاں گناہ کیا تھا؟

وہ بندہ (شرمندگی کے ساتھ) عرض کرے گا:

ہاں میرے رب! (مجھ سے چوک ہوگئی تھی)

اللہ عزوجل فرمائے گا:

میں نے تیرے اُس گناہ کو دنیا میں پوشیدہ رکھا تھا اور آج میں اسے معاف کر رہا ہوں۔ سبحان اللہ۔

اگر اللہ عزوجل حساب لے گا تو اس میں عفو درگزر کا پہلو غالب ہوگا اور اگر فرشتے حساب لیں گے تو اس میں تفتیش (سخت پوچھ تاچھ) کا پہلو غالب ہوگا، جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے: جس سے سخت حساب ہوگا وہ ہلاک ہوجائے گا (پھنس جائے گا)۔

حساب کی کیفیت:

جن کا استثنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے، ان کے علاوہ ہر مومن وکافر جنات و انسان سب کا حساب و کتاب ہوگا، مگر ہر ایک سے حساب کی کیفیت مختلف ہوگی۔ کسی کا آسانی سے ہوگا، کسی کا سختی سے۔ کسی کا خُفیہ ہوگا، کسی کا بر سر عام۔ کسی کا ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ ہوگا تو کسی کا فضل وعدل کے ساتھ۔ [۱]

حساب کی سختی:

بعض اہلِ محشر سے بہت سخت حساب ہوگا، حدیثِ پاک میں ہے، ہمارے آقا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم فرماتے ہیں:

ایک شخص کو حساب کتاب کے لیے کھڑا کیا جائے گا، تو اسے اس قدر پسینہ آئے گا کہ اگر ایک ہزار پیاسے اونٹ اسے پئیں تو اچھی طرح سیراب ہوجائیں۔ [۲]

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَیْسَ اَحَدٌ یُحَاسَبُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا ھَلَکَ۔ قُلْتُ أَوَ لَیْسَ یَقُوْلُ اللہ: فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا؟ فَقَالَ: اِنَّمَا ذٰلِکَ الْعَرْضُ، وَلٰکِنْ مَّنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ یَھْلِکُ۔ [۳]

---

[۱] تحفۃ المرید علی جوہرۃ التوحید، للعلامۃ ابراہیم بن محمد بن احمد الشافعی، ص: ۱۹۰۔ شرح الصاوی علی جوہرۃ التوحید، للعلامۃ احمد بن محمد المالکی الصاوی، ص: ۳۷۶

[۲] المسند، للامام احمد بن حنبل، ج: ۱، ص: ۶۵۲، رقم الحدیث: ۱۷۷۲

[۳] الصحیح، للامام محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب العلم، باب من سمع شیئا فراجع فیہ حتّٰی یعرفہ، رقم الحدیث: ۱۰۳۔ الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا، باب اثبات الحساب، رقم الحدیث: ۲۸۷۶

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وعلی صحبہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ بروزِ قیامت جس کا بھی حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: کیا اللہ تبارک وتعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ ”عن قریب بہت معمولی حساب لیا جائے گا“۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اس سے مراد صرف پیشی ہے؛ لیکن جس سے حساب میں سختی کی جائے گی وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (اور اس کے لیے مواخذے سے بچ نکلنا بہت مشکل ہو جائے گا)

سب سے پہلے کس چیز کا حساب ہوگا:

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت عبداللہ بن نمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ۔ [1]

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خون بہانے کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔

جب کہ دوسری احادیثِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بروزِ قیامت اعمال میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا۔ [۲]

---

[۱] الصحیح، للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب القسامة، باب المجازات بالدماء فی الآخرة۔ رقم الحدیث: ۴۴۷۵

[۲] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، ابواب الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۴۱۳۔ السنن، للامام احمد بن شعیب النسائی، کتاب الصلاۃ، باب المحاسبة علی الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۶۶۔ السنن، للامام محمد بن یزید ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلاۃ والسنة فیہا، باب ما جاء فی اول ما یحاسب بہ العبد الصلاۃ، رقم الحدیث ۱۴۲۶۔ المسند، للامام احمد بن حنبل، مسند البصریین، رقم الحدیث: ۲۰۶۹۲

روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے حکیم الامّت حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

خیال رہے کہ عبادات میں پہلے نماز کا حساب ہوگا اور حقوق العباد میں پہلے قتل و خون کا یا نیکیوں میں پہلے نماز کا حساب ہے اور گناہوں میں پہلے قتل کا۔[۱]

بلا حساب جنّت میں داخلہ پانے والے خوش نصیب:

حضور نبیِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری اُمّت سے، ستر ہزار خوش نصیب بے حساب جنّت میں داخل ہوں گے۔ عرض کی گئی: کیا آپ نے اپنے رب سے اضافے کے لیے نہیں کہا؟ ارشاد فرمایا: میں نے تعداد بڑھانے کی گزارش کی تو اس نے یہ اضافہ کیا کہ **اُن ستر ہزار میں سے، ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے**، جو بلا حساب و کتاب بخشے جائیں گے۔ آپ سے عرض کی گئی: کیا آپ نے یہ تعداد بڑھانے کے لیے، اللہ عزوجل سے مزید گزارش نہیں کی؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میری گزارش کے سبب اللہ کریم نے ان کے ساتھ تین جماعتیں اور کردی ہیں۔ معلوم نہیں ہر جماعت میں کتنے ہوں گے، اس کا شمار وہی جانے۔ یہ سب بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔[۲]

وزنِ اعمال کی حقیقت:

وزنِ اعمال حساب و کتاب کا تتمہ اور اس کا ایک حصہ ہے، اس لیے وزنِ اعمال

---

[۱] مراۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح لحکیم الامۃ المفتی احمد یار خان النعیمی، ج:۲، ص:۳۰۶

[۲] تحفۃ المرید علی جوہرۃ التوحید، للعلامۃ ابراہیم بن محمد بن احمد الشافعی، ص:۱۹۰

کے حوالے سے اہلِ سنت کا موقف اور دیگر چند اہم باتیں ذکر کردینا مناسب معلوم ہو رہا ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کہتے ہیں کہ بروزِ قیامت حساب و کتاب کے بعد اللہ عزوجل **میزان یعنی ترازو قائم فرمائے گا**، جس پر بندوں کے اچھے برے اعمال تولے جائیں گے۔

میزانِ عمل کا قائم ہونا حق ہے، اس کا ثبوت سورۂ انبیا کی اس آیتِ کریمہ میں ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝ [۱]

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے۔ سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوا تو ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اسی میزانِ عدل میں بندوں کے اچھے اور برے اعمال تولے جائیں گے۔ جس کی نیکیوں کا پلڑہ بھاری ہو کر اوپر جائے گا وہ فلاح و ظفر سے شادکام ہوگا اور جس کی نیکیوں کا پلڑہ ہلکا ہو کر نیچے آئے گا وہ محروم و نامراد ہوگا۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

آخرت میں لوگوں کے تین طبقات ہوں گے۔ بعض ایسے مسلمان ہوں گے جن کا کوئی کبیرہ گناہ نہیں ہوگا، یہ اہلِ تقویٰ ہیں۔ اور بعض ایسے مسلمان ہوں گے جن کے بڑے بڑے گناہ بھی ہوں گے اور ان کی نیکیاں بھی ہوں گی، یہ خطاکار ہیں۔ اور تیسری قسم میں کفار و مشرکین ہیں۔

رہے متقین تو ان کی نیکیاں ایک روشن پلڑے میں رکھی جائیں گی اور ان کے

---

[۱] سورۃ الانبیاء، رقم الآیۃ: ۴۷

صغیرہ گناہ دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے، اللہ عزوجل ان کے صغیرہ گناہوں کا کوئی وزن نہیں ہونے دے گا اور ان کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور دوسرا تاریک پلڑا وزن سے خالی رہے گا۔

رہے مخلطین (گناہ کبیرہ کرنے والے) تو ان کی نیکیاں روشن پلڑے میں رکھی جائیں گی اور ان کی برائیاں تاریک پلڑے میں رکھی جائیں گی، پس ان کی برائیوں کا وزن ہوگا۔ تو اگر ان کی نیکیاں زیادہ وزنی ہوں گی تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے، خواہ ان کی نیکیوں کا وزن معمولی سا ہو اور اگر ان کی برائیاں زیادہ وزنی ہوں گی تو وہ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے، خواہ برائیاں معمولی سی ہوں، ماسوا اس کے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انھیں اپنے فضل سے (یا اپنے محبوب علیہ الصلاۃ والسلام یا کسی اور کی سفارش سے) معاف فرمادے۔

اور اگر ان کی نیکیوں اور برائیوں کا وزن برابر ہوگا تو وہ اصحابِ اعراف میں سے ہوں گے۔ یہ اس وقت ہے جب ان کے گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور اگر ان کے گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہو اور ان کی نیکیاں زیادہ ہوں تو ان کی نیکیوں کے ثواب کو بقدرِ حقوق کم کر دیا جائے گا اور اگر نیکیاں دے کر بھی ان کے حقوق پورے نہ ہوئے تو ان پر بقدرِ حقوق حق داروں کے گناہ ڈال دیے جائیں گے۔

حضرت احمد بن حرب علیہ الرحمہ نے کہا:

قیامت کے دن تین قسم کے لوگ اٹھائے جائیں گے۔ ایک وہ جو اعمالِ صالحہ کے اعتبار سے غنی اور خوش حال ہوں گے۔ دوسرے وہ جو فقیر ہوں گے، یعنی ان کے پاس اعمالِ صالحہ نہیں ہوں گے اور تیسرے وہ جو پہلے اعمالِ صالحہ کے اعتبار سے غنی ہوں گے اور پھر لوگوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد فقیر ہو جائیں گے۔

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا :

اگر تم اپنے رب سے ستر گناہوں کے ساتھ ملاقات کرو، جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو تو وہ اس سے آسان ہے کہ تم اس سے ایک ایسے گناہ کے ساتھ ملاقات کرو جس کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہو....

رہا کافر تو اس کے کفر کا وزن تاریک پلڑے میں کیا جائے گا، اس کی کوئی نیکی نہیں ہوگی، جس کو روشن پلڑے میں رکھا جائے، چناں چہ اس کا روشن پلڑہ فارغ اور خیر سے یکسر (بالکل) خالی ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسے دوزخ میں جانے کا حکم دے گا اور ہر کافر کو اس کے باقی گناہوں کے اعتبار سے عذاب دیا جائے گا۔

اہلِ تقویٰ کے صغیرہ گناہ، کبیرہ گناہوں سے بچنے کے سبب مٹا دیے جائیں گے اور انھیں جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا اور ہر شخص کو اس کی اطاعت اور نیکیوں کے اعتبار سے اجر وثواب دیا جائے گا۔[۱]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا:

اللہ تبارک وتعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن تمام مخلوق سے ممتاز کر کے الگ کھڑا کرے گا۔ پھر اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے جو منتہائے بصر (حدِ نگاہ) تک ہوں گے۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا: تم اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ وہ کہے گا نہیں! اے میرے رب! اللہ رب العزت فرمائے گا: کیا تمھارے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں۔ اے میرے رب! اللہ تبارک وتعالیٰ

---

[۱] کتاب التذکرۃ باحوال الموتیٰ وامور الآخرۃ، للامام ابی عبد اللہ محمد بن احمد الخزرجی القرطبی، ج: ۲، ص: ۱۹؍ ۲۰، ملتقطاً

فرمائے گا: کیوں نہیں، ہمارے پاس تمھاری ایک نیکی ہے، آج تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر ایک پرچی نکالی جائے گی جس پر لکھا ہوگا "أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا عبده ورسوله"۔

اللہ عزوجل فرمائے گا: **اس کو اپنے میزان پر رکھو!**

وہ کہے گا: **اے میرے رب! ان بڑے بڑے رجسٹروں کے مقابلے میں اس ایک پرچی کا وزن کیا ہوگا؟**

اللہ جل شانہ فرمائے گا:

تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر ان گناہوں کے رجسٹروں کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور اس پرچی کو دوسرے میں رکھ دیا جائے گا تو ان رجسٹروں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا اور اس **پرچی کا پلڑا بھاری ہوگا** اور اللہ عزوجل کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی۔[۱]

ان روایتوں سے اگر ایک طرف وزنِ اعمال کا حق ہونا ثابت ہو رہا ہے تو دوسری طرف یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ اللہ عزوجل کے فضل و کرم اور رحمت و بخشش کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے، بخشنے پر آجائے تو کسی بھی بہانے سے بخش دے اور اگر سخت گیری فرمائے تو بچنا مشکل ہو جائے۔

لیکن جو خوش نصیب مصطفیٰ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے دامنِ کرم سے وابستہ ہیں، انھیں حضور کی شفاعت خود تلاش لے گی اور اپنے محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کی شفاعت سے

---

[۱] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، ابواب الایمان عن رسول اللہ ﷺ، باب من یموت وھو یشھد ان لا الہ الا اللہ، رقم الحدیث: ۲۶۳۹۔ المسند، للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو، ج: ۱۱، رقم الصفحۃ ۵۷۰، رقم الحدیث: ۶۹۹۴

رب تبارک وتعالیٰ انھیں جنت کا پروانہ عطا فرمائے گا۔

مجددِ اعظم سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اب تو لائی ہے شفاعت عفو پر — بڑھتے بڑھتے عام ہو ہی جائے گا

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا — اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

اسی لیے ہر امتی کو اپنے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کی شفاعت کا آسرا ہے، حضور کی دست گیری کی امید ہے اور اُن کی شانِ رحمت سے بعید ہے کہ اپنی ذات سے شفاعت وامداد کی آس لگانے والے کو محروم فرمادیں۔ ان اشعار میں سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی عقیدے اور فکر کی ترجمانی کی ہے۔

امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ — لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

ترجمہ: وہ ایسے حبیب ہیں جن کی شفاعت کا آسرا ہر پیش آنے والی ہول ناک مصیبت میں کیا جاتا ہے۔ اللھم اجعلنا منھم واحشرنا معھم بوسیلۃ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔ آمین۔

(۵۰/۵۱)

فَلَاَنْتَ اَكْرَمُ شَافِعٍ وَ مُشَفَّعٍ		وَ مَنِ الْتَجَا بِحِمَاكَ نَالَ رِضَاكَا
فَاجْعَلْ قِرَاكَ شَفَاعَةً لِّيْ فِيْ غَدٍ		فَعَسٰى اُرٰى فِي الْحَشْرِ تَحْتَ لِوَاكَا

ترجمہ: کیوں کہ (اے میرے آقا!) آپ سب سے باعزت شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ کی شفاعت قبول ہوگی، اور جس نے بھی آپ کی پناہ گاہ میں پناہ لی اسے آپ کی رضا وخوش نودی حاصل ہوگئی۔

توبروزِ قیامت آپ اپنی شفاعت سے میری ضیافت فرمائیں، امید ہے کہ مجھے حشر میں آپ کے پرچم تلے جگہ نصیب ہوجائے گی۔

حلِّ لغات:

- اِلْتَجَا: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ افتعال، پناہ لینا۔
- نَالَ: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ سمع و ضرب بمعنیٰ پانا، حاصل کرنا۔
- قِرٰی: مہمانی کا کھانا، مصدر از بابِ ضرب، مہمان کی ضیافت کرنا۔
- غَدٌ: آئندہ کل، یہاں قیامت کا دن مراد ہے۔
- اُرْی: فعلِ ماضی مجہول، صیغۂ واحد متکلم از بابِ فتح۔
- لِوَاء: جمع: اَلْوِیَة، پرچم، جھنڈا، اس سے مراد لواء الحمد ہے۔

تشریح:

ان اشعار میں بھی سیّدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے شفاعت کی درخواست کی ہے اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں یوں التجا کی ہے :

یارسول اللہ علیک الصلاۃ والسلام! آپ شافِعین و مشفَّعین (شفاعت کرنے والوں اور شفاعت قبول کیے جانے والوں) میں سب سے معظّم ومکرّم ہیں، بروزِ قیامت، اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوکر سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے اور سب سے پہلے آپ ہی کی سفارش قبول کی جائے گی۔ محشر میں فتح وظفر انھی کا مقدّر بنے گی جو اِس دنیا میں آپ کے دامنِ کرم سے وابستہ ہیں۔ حضور! یہ ادنیٰ غلام بھی آپ کی پناہ میں آگیا ہے؛ لہٰذا

قیامت کے دن اِس پر بھی نظرِ کرم فرمانا اور اپنی شفاعت سے شادکام فرما کر اسے بھی اپنے پرچم تلے جگہ عنایت فرمانا!

حضورِ سرورِ عالَم ﷺ سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے:

ماقبل میں شفاعت کے متعلق کافی گفتگو ہو چکی ہے اور دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن حضور مختارِ کائنات شفیعِ محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم اپنی گناہ گار امت کی شفاعت فرمائیں گے، جیسا کہ حدیثِ پاک:

شَفَاعَتِیْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِیْ ۔[۱]

ترجمہ: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لیے ہے جو گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔

اسے بھرپور طریقے پر واضح کر رہی ہے؛ بلکہ جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام شفاعت کا آغاز فرمادیں گے تو دیگر انبیاے کرام و مرسلینِ عظام علیہم الصلاۃ والسلام؛ بلکہ اولیا و مشائخ بھی شفیع بن کر گناہ گاروں کو دوزخ سے نجات دلوائیں گے۔

امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم کو سب سے معظَّم شافع اور سب سے مکرَّم مشفَّع قرار دیا ہے۔ اس میں حضور کے اوّلِ شافع اور اوّلِ مشفَّع ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اگر حضور علیہ السلام کو شفاعت کرنے میں

---

[۱] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ، رقم الحدیث: ۲۴۳۵۔ الفردوس بماثور الخطاب، للعلامۃ ابی الشجاع شیرویہ بن شہردار الدیلمی، ج: ۲، ص: ۳۵۱۔ شعب الایمان، للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی، ج: ۱، ص: ۲۸۷۔ السنن، للامام ابی داؤد سلیمان بن اشعث مع عون المعبود، ج: ۴، ص: ۳۷۹۔ المعجم الکبیر، للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، ج: ۱، ص: ۲۸۵

اوّلیت حاصل نہ ہوتو افضلیت بھی حاصل نہ ہوگی ؛ کیوں کہ اوّلیت کے لیے افضلیت لازم ہے؛ بلکہ یہاں لزوم طرفین سے ہے، لہٰذا ایک کی نفی دوسرے کی نفی کو مستلزم ہوگی۔

نتیجہ نکلا کہ قیامت کے دن انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام اغواث و اقطاب، علما و زُہّاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی شفاعت فرمائیں گے اور ان کی شفاعت مقبول بھی ہوگی؛ لیکن جو ذات سب سے پہلے شفاعت کرے گی اور سب سے پہلے جس کی شفاعت کو اجابت کا سہرا پہنایا جائے گا، وہ ہمارے آقا حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ **لہٰذا حضور تمام شافعین و مشفّعین سے افضل و بہتر ہوئے۔**

امام محمد بن یزید ابن ماجہ علیہ الرحمہ صحابیِ رسول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ. اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ. [1]

ترجمہ: میں انسانوں کا سردار ہوں، مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی قبرِ انور سے باہر آؤں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی؛ لیکن میں بطورِ فخر نہیں کہہ رہا اور قیامت کے دن حمد کا پرچم میرے ہاتھوں میں ہوگا اور مجھے اس پر بھی فخر نہیں ہے۔

اب مناسب معلوم ہو رہا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے اوّلِ شافع ہونے پر چند حدیثیں مزید پیش کر دی جائیں؛ تاکہ قارئین کرام کی

---

[1] السنن، للامام محمد بن یزید ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر الشفاعۃ، رقم الحدیث: ۴۳۰۸

آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور حاصل ہو۔

حضرت امام مسلم علیہ الرحمہ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سیدِ عالَم جانِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. وَ اَوَّلُ مَنْ یَنْشَقُّ عَنْہُ الْقَبْرُ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ ۔[۱]

ترجمہ: میں قیامت کے دن (بھی) ساری اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، میں سب سے پہلے قبر سے باہر تشریف لاؤں گا، اور میں پہلا شافع ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔

حضرت امام مسلم علیہ الرحمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ یَشْفَعُ فِی الْجَنَّۃِ وَاَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبَعًا ۔[۲]

ترجمہ: جنت میں (داخلے کے لیے) سب سے پہلے مَیں شفاعت کروں گا، اور میرے پیروکار تمام نبیوں سے زیادہ ہوں گے۔

حضرت امام ترمذی علیہ الرحمۃ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں، جس کے آخر میں ہے کہ حضور فخرِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

---

[۱] الصحیح للامام مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الفضائل، باب تفضیل سیدنا علی جمیع الخلائق، رقم الحدیث:۶۰۷۹

[۲] الصحیح للامام مسلم بن حجاج القشیری، کتاب الایمان، باب فی قول النبی ﷺ انا اول الناس یشفع فی الجنۃ و انا اکثر الانبیاء تبعا، رقم الحدیث:۵۰۴

اَلَا وَ اَنَا حَبِیْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَ اَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّحَرِّكُ حِلَقَ الْجَنَّةِ فَیَفْتَحُ اللّٰهُ لِیْ فَیُدْخِلُنِیْهَا وَ مَعِیَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَ اَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَلَا فَخْرَ ۔[۱]

ترجمہ: سن لو! میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا حبیب ہوں؛ لیکن یہ، بطورِ فخر نہیں کہتا (بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں)۔ میں ہی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور یہ بطورِ فخر نہیں کہتا۔ اور قیامت کے دن سب سے پہلا شافع (شفاعت کرنے والا) میں ہی ہوں اور سب سے پہلا مشَفَّع (جس کی شفاعت قبول کی جائے گی) بھی میں ہی ہوں اور میں یہ بطورِ فخر نہیں کہہ رہا۔ اور سب سے پہلے جنت کا کنڈا کھٹکھٹانے والا (بھی) میں ہی ہوں، اللہ تعالیٰ میرے لیے اسے کھولے گا اور مجھے اس میں داخل فرمائے گا، اس وقت میرے ساتھ غریب مومن ہوں گے اور یہ بطورِ فخر نہیں کہہ رہا (بلکہ تحدیثِ نعمت مقصود ہے)۔ میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں، اور میں اسے بھی بطورِ فخر نہیں کہتا۔

لواء الحمد کی حقیقت:

اس شعر میں سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چوں کہ "لواء الحمد" کے تلے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی تعریف وتوصیف کرنے کی آرزو وتمنا کا اظہار کیا ہے، اس لیے اس پرچمِ حمد وثنا کی حقیقت وعظمت کے متعلق کچھ معلومات پیشِ خدمت ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

[۱] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجآء فی فضل النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۶۱۶

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو ایک جھنڈا مرحمت ہوگا، جس کو لواء الحمد کہتے ہیں، تمام مومنین حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک سب اسی کے نیچے ہوں گے۔[۱]

یہ عقیدہ متعدد احادیثِ کریمہ سے ثابت ہے، چناں چہ حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ حضرت ابونضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

خَطَبَنَا اِبْنُ عَبَّاسٍ رضی الله تعالیٰ عنهما عَلٰی مِنْبَرِ الْبَصْرَةِ فَقَال: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّهٗ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ اِلَّا لَهٗ دَعْوَةٌ تَنَجَّزَهَا فِي الدُّنْيَا وَاِنِّي اِخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ وَ أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ. وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ. وَ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ. آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ وَلَا فَخْرَ... الحديث بطوله۔[۲]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بصرہ کے منبر پر ہمیں خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک ہر نبی کو ایک دعائے مستجاب ملی ہے، جس کی مقبولیت کی درخواست اس نے دنیا ہی میں کر دی؛ لیکن میں نے اپنی دعا بچا کر رکھی ہے؛ تاکہ روزِ قیامت اسے اپنی امت کی شفاعت کے لیے استعمال کروں۔ روزِ قیامت (بھی) میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ سب سے پہلے مجھ سے زمین شق ہوگی، لیکن مجھے اس پر

---

[۱] بہارِ شریعت، لصدر الشریعۃ المفتی امجد علی الاعظمی، الجزءالاول، رقم الصفحہ: ۷۔۱۴۲، مجلس المدینۃ العلمیہ

[۲] المسند، للامام احمد بن حنبل، ومن مسند بنی ہاشم، مسند عبد اللہ بن عباس، ج: ۴، ص: ۷۲۴، رقم الحدیث: ۲۶۹۲

فخر نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا، لیکن میں یہ بطورِ فخر نہیں کہہ رہا۔ آدم اور ان کے بعد کے تمام انسان میرے پرچم تلے ہوں گے؛ لیکن مجھے اس پر بھی فخر نہیں ہے۔

امام حاکم علیہ الرحمہ اور دیگر محدثین حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ. مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَهُوَ تَحْتَ لِوَائِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَنْتَظِرُ الْفَرَجَ. وَإِنَّ مَعِي لِوَاءَ الْحَمْدِ. أَنَا أَمْشِي وَيَمْشِي النَّاسُ مَعِي حَتَّى آتِيَ بَابَ الْجَنَّةِ فَأَسْتَفْتِحُ فَيُقَالُ: مَنْ هٰذَا؟ فَأَقُولُ: مُحَمَّدٌ. فَيُقَالُ: مَرْحَبًا بِمُحَمَّدٍ. فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي خَرَرْتُ لَهُ سَاجِدًا۔[1]

ترجمہ: میں روزِ قیامت (بھی) لوگوں کا سردار ہوں گا اور یہ میں بطورِ فخر نہیں کہتا۔ اس دن ہر کوئی میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا اور وہ نجات کا منتظر ہوگا۔ پرچمِ حمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں چلوں گا تو میرے ساتھ لوگ چلیں گے یہاں تک کہ میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اسے کھولنے کے لیے کہوں گا۔ پوچھا جائے گا کہ کون ہے؟ میں کہوں گا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم) تو کہا جائے گا: محمد کا خیر مقدم ہے۔ جب میں رب تعالیٰ کو دیکھوں گا تو سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ سبحان اللہ۔

امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

جس کے زیرِ لوا آدم و من سوا　　　اس سزائے سیادت پہ لاکھوں سلام

---

[1] المستدرک علی الصحیحین للامام ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشابوری، ج:۱، ص: ۸۳۔ جامع الاحادیث، للامام جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی، ج: ۲۲، ص: ۳۹۲۔ و ج: ۱۰، ص: ۲۰۵۔ کنز العمال، للامام علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الھندی، ج: ۱۱، ص: ۴۳۴

مزید فرماتے ہیں:

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لِوا کے تلے ثنا میں کھلے، رضا کی زباں تمھارے لیے

سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی شفاعت کے یقینی ہونے کے باوجود کسی مومن کے لیے ہرگز روا نہیں کہ حضور کی شفاعت پر تکیہ کر کے دریاے معصیت میں غرق رہے اور خود کو جنت کا حق دار تصوّر کرے؛ کیوں کہ یہ، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ناراضگی کا سبب اور شریعت کے تقاضے کے خلاف ہے۔ اس لیے ہر مومن کے لیے ہر حال میں ضروری ہے کہ تمام فرائض وواجبات کو ادا کرتا رہے اور جملہ محرّمات ومکروہات سے بچتا رہے۔

اللّٰھم ارزقنا اتباع النبی ﷺ فی کلّ ما أمرنا بہ وفی کلّ ما نہانا عنہ۔

(۵۲و۵۳)

صَلّٰی عَلَیْكَ اللهُ یَاعَلَمَ الْهُدٰی	مَاحَنَّ مُشْتَاقٌ اِلٰی مَثْوَاكَا
وَعَلٰی صَحَابَتِكَ الْكِرَامِ جَمِیْعِهِمْ	وَالتَّابِعِیْنَ وَكُلِّ مَنْ وَّالَاكَا

ترجمہ: اے ہدایت کے روشن مینار! اللہ عزوجل آپ پر رحمتیں نازل فرمائے! جب تک عاشق آپ کے روضۂ اقدس کے مشتاق رہیں۔ اور آپ کے تمام صحابۂ کرام، تابعینِ عظام اور آپ کے ہر حامی ومددگار پر بھی رحمتیں نازل ہوں۔

حلِّ لغات:

❁ صَلّٰی: فعلِ ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ تفعیل۔ اللّٰہُ

عَلَيْهِ : برکت دینا، اچھی تعریف کرنا، رحمت نازل کرنا۔

- عَلَمٌ : پرچم، قوم کا سردار، راستے کا نشان، اونچا پہاڑ جمع: أَعْلَام۔
- مَثْوٰی: اسم ظرف از ثَوٰی یَثْوِی، بابِ ضرب، اقامت کرنا جمع :مَثَاوِی۔
- صَحَابَة : وہ خوش نصیب حضرات جو ایمان کی حالت میں حضورِ اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے دیدار سے مشرف ہوئے ہوں اور ایمان ہی پر ان کا انتقال ہوا ہو۔ واحد صَاحِب۔
- تَابِعِيْن: وہ حضرات جنھوں نے بحالتِ ایمان کسی صحابی کا دیدار کیا ہو اور ایمان ہی پر خاتمہ ہوا ہو۔
- وَالٰی: فعل ماضی معروف، صیغۂ واحد مذکر غائب از بابِ مُفَاعَلَة. دوستی کرنا، مدد کرنا۔

تشریح:

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم سے استمداد و استغاثہ کرنے کے بعد، حضور کے کچھ اوصاف وکمالات اور فضائل ومعجزات کا ذکر فرمایا، پھر اُن سے شفاعت کی درخواست کی۔ اب دعاے شفاعت کے بعد اپنے مبارک قصیدے کو صلاۃ وسلام پر ختم کر کے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ نیک کاموں کا اختتام صلاۃ وسلام پر ہونا چاہیے! یہی ہمارے اسلافِ کرام اور بزرگانِ دین کا طریقہ رہا ہے اور احادیث وآثار سے یہی واضح ہوتا ہے۔

دعا کے اول وآخر درود پڑھنے کی فضیلت میں احادیث وآثار:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

كُنْتُ أُصَلِّيْ وَالنَّبِيُّ ﷺ وَ اَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللهِ ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ سَلْ تُعْطَهْ سَلْ تُعْطَهْ۔ [۱]

میں اور حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم نماز پڑھ رہے تھے، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھے۔ (نماز سے فارغ ہو کر) جب میں بیٹھ گیا تو پہلے میں نے اللہ عزوجل کی ثنا کی، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم پر درود پڑھا، پھر میں نے اپنے لیے سوال کیا تو آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: سوال کر عطا کیا جائے گا، مانگ ملے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ ﷺ۔ [۲]

دعا آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتی ہے، اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی جب تک تم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم پر درود نہ پڑھ لو۔

علامہ احمد بن الحواری علیہ الرحمہ نے کہا:

سَمِعْتُ اَبَا سُلَيْمَانَ الدَّارَانِيْ يَقُوْلُ: مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّسْئَلَ اللهَ حَاجَتَهُ فَلْيَبْدَأْ بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَلْيَسْئَلْ حَاجَتَهُ وَلْيَخْتِمْ بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ

[۱] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی الثناء علی اللہ والصلاۃ علی النبی ﷺ قبل الدعاء، رقم الحدیث: ۵۹۲

[۲] الجامع، للامام محمد بن عیسیٰ الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ رقم الحدیث: ۴۸۶

ﷺ فَاِنَّ الصَّلَاۃَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ مَقْبُوْلَۃٌ وَاللّٰہُ اَکْرَمُ اَنْ یَّرُدَّ مَا بَیْنَھُمَا۔ [۱]

میں نے ابوسلیمان دارانی سے یہ سنا کہ جو شخص اللہ عزوجل سے اپنی حاجت کے سوال کا ارادہ کرے وہ پہلے حضور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پر درود پڑھے، پھر اپنی حاجت کا سوال کرے، آخر میں پھر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم پر درود پڑھے۔ بے شک نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پر پڑھے ہوئے درود کو قبول کیا جاتا ہے اور **اللہ عزوجل کی شان سے بہت بعید ہے کہ درمیان کی دعاؤں کو رد کردے۔**

اس طرح کی متعدد احادیثِ کریمہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اعمالِ صالحہ یا دعائے خیر کے اول یا آخر درودِ پاک پڑھ لیا جائے تو اس کے وسیلے سے دعا بھی قبول ہوگی اور اعمالِ صالحہ بھی مقبول ہوں گے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ خود خالق کائنات اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۝ [۲]

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور بکثرت سلام پڑھو۔

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک

---

[۱] جلاء الافہام، للعلامہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، ج:۱، ص:۴۴۸۔ فتح القریب المجیب علی الترغیب والترھیب، للعلامہ حسن بن علی الفیومی، ج:۷، ص:۵۹۹۔ منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری، للعلامہ حمزہ قاسم، ج:۵، ص:۲۶۷۔ الجامع لاحکام القرآن، للامام محمد بن احمد شمس الدین القرطبی، ج:۱۴، ص:۲۳۵

[۲] سورۃ الاحزاب، رقم الآیۃ:۵۶

وسلم پر درود پاک بھیجنا ملائکہ مقربین؛ بلکہ خود خالق کائنات اللہ عزوجل کا دائمی عمل ہے؛ لہٰذا اس کے قبول ہونے اور اس کے ساتھ مانگی گئیں دعاؤں کے مقبول ہونے میں شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسی لیے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کے بعد، حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم، حضور کی آل واصحاب اور اُن کے جملہ محبوبوں کی بارگاہ میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کیا ہے۔

صلاۃ کے معنی کی تحقیق:

صلاۃ کے معنی رحمت و برکت اور حمد و ثنا کے ہیں۔ عربی میں نماز کو بھی "صلاۃ" اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے پڑھنے سے رب کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اور بندہ تعریف وتوصیف کا مستحق ہوجاتا ہے۔

لیکن منسوب الیہ کے بدلنے سے اس کے معنی تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اگر اس کی نسبت رب تبارک وتعالیٰ کی طرف کی جائے اور کہا جائے کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول علیہ الصلاۃ والسلام پر اور مسلمانوں پر صلاۃ پڑھتا ہے" تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کی مدح وثنا کرتا اور ان پر رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اور اگر اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی طرف کر کے یوں کہا جائے کہ "حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم مسلمانوں پر صلاۃ پڑھتے ہیں"، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام ان کے لیے برکت کی دعا کرتے ہیں اور اگر اس کی نسبت فرشتوں کی جانب کی جائے تو اس کے معنی نزولِ رحمت یا دعاے مغفرت ہیں۔

ایک علمی نکتہ :

رب تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پر درودِ پاک پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا :

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

اور اس حکم پر عمل پیرا ہونے کے لیے جب ہم اپنے آقا حضور مختارِ کُل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پر درود پڑھتے ہیں تو یوں عرض گزار ہوتے ہیں :

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ

اے اللہ! تو (ہی) ہمارے آقا ومولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم پر درود بھیج!

کیوں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا مقام ومرتبہ اور آپ کی قدر ومنزلت کیا ہے اور آپ عظمت ورفعت کے کس مقام پر فائز ہیں اور آپ پر درود وسلام پڑھنے کے آداب وانداز کیا ہیں۔

لہٰذا ہم ”صلاۃ“ کو اللہ رب العزت ہی کے حوالے کر کے یوں عرض کرتے ہیں :

اے اللہ! اپنے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے حقائق ومعارف اور مراتب ومناقب کو کما حقہ تو ہی جاننے والا ہے، ان کے رتبۂ جلیلہ اور مرتبۂ عظیمہ کے موافق تو ہی درود بھیج سکتا ہے، سو تو ہی ان پر صلاۃ پڑھ اور تو ہی ان پر درود بھیج!

ہمیشگی اور دوام کو بتانے کی مختلف تعبیریں :

اس آخری شعر میں روضۂ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کی زیارت

کے لیے عاشقوں کے رونے، گڑگڑانے اور بے قرار رہنے کا ذکر ہے اور سبھی جانتے ہیں کہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا تو اب اس شعر کا مطلب یہ ہوا:

اے اللہ! اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم اور ان کی آل واصحاب پر صبحِ قیامت تک رحمت ونور کی بارش برساتا رہ۔

کلامِ عرب میں ہمیشگی اور دوام کو بتانے کے لیے مختلف تعبیریں استعمال کی جاتی ہیں مثلاً:

(۱) "ما اختلف الملوان" اور "ما تعاقب الملوان"

ترجمہ: جب تک صبح وشام آتے جاتے رہیں اور جب تک یہ ایک دوسرے کا تعاقب کرتے رہیں۔

(۲) "ما أقبل الليل و أدبر النهار"

ترجمہ: جب تک رات دن آتے جاتے رہیں۔

(۳) "ما تعاقبت الأنوار والظلمات"

ترجمہ: جب تک روشنیاں اور تاریکیاں ایک دوسرے کا پیچھا کرتی رہیں۔

(۴) "مادامت السموات والأرض"

ترجمہ: جب تک آسمان وزمین باقی رہیں۔

(۵) "ما طلعتِ الشمس و أضاءت الأكوان"

ترجمہ: جب تک سورج طلوع ہوتا رہے اور کائنات روشن ہوتی رہے۔

(۶) "ما هبت الرياح ودبت الأشباح"

ترجمہ: جب تک ہوائیں چلتی رہیں اور افراد چلتے رہیں۔

(۷) "ما أقلت الغبراء و أظلت السماء"

ترجمہ: جب تک زمین اٹھاتی رہے اور آسمان سایہ فگن رہے۔

(۸) "ما رنت الحمامة على غصون البان"

ترجمہ: جب تک کبوتری درختِ بان کی شاخوں پر نغمہ سنجی کرتی رہے۔

(۹) "ما رنّحت ريح صبا عذبات البان"

ترجمہ: جب تک بادِ صبا سے درختِ بان کی شاخیں جھومتی رہیں۔

(۱۰) "ما أطرب العيس حادي العيس بنغمه"

ترجمہ: جب تک حدی خواں اپنے نغموں سے اونٹوں کو مستانہ وار چلاتے رہیں۔

(۱۱) "ما غرد الورقاء على بان"

ترجمہ: جب تک کبوتر درختِ بان پر نغمہ سرائی کرتا رہے۔

(۱۲) "ما أطرب الورقاء بالالحان"

ترجمہ: جب تک فاختائیں خوش الحانی کے ساتھ گاتی رہیں۔

اسی طرح کی ایک تعبیر "ما حنّ مشتاق الی مثواك" بھی ہے اور میرے خیال میں یہ تعبیر مذکورہ تمام تعبیروں سے عمدہ و بہتر ہے؛ کیوں کہ کسی میں صبح و شام کا ذکر ہے تو کسی میں کبوتری اور درختِ بان کا بیان، کسی میں حدی خواں کے نغموں کا تذکرہ ہے تو کسی میں ان کے اونٹوں کا ذکر؛ لیکن اس تعبیر میں رسول معظم، فخر کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کے روضۂ پاک کا ذکرِ جمیل ہے۔ لہٰذا دوام واستمرار کو بتانے کے لیے یہ سب سے بہتر تعبیر ہے؛ کیوں کہ اس میں مقصد کی ادائیگی بھی ہے اور محبت کا اظہار بھی۔

حدیثِ پاک میں ہے:

بزم فیضان رضا کی مطبوعہ کتابیں



Setting By: Maulana Rafique Nizami Subhani,8286890370

Publisher
BAZM-E-FAIZAN-E-RAZA & NOOR-E-IMAAN ISLAMIC ORGANIZATION
Kurla West Mumbai-70
Rs:500

مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهُ.[1]

ترجمہ: محبت کرنے والا اپنے محبوب کا ذکر خوب کثرت سے کرتا ہے۔

تمّت بالخیر

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیرِ خلقہ سیدنا محمدٍ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم



[1] التنویر شرح الجامع الصغیر، للعلامۃ محمد بن اسماعیل الصنعانی، ج:۱۰، ص:۳۵۔ الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، للامام عبدالرحمٰن بن کمال الدین جلال الدین السیوطی، ج:۱، ص:۱۷۹